مجلّہ سراج الاسلام غیر مؤقت

خصوصی اشاعت

بیاد: وکیل احناف حضرت مولانا محمد ابوبکر صاحب غازی پوری

بانی

عارف باللہ حضرت مولانا اعجاز احمد اعظمی صاحب نور اللہ مرقدہ

مدیر تحریر: محمد عرفات اعجاز اعظمی

مدیر مسئول: مولانا محمد راشد اعظمی

معاون مدیر: مولانا محمد اشہد اعظمی

مرکزِ اشاعت:

مدرسہ سراج العلوم، سراج نگر، چھپرہ، ضلع مئو (یوپی) 276129

EMAIL:arfatazmi89@gmail.com

مجلّہ سراج الاسلام

غیر مؤقت

سراج نگر
چھپرا
ضلع مئو

بانی: عارف باللہ حضرت مولانا اعجاز احمد اعظمی نور اللہ مرقدہ

زیر نگرانی: مولانا ابرار الحق قاسمی صاحب ناظم مدرسہ سراج العلوم

قیمت خصوصی نمبر: ۱۲۵؍روپے

ترسیل زر کا پتہ: مولانا افتخار احمد صاحب

MADRASA SIRAJUL ULOOM SIRAJNAGAR
P.O. CHHAPRA DISTT: MAU (U.P.)
PIN:276129

ملنے کا پتہ

مکتبہ اثریہ قاسمی منزل سیدواڑہ

غازی پور۔ یوپی۔ پن کوڈ: 233001

موبائل نمبر: 9453497685

Mob:9450732959-9936029463-9936391085

فہرست مشمولات

○ منظومات:

○ گوشہ حضرت مولانا قاری ولی اللہ صاحب:



حرفِ چند

محمد عرفات اعجاز اعظمی

حضرت مولانا محمد ابوبکر صاحب غازی پوری سے مجھے صرف ایک مرتبہ ملنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔اس ملاقات کا اجلا نقش آج بھی ذہن میں تازہ ہے۔مغرب کی نماز ان کی اقتدا میں ادا کرنے بعد دردولت پر حاضر ہوا۔والد صاحب کے حوالے سے تعارف کرایا، بہت خوش ہوئے،اپنے قریب بیٹھایا، دیر تک باتیں کرتے رہے،زیادہ تر گفتگو درسی کتابوں کے تعلق سے ہوئی۔جب رخصت کی اجازت چاہی تو عربی کی ایک ضخیم کتاب عنایت فرمائی اور تاکید کی کہ اس کا مطالعہ ضرور کرنا اور ’زمزم‘ کا ایک تازہ شمارہ جس میں ان کا ایک بڑے عالم کی کتاب پر تبصرہ تھا، والد صاحب کے لیے دیا اور فرمایا کہ ”اپنے ابا سے کہہ دینا کہ تبصرہ پڑھنے کے بعد اپنے تاثرات سے آگاہ کریں۔“

اس ملاقات سے جو تصویر ان کی ذہن میں بنی وہ یہ کہ مولانا بڑے عالم تو ہیں ہی مگر ان میں بڑوں والی بے اعتنائی نہیں ہے۔خردوں سے نہ صرف یہ کہ محبت وشفقت سے ملتے ہیں بلکہ ان کی حوصلہ افزائی بھی کرتے ہیں اور رہنمائی بھی۔

مولانا کی عمومی شہرت اور وجہ تعارف ردغیر مقلدیت ہے۔بلاشبہہ اس میدان میں ان کا کام کمیت اور کیفیت دونوں اعتبار سے وقیع اور انمٹ ہے۔کم از کم ہندوستان میں تو اس میدان میں ان کا مدمقابل کوئی نظر نہیں آتا۔ان کے اس کام کو حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندوی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی نور اللہ مرقدہ نے ایک خط میں اپنے اطمینان واتفاق کا اظہار کیا اور خوشی ظاہر کی۔مگر مولانا کا صرف اس حوالہ سے تعارف مکمل نہیں

ہے۔ یہ درست ہے کہ انھوں نے اس میدان کا انتخاب کیا اور اسی کو اپنی جولا نگاہ بنایا۔لیکن مولانا ایک مناظر ہونے کے علاوہ اور بھی بہت کچھ تھے، جس کی طرف عام طور سے لوگوں کی نگاہ نہیں گئی۔

مولانا میدان مناظرہ میں آنے سے قبل ایک مثالی مدرس ہوا کرتے تھے۔ مولانا کے سفر ناموں کو پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے شاگرد کہاں کہاں خدمات انجام دے رہے ہیں اور ان سے کس قدر ٹوٹ کر محبت کرتے ہیں۔ ان کا اندرون ملک کا سفر ہو یا بیرون ملک برطانیہ و افریقہ کا، ہر جگہ کے سفر نامے میں شاگردوں کا تذکرہ موجود ہے۔ وہ بھی ایک دو شاگرد نہیں متعدد شاگردان کے استقبال کے لیے موجود ہوتے تھے۔ اور اگر ان میں زمزم کے ذریعہ تربیت یافتہ ذہنوں کو بھی شامل کر لیا جائے تو یہ تعداد چوگنی ہو جائے گی۔

مولانا کو شعر و شاعری سے بھی تھوڑا بہت شغف تھا۔ اس میدان کی طرف مستقلاً تو نہیں، ہاں کبھی کبھار ضرور متوجہ ہوا کرتے تھے۔ یہ کہنا تو صحیح نہیں ہوگا کہ مولانا صف اول کے شعرا میں سے تھے، ہاں اگر کوشش کرتے تو امکان تھا۔ مگر اتنا تو یقینی ہے کہ آج کے دور کے ٹٹ پونجئے گویوں اور مشاعرہ کے شاعروں سے بدرجہا بہتر اور اعلی درجہ کے شاعر تھے۔ ان کے تخیل اور انداز شعر گوئی میں ندرت تو نہیں مگر ایک طرح کا بانکپن ضرور تھا۔ اپنی بعض نظموں میں فطرت کی بہترین عکاسی کی ہے۔ چوں کہ مولانا فطری طور سے ایک عالم دین تھے، اس لیے ان کے شعری کائنات کی گردش حمد و نعت اور مدح و منقبت صحابہ کے محور کے ارد گرد ہے۔ ان کا کل شعری اثاثہ بہت زیادہ تو نہیں ہے مگر جتنا بھی ہے بسا غنیمت ہے۔ ایک دو وفیاتی اور منقبتی نظمیں بھی مولانا نے کہی ہیں جو خاصی عمدہ اور جاندار ہیں۔

مولانا کی شخصیت کا ایک روشن پہلو ان کی بے باکی اور بے خوفی بھی ہے۔ حق کی حمایت اور دینی حمیت ان کی رگوں میں زندگی کے لہو کے طرح گردش کرتی تھی۔ ان کے یہاں مداہنت اور سمجھوتہ کا کوئی خانہ نہیں تھا۔ جس بات کو انھوں نے دیانت و انصاف کے رو سے غلط سمجھا اس کا برملا اظہار کیا۔ ان کے اس اظہار میں شخصیت کی بڑائی یا بزرگی کبھی حارج و حائل نہیں ہوئی۔ بالفاظ دیگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ حق کے وفادار تھے، شخصیت یا گروہ کے نہیں۔

مولانا کی انھیں گوناگوں اور متنوع صفات پر ایک ہلکی سی جھلک ڈالنے کے لیے یہ خاص

نمبر مرتب کیا گیا ہے۔مجلّہ سراج الاسلام کی یہ خصوصی اشاعت عارف باللہ حضرت مولانا اعجاز احمد اعظمی نور اللہ مرقدہ کے منصوبے میں شامل تھی،مگر تقدیر کے سامنے تدبیر کی شکست ہوئی اور اب حضرت مولانا اعظمی علیہ الرحمہ کی وفات کے تین سال بعد یہ منصوبہ پایہ تکمیل کو پہنچ رہا ہے اور ایک فرض کفایہ کی ادائیگی ہو رہی ہے۔

اس نمبر کی ترتیب و تیاری میں جن حضرات کا تعاون حاصل رہا ہے ان کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔اور خصوصی شکریہ ان تمام قابل احترام مقالہ نویس حضرات کا ادا کرتے ہیں جن کے تعاون کے بغیر اس کتاب کی تکمیل ممکن نہ تھی۔اور ساتھ ہی مولانا کلام الدین صاحب بھیروی کے شکرگزار ہیں جو اس کتاب کے محرک ہیں،اور حضرت مولانا غازی پوری کے صاحبزادے مولانا عبید الرحمان صاحب اور مولانا محمد عامر اعظمی صاحب کے شکرگزار ہیں جن کا تعاون ہر قدم پر شامل حال رہا ہے۔اللہ تعالیٰ تمام حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے اور کتاب کو حسن قبول کی دولت سے نوازے۔آمین



مجھے کچھ کہنا ہے اپنی زباں سے

مولانا عبیدالرحمان صاحب غازی پوری
ابن حضرت مولانا محمد ابوبکر صاحب غازی پوری

الحمد الله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين وعلى آله وصحبه اجمعين۔

ہندوستان کی زمین ہر دور میں مردم خیز رہی ہے اور ہر زمانہ میں یہاں نامور علما و مشائخ پیدا ہوتے رہے ہیں جن کی خدمات سے ملک اور دوسرے ممالک کو روشنی ملتی رہی ہے۔

انھی نامی گرامی علمائے کرام میں والدمحترم وکیل احناف حضرت مولانا محمد ابوبکر صاحب غازی پوری نوراللہ مرقدہ بھی تھے۔جن کی علمی و دینی خدمات سے عوام وخواص برابر مستفید ہوتے رہے ہیں۔اور آج بھی ان کی تصنیفات اور تلامذہ سے دنیا مستفید ہو رہی ہے اور ان شاءاللہ برابر ہوتی رہے گی۔

دور حاضر میں غیر مقلدیت ایک ایسا فتنہ ہے جس نے لوگوں کو آزمائش اور پریشانی میں مبتلا کر رکھا ہے۔اس جماعت کے لوگ جہاں کہیں جاتے ہیں وہاں اچھی خاصی پرسکون فضا میں ہنگامہ وشورش برپا کر دیتے ہیں۔اس فتنہ کا تعاقب مختلف زمانوں میں علمائے عظام مختلف طریقہ پر کرتے رہے ہیں اور اس کے خطرے سے عوام کو باخبر کرتے رہے ہیں۔ہمارے اس دور میں اللہ جل شانہ نے والد صاحب سے غیر مقلدیت کے سلسلہ میں بڑا عظیم کام لیا ہے۔والد صاحب نے بڑے جرأت مندانہ طریقہ سے بڑھتے ہوئے اس سیلاب کا مقابلہ کیا اور اس کے سامنے سینہ سپر رہے اور نہایت مضبوطی و کامیابی سے اس محاذ کو سنبھالے رکھا۔

آج کل رواداری اور شخصیت پرستی کا دور ہے لیکن والد صاحب کی ذات دینی غیرت و حمیت کی زندہ علامت، باطل افکار ونظریات کے خلاف بے باک زبان وقلم کی مالک اور اسلاف و اکابر سے بے پناہ عقیدت ومحبت کی امین تھی۔ جس کی جھلک ان کی تحریروں میں صاف طور سے محسوس کی جاسکتی ہے۔

آپ کا سب سے نمایاں وصف اخلاص وتوکل تھا۔ اگر آدمی صدق دل سے دین کی کوئی خدمت کرے تو اس کو قرب الٰہی نصیب ہوتا ہے۔ اخلاص وتوکل، صبر وشکر، ائمہ مجتہدین کی عظمت، حضرات اکابر علمائے دیوبند کی تحقیقات پر اعتماد وانقیاد اور سب سے بڑھ کر اللہ کی رضا کے حصول کے لیے بے تابی ان کی زندگی کا سب سے نمایاں عنوان تھا۔

اللہ تعالی نے والد صاحب کو تواضع وانکساری سے بھی خوب نوازا تھا۔ مشہور ہے مشاہدہ بھی ہے کہ شجر ثمر دار جھکا رہتا ہے۔ اسی طرح آدمی جتنا باکمال ہوگا اس میں اتنی ہی تواضع اور انکساری کی صفت ہوگی۔ تواضع انسان کو بلند کرتا ہے، خود پسندی وتکبر سے انسان ذلیل ہوتا ہے۔

کتابیں والد صاحب کی سب سے قیمتی متاع تھیں۔ آپ نے اپنی پوری زندگی مطالعہ و کتب بینی میں گزاری ہے۔ کئی کئی جلدوں پر مشتمل ضخیم کتابیں بالاستیعاب پڑھ جاتے تھے، اس کے باوجود آپ کی علمی تشنگی دور نہیں ہوتی۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا کہ مطالعہ کی کثرت کے ساتھ اس کی تڑپ بڑھتی جاتی ہے۔

لکھنے کا خاص ذوق قدرت کی طرف سے ودیعت ہوا تھا۔ آپ کا انداز تحریر اس قدر سہل اور عام فہم ہوا کرتا تھا کہ پڑھنے والا چاہے عالم ہو یا عامی، ہر ایک کی سمجھ میں بات آجاتی تھی۔ وہ علمی دلائل کو بھی اپنے اسی اسلوب کے سانچے میں ڈھال دیا کردیتے تھے کہ عام آدمی کے لیے بھی قابل استفادہ ہوجائے۔

والد صاحب بے تکلف اور شگفتہ مزاج تھے۔ بہت جلد لوگوں میں گھل مل جاتے تھے۔ آپ کی سادگی اور بے تکلفی کا مشاہدہ وتجربہ ان سے ملنے والے ہر ایک آدمی کو ہے۔ آپ کا رہن سہن، طور طریقہ، گفتگو غرضیکہ ہر چیز میں سادگی و بے تکلفی نمایاں تھی۔

آپ کو شعر وشاعری اور نعت گوئی کا شوق بھی خوب تھا۔ آپ کے نعتیہ اشعار میں عشق

رسول ﷺ کی جھلک بخوبی محسوس کی جاسکتی ہے۔آپ کی ایک نعت جس کے آخری دومصرعے یہ ہیں

قتیل حب نبی بنوں میں
مدینے جا کے وہیں رہوں میں
کہ روز محشر کہیں یہ آقا
یہ آرہا ہے غلام میرا

والد صاحب کے شاگرد خاص مولانا یوسف بھولا (سملک گجرات) جن کو نعت خوانی کا خاص ملکہ حاصل ہے،اور کئی مجلسوں میں اس نعت کو انھوں نے پڑھا ہے۔وہ بیان کرتے ہیں کہ ''میں جب اس نعت کو پڑھتا ہوں تو لوگ بہت متاثر ہوتے ہیں اور عشق رسول میں ڈوبا ہوا آخری شعر جب پڑھتا ہوں تو لوگ رونے لگتے ہیں اور آنسوؤں سے چہرہ بھیگ جاتا ہے۔میں بڑے فخر سے کہتا ہوں کہ یہ نعت ہمارے استاذ محترم کی ہے اور درحقیقت:

زبان میری ہے عشق رسول ان کا ہے

والد گرامی کا سایہ اٹھ جانے کی وجہ سے ہم تمام اہل خانہ اپنے آپ کو کتنا یتیم اور بے بس محسوس کررہے ہیں اس کو زبان وقلم سے بیان نہیں کیا جاسکتا۔کوئی انسان اس دنیا میں ابدی زندگی لے کر نہیں آیا ہے۔اس حقیقت پر ایمان ویقین کے باوجود بعض انسان کا اس دنیا سے جانا ایسا حادثہ بن جاتا ہے جس کا زخم بہت گہرا ہوتا ہے۔والد صاحب کا حادثہ وفات ہمارے لیے اسی نوع کا تھا۔

عارف باللہ حضرت مولانا اعجاز احمد اعظمی نوراللہ مرقدہ نے والد صاحب پر ایک خاص نمبر اپنے مجلّہ ''سراج الاسلام'' کا شائع کرنے کا ارادہ کیا تھا۔مگر ہماری حرمان نصیبی کی کہ ابھی وہ نمبر زیرغور ہی تھا کہ حضرت مولانا کا بلاوا آگیا اور منصوبہ دھرا کہ دھرا رہ گیا۔اگر حضرت مولانا کی سرپرستی میں نمبر شائع ہوگیا ہوتا تو اس کی وقعت اور معنویت دوسری ہوتی۔بہرکیف ان کے بعد ان کے صاحبزادگان گرامی قدر نے اپنے جلیل القدر والد کے اس منصوبے کو باقی رکھا اور مولانا کلام الدین صاحب کی تحریک پر اس کام کے لیے کمربستہ ہوگئے اور اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ہم حضرت مولانا کے گرامی قدر صاحبزادگان کے بے حد شکرگزار ہیں کہ اگر ان حضرات کا ساتھ نہ ہوتا تو یہ کتاب اس شکل میں آپ کے سامنے نہ ہوتی۔اللہ تعالی ان حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

حمد باری تعالی

حضرت مولانا محمد ابوبکر صاحب غازی پوری

حمد تیری اے خدائے بے مثال
تو ہے آقا تیری قدرت لا زوال
سارا عالم تیرے امر کن سے ہے
تجھ سے رخ موڑے گا کوئی تا بکے
تو جسے چاہے اسے اونچا کرے
تو جسے چاہے اسے نیچا کرے
عزت و ذلت تری قدرت سے ہے
تیرے آگے کب کسی کی چل سکے
تیری قدرت سے زمین و آسماں
سب مہ و خورشید تارے کہکشاں
مالک جو و عطا تو ہی تو ہے
خالق ارض و سما تو ہی تو ہے
کیا زمیں ہے یہ طاقت ، غلہ دے؟
مینہ برسے یا کوئی پتہ ہلے
چیختی موجیں یہ گرتے آبشار
کس کی قدرت کے ہیں آخر شاہ کار

باد و باراں برق و رعد و آندھیاں
اور زمیں پر لہلہاتی کھیتیاں
آسماں میں بادلوں کی جمگھٹا
ہر طرف آتا ہوا جاتا ہوا
موج دریا میں یہ چلتی کشتیاں
اور پانی میں اچھلتی مچھلیاں
یہ چمن میں پھول کلیاں تتلیاں
سب تری قدرت کے ہیں یا رب نشاں
ساری قدرت تیرے آگے جھک گئی
ذات تیری لائق سجدہ ہوئی



نعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت مولانا محمد ابوبکر صاحب غازی پوری

نور مجسم محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم
ہادی اعظم فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم
لقب گرامی ساقی کوثر نور تھا جن کا حاجب اختر
شان گرامی رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم
جسم پہ جیسے نور کی چادر رشک قمر ہے چہرہ انور
ذات گرامی خلق مجسم صلی اللہ علیہ وسلم
شان گرامی وصف گرامی نام گرامی ذات گرامی
سب سے افضل سب سے اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
چشم فلک نے کس کو دیکھا ایسا بندہ ایسا رتبہ
ختم رسل اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم
امی لقب وہ شاہ رسل میر عرب وہ ختم رسل
سب سے معزز سب سے مکرم صلی اللہ علیہ وسلم
ان کی تابش ان کا جلوہ دنیا نے کیا دیکھا ہوگا
روشن جس سے سارا عالم صلی اللہ علیہ وسلم
ہم نے دیکھا نور کا پیکر روح الامیں کو ان کے در پر
آنکھ جھکی ہے سر ہے خم صلی اللہ علیہ وسلم

بیاد: وکیل احناف حضرت مولانا محمد ابوبکر صاحب غازی پوری نوراللہ مرقدہ

ارض طیبہ جن کے قدم سے بازی لے گئی باغ ارم سے
کس کو ملی یہ شان اعظم صلی اللہ علیہ وسلم
نور کی بستی جس کا شہر ہو مہبط قرآں جس کا گھر ہو
اللہ اللہ شان معظم صلی اللہ علیہ وسلم
وہ دیکھو معراج کی رات، پہنچے کہاں وہ راتوں رات
سامنے ان کے عرش اعظم صلی اللہ علیہ وسلم
حد گماں سے آگے پہنچے اللہ جانے کس جگہ پہنچے
عاجز ہے ادراک سے فہم صلی اللہ علیہ وسلم
کلمہ حق کی ایک صدا سے گونجی تھی جو غار حرا سے
کفر کی بستی درہم برہم صلی اللہ علیہ وسلم
چشم زدن میں کفر کا حلقہ اک اک کر کے آپ نے توڑا
وحی خدا کا لے کے پرچم صلی اللہ علیہ وسلم
اس کی قسمت جاگ پڑی ہے سچ ہے اس کی شان بڑی ہے
پالیا جس نے اسوہ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
شرف غلامی مجھ کو عطا ہو باب رحمت ہم پہ وا ہو
اتنی گزارش فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم



سوانحی نقوش

محمد عرفات اعجاز اعظمی

نام: محمد ابوبکر غازی پوری
قلمی نام: نورالدین نوراللہ اعظمی رطہ شیرازی
والد کا نام: مولوی مولیٰ بخش غازی پوری (و:۱۹۹۶)
تاریخ ولادت: ۱۷رشوال ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۵رمارچ ۱۹۴۵ء
وطن: محلّہ سیدواڑہ غازی پور اتر پردیش، ہندوستان

مکتب کی تعلیم اور حفظ قرآن کریم:

ابتدائی مکتب کی تعلیم مدرسہ دینیہ غازی پور میں حاصل کی۔ مکتب سے فراغت کے بعد مدرسہ دینیہ ہی میں حافظ محمد الیاس صاحب کے پاس حفظ قرآن کریم کی سعادت حاصل کی۔

فارسی وعربی کی تعلیم:

حفظ قرآن کے بعد ۱۹۶۰ء میں فارسی وعربی کی تعلیم کے لیے مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور میں داخلہ لیا، اور یہاں تین سال رہ کر فارسی اور عربی کے ابتدائی دو درجات تک کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد جامعہ مفتاح العلوم مئو آگئے اور تین سال تک یہاں کسب فیض کیا۔

دارالعلوم دیوبند:

۱۹۶۵ء میں دارالعلوم دیوبند حاضر ہوئے اور مشکوۃ شریف میں داخلہ لیا۔ چونکہ مولانا کو عربی زبان وانشا سے بھی خاصا شغف تھا، اس لیے درسیات کے ساتھ عربی زبان وادب کی تحصیل

کی طرف متوجہ ہوئے۔اور مولانا وحید الزماں صاحب کی قائم کردہ صف عربی میں شامل ہوئے۔ ۱۹۶۶ء میں حضرت مولانا سید فخر الدین صاحب سے بخاری شریف کی اجازت سند لے کر دورہ حدیث شریف سے فارغ ہوئے۔

ہائی اسکول اور انٹرمیڈیٹ:

دارالعلوم سے فراغت کے بعد تدریسی زندگی کے ابتدائی زمانہ میں غالبًا ۷۰/۱۹۶۹ء میں ہائی اسکول اور انٹرمیڈیٹ کیا اس کے بعد علی گڑھ سے انگلش میں گریجویشن کیا۔

شادی خانہ آبادی:

مولانا کی شادی غالبًا ۱۹۷۵ء میں ہوئی۔نکاح مولانا مبین صاحب مئوی نے پڑھایا تھا۔

تدریسی زندگی:

دارالعلوم سے فراغت کے بعد کچھ دنوں مدرسہ بیت العلوم مالیگاؤں میں تدریسی خدمت انجام دی۔اس کے بعد مدرسہ دینیہ غازی پور آ گئے۔یہاں تھوڑے ہی دن رہے کہ پھر اپنے اساتذہ کے مشورے سے ربیع الآخر ۱۳۹۳ھ میں ملک کی ممتاز دینی درسگاہ جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل گجرات چلے گئے۔اور ذی الحجہ ۱۴۰۲ھ تک وہاں تدریسی خدمات انجام دی۔اس مدت میں درج ذیل کتابیں آپ سے متعلق رہیں:

(۱) عربی دوم: القراءۃ الواضحۃ (ثانی) القراءۃ الراشدہ
(۲) عربی سوم: نفحۃ العرب۔مشکوۃ الآثار
(۳) عربی چہارم: ریاض الصالحین۔المقامات الحریریۃ
(۴) عربی پنجم: شرح العقائد۔الحسامی
(۵) عربی ششم: تفسیر الجلالین (اول) مشکوۃ المصابیح (ثانی)
(۶) دورۂ حدیث شریف: الموطا للامام مالک۔

پھر بنارس جامعہ مظہر العلوم آ گئے اور عرصہ تک یہاں درسیات کی انتہائی کتابیں ان سے

متعلق رہیں۔ پھر اپنے وطن غازی پور آ گئے اور ایک عربی درسگاہ ''معہد اثری'' کے نام سے قائم کی اور اسی کے ساتھ ایک کتب خانہ ''مکتبہ اثریہ'' کی بھی بنیاد ڈالی۔ لیکن حالات کی نامساعدت کی وجہ سے عربی درسگاہ موقوف کرنی پڑی۔ اسی زمانہ میں جامعہ سبیل السلام حیدرآباد سے دعوت تدریس آئی اور مولانا حیدرآباد چلے گئے اور کئی سال وہاں قیام کیا۔ جامعہ سبیل السلام ان کی تدریسی زندگی کا شاید آخری پڑاؤ تھا۔ وہاں سے یکسو ہونے کے بعد غالباً جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ میں کچھ دنوں عارضی خدمت کی، اس کے بعد مستقل طور سے گھر آ گئے۔ اور درس وتدریس کا سلسلہ منقطع ہو گیا اور اپنے آپ کو مستقل طور سے تصنیف وتالیف کے لیے وقف کر دیا۔

صوت الاسلام اور زمزم کا اجرا:

درس وتدریس سے کنارہ کشی کے بعد جب گھر پر یکسوئی حاصل ہوئی تو اولاً ایک عربی رسالہ ''صوت الاسلام'' کے نام سے جاری کیا۔ عرب ممالک میں اس رسالہ اپنا ایک حلقہ بنالیا۔ یہ رسالہ قریب قریب پورا مولانا ہی کی قلمی فتوحات سے مزین ہوتا تھا۔ چند سالوں جاری رہ کر یہ رسالہ بند ہو گیا۔

محرم ۱۴۱۸ھ میں مولانا نے ایک اردو دو ماہی رسالہ ''زمزم'' کی داغ بیل ڈالی اور مولانا کی وفات تک یعنی ۱۴۳۳ھ تک پوری پابندی کے ساتھ یہ رسالہ شائع ہوتا رہا۔ اس رسالہ کا مقصد مسلک احناف اور علمائے دیوبند کا دفاع اور غیر مقلدین کا تعاقب تھا۔ اس رسالہ نے رد غیر مقلدیت اور میدان مناظرہ میں جو خدمت انجام دی ہے وہ روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ اس کے لیے الگ سے کسی تعارف کی ضرورت نہیں ہے۔

بیعت وسلوک:

حضرت مولانا کو بیعت کا شرف شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی سے حاصل تھا۔

سفر حج وعمرہ:

حج دو مرتبہ کیا۔ البتہ عمرہ کی سعادت ۱۹۸۷ء کے بعد سے وفات تک تقریباً ہر سال حاصل ہوتی رہی۔

بیرون ممالک کے اسفار:

سعودی عرب ۔ برطانیہ ۔ ری یونین ۔ ساؤتھ افریقہ ۔ پاکستان (متعدد بار) بنگلہ دیش اور نیپال ۔

تصنیفات وتالیفات:

۱) مرقاۃ الادب
۲) محدثین کی قوت حفظ ۔ تاریخ کی روشنی میں
۳) مقام صحابہ ۔ کتاب وسنت کی روشنی میں اور مولانا مودودی
۴) بریلوی مذہب پر ایک نظر
۵) تذکرہ طیب (حضرت مولانا قاری محمد طیب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کا دلآویز تذکرہ)
۶) وقفۃ مع اللا مذہبیۃ (عربی)
۷) وقفۃ مع معارضی شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب (عربی)
۸) صور تنطق (عربی)
۹) مسائل غیر مقلدین
۱۰) ارمغان حق (تین جلد)
۱۱) غیر مقلدین کی ڈائری
۱۲) غیر مقلدین کے لیے لمحہ فکریہ
۱۳) صلوۃ الرسول کے بارے میں
۱۴) سبیل الرسول پر ایک نظر
۱۵) صحابہ کرام کے بارے میں غیر مقلدین کا نقطہ نظر
۱۶) حدیث کے بارے میں غیر مقلدین کا معیار رد وقبول
۱۷) کیا ابن تیمیہ علماء اہل سنت والجماعت میں سے ہیں؟ (عربی ۔ اردو)
۱۸) غیر مقلدین کے امتیازی مسائل
۱۹) غیر مقلدین کا صحیح احادیث سے انحراف

۲۰)خمار سلفیت

اس کے علاوہ مولانا کے سفر نامے،مختلف شخصیات پر لکھے گئے تاثراتی مضامین اور زمزم کے اداریے زیر ترتیب ہیں۔

نسبی اولاد:

مولانا کی کل چار نسبی اولاد ہیں۔ دو صاحبزادیاں اور دو صاحبزادے ۔ دونوں صاحبزادیاں بڑی ہیں۔اس کے بعد دو صاحبزادے ہیں۔(۱)عبدالرحمان ۔(۲)عبیدالرحمان ۔

وفات:

۱۵ر ربیع الآخر۱۴۳۳ھ مطابق ۸رفروری۲۰۱۲ء بروز بدھ بوقت قبل فجر دہلی میں آپ کا انتقال ہوا۔ایمبولینس کے ذریعہ ۹رفروری کو نعش غازی پور لائی گئی۔جنازہ کی نماز مولانا انس حبیب صاحب غازی پوری نے پڑھائی اور مولانا کے آبائی قبرستان محلّہ کٹھولیا غازی پور میں تدفین عمل میں آئی۔رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ



مولانا محمد ابوبکر صاحب غازی پوری علیہ الرحمہ

عارف باللہ حضرت مولانا اعجاز احمد اعظمی صاحب

شوال ۱۳۹۱ھ کی آخری تاریخیں تھیں، ایک طالب علم، جو مدرسوں کی اصطلاحی طالب علمی سے ابھی ایک سال قبل فارغ ہوا تھا۔ تدریس وملازمت کی گرانبار ذمہ داریوں کے ساتھ کارزارزندگی میں پہلا قدم رکھنے کے لئے اپنے ایک استاذ کا مکتوب لے کر مدرسہ دینیہ غازی پور کی مختصرسی چاردیواری میں داخل ہورہا تھا۔ وہاں اس کی ملاقات ایک چھوٹے سے کمرے میں، ایک نوجوان مختصرقامت کے مدرس سے ہوئی، باہم تعارف ہوا، دونوں ایک دوسرے کے نام سے آشنا نکلے، بڑی محبت سے ملے، ایک طرف سے نیازمندی اورخوردانہ سعادت مندی کی پیش کش تھی، دوسری طرف سے بزرگانہ اورسرپرستانہ شفقت اورمہربانی!

آنے والا ان سطور کا راقم تھا اورجن کی خدمت میں وہ نیازمندی کا نذرانہ پیش کررہا تھا وہ اس سے چارسال پیشتر کے دارالعلوم دیوبند سے سندفراغت حاصل کرکے اب معلّمی ومدرسی کی مسند پرمولانا محمدابوبکرغازی پوری تھے۔(رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً)

اس وقت مقدر نہ تھا کہ میں مدرسہ دینیہ میں تدریس کے عمل میں شریک ہوتا لیکن مولانا محمدابوبکرصاحب سے تعلقات کی بنیاد پڑگئی۔ میں نے ابتدائی تعلیم متوسطات تک جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور میں حاصل کی ہے۔ میں جب وہاں حاضرہوا تو مولانا وہاں سے تعلیم کی تکمیل کے لئے دارالعلوم دیوبند جاچکے تھے مگر وہاں کے پرانے طلبہ کی زبانوں پرابوبکرغازی پوری کی ذکاوت وذہانت اوران کی محنت وجاں سوزی کا تذکرہ تھا، بعض اساتذہ کی زبان سے بھی ان کا ذکرسنا تھا،

طالب علموں کے ہجوم میں کسی طالب علم کے ذکر کا اس کے بعد باقی رہ جانا، اس طالب علم کی نمایاں استعداد وصلاحیت کا نشان ہے۔ مدرسہ دینیہ میں پہلی ملاقات ہوئی تو احیاء العلوم کا وہ گزشتہ ماحول نگاہوں میں آ گیا۔ دیر تک ان سے باتیں ہوتی رہیں اور باتیں تو اب یاد نہیں مگر اتنا یاد ہے کہ وہ مجھ سے مضامین کی تحریر وتصنیف کے بارے میں پوچھ رہے تھے اور میں اس موضوع پر اپنے صفر ہونے کی خبر دے رہا تھا اور اسے مشکل کام سمجھ رہا تھا، تو وہ ترغیب دے رہے تھے، اس کی افادیت بتا رہے تھے، اسے آسان قرار دے رہے تھے، پھر اس کا طریقہ سمجھا رہے تھے، مگر میں اس وقت کسی اور حال میں گم تھا، اتنا سمجھ سکا کہ تصنیف وتالیف اور مضمون نگاری کا جوہر مولانا کے اندر بخوبی موجود ہے۔

پھر ایک عرصہ تک مولانا سے ملاقات نہیں ہوئی۔ تین سال کے بعد جب مدرسہ دینیہ میں باضابطہ مدرس ہوا تو مولانا وہاں سے ہندوستان کی ایک بڑی اور قدیم درسگاہ جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل جا چکے تھے اور وہاں کے ممتاز اساتذہ میں شمار ہوتے تھے۔ خصوصاً عربی زبان میں تحریر وتقریر اور اس کی مشق وتمرین میں انھیں نمایاں مقام حاصل تھا، تعطیلات میں غازی پور تشریف لاتے تو ملاقاتیں ہوتیں۔

مولانا ابوبکر صاحب کے والد محترم مولوی مولیٰ بخش انصاری علیہ الرحمہ (۱) مدرسہ دینیہ کے بنیادی ارکان میں تھے، صرف رکن نہیں بلکہ وہ مدرسہ کے لیے فنا تھے، مدرسہ کے لیے، اس کے ہر کام کے لیے، وہ ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔ وہ روزانہ مدرسہ میں تشریف لاتے، مدرسہ کے ہر چھوٹے بڑے انتظام میں دلچسپی لیتے، مشورے دیتے، ضروریات پر متعلق حضرات کو متوجہ کرتے۔ وہ تھے تو بوڑھے مگر ہمت وحوصلہ، چستی ونشاط میں جوانوں سے بڑھ کر تھے۔ مولانا ابوبکر صاحب کا ذکر ان سے اکثر سنتا، وہ ڈابھیل تو ضرور چلے گئے تھے مگر مدرسہ سے ان کی دلچسپی میں کمی نہ تھی، تعلق برقرار تھا۔

مولانا ابوبکر صاحب نے ابتدائی تعلیم مدرسہ دینیہ میں ہی حاصل کی، حفظ قرآن کی دولت انھوں نے اسی مدرسے میں حاصل کی۔ ان کے استاذ حافظ محمد الیاس صاحب مدظلہ غازی پور کے جید اساتذہ میں شمار ہوتے ہیں۔ عرصۂ دراز تک انھوں نے مدرسہ دینیہ میں تحفیظ قرآن کریم کی خدمت

انجام دی ہے۔

حفظ قرآن سے فارغ ہوئے، تو عربی کی تعلیم کے لیے ان کے والد گرامی انھیں ضلع اعظم گڈھ کے قصبہ مبارک پور جامعہ عربیہ احیاء العلوم میں لے گئے، جو اس وقت تعلیم و تربیت کی عمدگی میں دور نزدیک خاص شہرت رکھتا تھا۔ وہ دور مولانا ابوبکر صاحب کے گھرانے میں غربت اور تنگدستی کا تھا لیکن والد گرامی کی عزیمت تھی اور مولانا کا شوق علم تھا کہ گھر سے دور مبارک پور میں انھیں پہونچا دیا تھا۔ مولانا کبھی کبھی تذکرہ کرتے تھے کہ والد صاحب علیہ الرحمہ زمانۂ تعلیم میں انھیں مدرسہ سے گھر آنے کی اجازت نہ دیتے بلکہ جب کبھی ضرورت ہوتی تو بیٹے کی تعلیم کا حرج نہ ہو، اس اہتمام میں وہ اپنا حرج کرکے مبارک پور خود چلے جاتے۔ اس وقت سواریوں کی وہ سہولت نہ تھی جو آج حاصل ہے۔ غازی پور سے مئو جانا ہوتا، مئو سے سواری کا راستہ سٹھیاؤں تک تھا، سٹھیاؤں ریلوے اسٹیشن ہے، جس سے مبارکپور کا فاصلہ ۵ رکلومیٹر ہے، اور یہ راستہ پیدل کا تھا یا سواری زیادہ سے زیادہ سائیکل یا تانگے کی تھی، جسے ہمارے یہاں ''اکّہ'' کہا جاتا ہے۔ اس وقت کرایہ بھی بہت کم تھا، مئو سے مبارک پور صرف ۷۵ ر پیسے کا خرچ تھا اور تقریباً اتنا ہی غازی پور سے مئو کا بھی کرایہ تھا مگر غربت کی یہ کیفیت تھی کہ یہ صرفہ بھی بارگراں تھا۔ والد گرامی کی عزیمت کا حال یہ تھا کہ مئو تک تو کسی سواری سے آجاتے تھے مگر وہاں مبارک پور جانے کے لئے کوئی سائیکل حاصل کر لیتے یا گھر ہی سے بس پر سائیکل لادکر لاتے اور اسی سائیکل سے چالیس کیلومیٹر کا فاصلہ طے کرکے مبارک پور پہونچتے اور جو پیسے اس طریق عمل سے بچتے وہ بیٹے کی ضروریات میں کام آتے۔

احیاء العلوم کے بعد ایک سال مولانا نے جامعہ مفتاح العلوم مئو میں تعلیم حاصل کی، وہیں سے وہ دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ ۱۳۸۶ھ مطابق ۱۹۶۶ء میں حضرت مولانا سیّد فخر الدین صاحب نوراللہ مرقدہ سے بخاری شریف پڑھ کر فراغت حاصل کی۔ اس وقت دارالعلوم میں عربی انشا و تمرین کے لئے مولانا وحید الزماں صاحب کیرانوی علیہ الرحمہ نے دارالعلوم دیوبند میں ایک نیا رنگ پیدا کر رکھا تھا۔ ذہین و ذکی طلبہ ان کی خدمت میں رہ کر بے تکلف عربی بولنے اور لکھنے کی مشق کر رہے تھے اور دارالعلوم میں عربی تحریر و تقریر کے ایک جدید دور کا آغاز ہو رہا تھا۔ دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد مولانا ابوبکر صاحب یکسوئی سے نہایت ذوق وشوق کے ساتھ مولانا

کے حلقۂ تلمذ میں شامل ہوئے اور بڑی برق رفتاری سے ترقی کی منزلیں طے کرنے لگے۔ ایک سال میں انھیں مادری زبان کی طرح عربی بولنے اور لکھنے کی قدرت ہوگئی۔ جن طلبہ نے دارالعلوم دیوبند کے بڑے ماحول میں اور خصوصاً اپنے استاذ مولانا وحید الزماں صاحب کی نگاہ میں خاص وقعت حاصل کی، ان میں مولانا ابوبکر صاحب نمایاں ترین تھے۔

دارالعلوم سے سند فضیلت حاصل کرنے اور تکمیل ادب کر لینے کے بعد مولانا نے کچھ دنوں بیت العلوم مالیگاؤں میں تدریسی خدمات انجام دیں، پھر اپنی مادر علمی مدرسہ دینیہ غازی پور تشریف لائے۔ یہاں بھی قیام کا وقفہ کم ہی رہا، پھر ان کے اساتذہ نے انھیں ملک کی مشہور و معروف درسگاہ جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل گجرات میں مامور فرمایا۔ وہاں مولانا کی کارکردگی کے جوہر کھلے، عربی ادب وانشا سے خصوصی مناسبت تھی، اس مضمون میں مدرسہ کے ماحول میں ایک نئی روح دوڑا دی۔ جن دنوں وہ ڈابھیل میں استاذ تھے، جامع ازہر مصر کے شیخ اکبر ڈاکٹر عبدالحلیم محمود ہندوستان تشریف لائے تھے، ڈابھیل کی دعوت پر وہاں بھی تشریف لے گئے، ان کی ترجمانی اور ان سے عربی میں گفتگو کی خدمت مولانا ابوبکر صاحب نے انجام دی تھی اور شیخ الازہر ان کی بے تکلف عربی زبان پر قدرت سے بہت متاثر ہوئے تھے۔

ڈابھیل کے دوران قیام مولانا نے عربی ادب کے ابتدائی طلبہ کے لیے نصاب کی ایک کتاب ''مرقاۃ الادب'' کے نام سے تصنیف کی تھی، جو بہت عرصے تک وہاں داخل نصاب رہی۔

ڈابھیل مولانا کے وطن سے بہت دور ہے، والد بوڑھے ہو چکے تھے، انھیں خیال ہوتا تھا کہ قریب آجاتے تو بہتر ہوتا۔ چنانچہ قریبی شہر بنارس جامعہ مظہر العلوم میں تشریف لے گئے اور یہاں عرصہ تک نصاب فضیلت کی انتہائی کتابیں پڑھاتے رہے۔

پھر حالات نے مجبور کیا اور اپنے وطن غازی پور میں آگئے، یہاں ایک کتب خانہ'' مکتبہ اثریہ'' اور عربی ایک درسگاہ ''معہد اثری'' قائم کی مگر غازی پور کی سرزمین درسگاہوں کے حق میں سازگار نہیں ہے۔ کچھ دنوں یہ کشتی وہ خشکی میں چلاتے رہے، پھر حیدرآباد جامعہ سبیل السلام سے دعوت تدریس آئی اور مولانا حیدرآباد چلے گئے۔ کئی سال تک وہاں قیام فرمارہے مگر والد کا ضعف اور بڑھاپا اتنی دور رہنے سے مانع بنتا رہا، بالآخر وہ یکسو ہوکر دوبارہ گھر آگئے، اس کے بعد کہیں نہیں

گئے۔ غالبًا جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ میں کچھ دنوں خدمت کی، مگر بہت عارضی قیام تھا۔

اب وہ گھر پر یکسوئی سے بیٹھ گئے، مدرسہ بنانے کا خیال دل سے نکال دیا، ان کی فعال اور سراپا عمل طبیعت نے عمل کی ایک دوسری راہ ڈھونڈھ لی۔ وہ اپنے مکتبہ کی تعمیر و ترقی میں منہمک ہوگئے۔ اب انھیں موقع ملا کہ قلم کے ذریعے اپنے علوم و معارف کا اظہار کریں۔ انھوں نے ابتدائی دورِ مدرسی میں مجھے ترغیب دی تھی کہ لکھتے رہنا چاہئے، مگر درس و تدریس کے مشاغل نے انھیں اتنی مہلت نہیں دی تھی کہ وہ اپنے حوصلہ و ہمت کے مطابق قلم کی خدمت انجام دیتے۔ گھر پر رہ کر یکسوئی حاصل ہوئی تو اولاً عربی کا ایک سہ ماہی مجلّہ ''صوت الاسلام'' کے نام سے جاری کیا۔ ہندوستان میں مذہبی اور دینی رسالے اردو ہی میں مشکل سے نکل پاتے ہیں، عربی پڑھنے والے کتنے ملتے؟ اس رسالہ کی اشاعت کی تگ ودَو نے انھیں سرزمین عرب میں پہونچایا۔ عربی پر انھیں مادری زبان کی طرح قدرت تھی، بے تکلف بولتے تھے اور بے تکان لکھتے تھے۔ وہ دیارِ عرب میں جاتے رہے، آتے رہے، اپنے رسالے کا تعارف کراتے رہے۔ تقریباً پورا رسالہ ان کے قلم کا مرہونِ منت ہوتا، عرب ممالک میں اس کا ایک حلقہ بن گیا اور مولانا پوری تندہی سے اس کے لئے لکھنے اور شائع کرنے کی جدوجہد میں لگ گئے۔ ایران کے شیعی انقلاب نے اس دور میں مسلمانوں کے ایک خاص طبقے کو غلو کی حد تک متاثر کردیا تھا۔ مولانا ابوبکر صاحب نے اس رجحان کے خلاف مضامین لکھے اور اہل عرب میں بڑی مقبولیت حاصل کی۔

عرب ممالک کی آمد ورفت میں ان پر فرقۂ غیر مقلدین کی جارحیت، ان کی عصبیت، فروعی مسائل میں ان کے بے جا تشدد نیز تقلید اور بالخصوص احناف کے حق میں ان کی ناروا مخالفت وعناد کا انکشاف ہوا۔ انھوں نے محسوس کیا کہ عربوں کے بے تحاشا دولت پر نگاہِ حرص وطمع جمانے والا یہ فرقہ حق وصداقت کے خلاف بہت دور نکل چکا ہے۔ اس نے ہندوستان کے علماء حق یعنی علماء دیوبند کے خلاف ایک وسیع وعریض محاذ کھول رکھا ہے۔ دیوبند کی سندِ فضیلت رکھنے والے ان اسلامی ممالک میں پہونچتے ہیں تو ان کی راہ بند کرنے کی ہر ممکن کوشش اس فرقہ کے افراد کرتے ہیں اور کسی بھی تہمت اور بہتان کے ان پر چسپاں کرنے سے خواہ کتنے ہی شرمناک اور غلط ہوں، گریز نہیں کرتے۔ انھیں دنوں کسی پاکستانی غیر مقلد کے نام سے عرب ممالک میں ایک کتاب

''الدیو بندیۃ'' نامی خاص طور سے پھیلائی جا رہی تھی اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی کہ علماء دیو بند ایمان واسلام کے سپاہی اور محافظ نہیں بلکہ شرک وبدعت اور خرافی اعتقادات کے بانی اور داعی ہیں۔ یہ اس صدی کا بدترین جھوٹ تھا جو بڑے منظّم طریقے سے اہل عرب میں پھیلایا جا رہا تھا۔ دیو بند کی نسبت رکھنے والے اصحاب پر سرزمین عرب تنگ ہو رہی تھی اور یہ ساری کاوش اس لیے ہو رہی تھی کہ عربوں کی دولت کا بہاؤ علمائے حق یعنی علماء دیو بند کی طرف نہ ہونے لگے۔ چنانچہ اس فرقہ نے اس راہ سے بہت کچھ دولت سمیٹی لیکن حق، حق ہے اور باطل، باطل ہے۔ حق کے چہرے سے باطل کا اڑایا ہوا گردوغبار چھٹتا ہے تو اس کی نورانیت اور باطل کی سیاہی واضح ہو جاتی ہے۔

مولانا ابوبکر صاحب بڑے جذبے کے انسان تھے، کسی سے مرعوب ہونا اور ڈرنا جانتے ہی نہ تھے، حق بات کو برملا کہہ دیتے تھے، چاہے کسی کی پیشانی شکن آلود ہو۔ ایک مرتبہ دلی میں تنظیم ابنائے قدیم کی جانب سے بانی دارالعلوم دیو بند حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی علیہ الرحمہ کے موضوع پر سیمینار ہو رہا تھا۔ اس میں وقت کی مشہور گمراہ شخصیت وحید الدین خاں کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔ سیمینار میں مقالہ پڑھنے کے لئے جب ان کے نام کا اعلان ہوا تو مولانا ابوبکر صاحب سے رہا نہ گیا، وہ مجمع سے نکل کر ڈائس پر بے تابانہ آ گئے اور فرمایا ''مولانا نانوتوی کی زندگی پر سیمینار ہو رہا ہے، اس میں خاں صاحب جیسے لوگوں کا کیا کام؟ کیا اس کے بعد سلمان رُشدی اور تسلیمہ نسرین کو بھی دعوت کلام دی جائے گی؟'' اس اعلانِ حق کے بعد کیا ممکن تھا کہ وحید الدین خاں ڈائس پر آتے۔

مولانا ابوبکر صاحب دارالعلوم دیو بند کے فاضل تھے، ان کی رگِ حمیت، حق وصداقت کے اظہار کے لیے پھڑکی اور انھوں نے ..... حالانکہ انھیں پہلے غیر مقلدین کے موضوع سے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی ..... غیر مقلدیت کا مطالعہ شروع کیا۔ ان کے سامنے اس فرقہ کا مکروہ چہرہ کھلا تو ان کی طبیعت اور ان کے قلم کا رخ غیر مقلدوں کی طرف چل پڑا۔ انھوں نے ''وقفۃ مع اللامذھبیۃ'' کے نام سے عربی میں ایک بڑی طاقتور اور مدلل کتاب لکھی، جس سے کتاب ''الدیوبندیۃ'' کا منہ توڑ جواب بھی ہوا، اور فرقۂ غیر مقلدین کی اصل شکل وصورت بھی واضح

ہوگئی، اس کتاب نے غیر مقلدین میں کھلبلی پیدا کردی۔

علماء دیوبند نے اسے ایک خوشگوار حیرت سے دیکھا کہ ان کی صلح پسند صف سے ایک ایسا مرد آہن نکل آیا جس نے غیر مقلدین کو حواس باختہ کردیا، ورنہ اس سے پہلے اس فرقہ کے مولوی اپنی دھن میں حنفیت کو موقع بے موقع نشتر لگایا کرتے تھے اور ہمارے جو علماء ان کا جواب دیتے تھے، ان کا لب ولہجہ بہت کم کہیں ترکی بہ ترکی جارحانہ ہوتا تھا۔علمی اعتبار سے علماء دیوبند کی پوزیشن مضبوط تھی مگر اس کے پیش کرنے کا انداز اتنا متواضع اور متوازن ہوتا کہ اس فرقہ کو اس کی اہمیت کا احساس ہی نہ ہوتا۔ مولانا ابوبکر صاحب کے قلم نے نرم ونازک انداز چھوڑ کر جواب ترکی بہ ترکی کے طور پر مسلسل اقدامی حملے کرنے شروع کئے تو اس فرقہ کو اندازہ ہوا کہ نشتر کا گھاؤ کیسا ہوتا ہے؟

''وقفة مع اللامذهبية '' کے معاً بعد ان کی دوسری کتاب ''مسائل غیر مقلدین'' کے نام سے اردو میں منظر عام پر آئی، جس کی وجہ سے اس فرقہ میں صف ماتم بچھ گئی۔ ابھی اس فرقہ کے مولوی ان دونوں کتابوں کے لگائے ہوئے زخموں پر مرہم رکھنا ہی چاہ رہے تھے کہ مسلسل اس موضوع پر ان کی اور کتابیں بھی یکے بعد دیگرے آنے لگیں۔'' غیر مقلدین کی ڈائری''، ''غیر مقلدین کے لمحۂ فکریہ''، ''کچھ دیر غیر مقلدین کے ساتھ''، ''سبیل الرسول پر ایک نظر''، ''صلوٰۃ الرسول پر ایک نظر''، اردو میں۔ اور ''وقفة مع معارضي شيخ الاسلام محمد بن عبد الوهاب '' ''صور تنطق''، ''هل الشيخ ابن تيمية من اهل السنة و الجماعة'' عربی میں۔

ان کتابوں کے دلائل نے اور جرأت مندانہ لب ولہجہ نے غیر مقلدیت کو احساس شکست میں مبتلا کردیا۔ پھر اتنے ہی پر بس نہیں، مولانا نے ''زمزم'' کے نام سے دو ماہی رسالہ جاری کیا جو اول تا آخر مولانا ہی کی تحریروں اور ان کے مضامین سے لبریز ہوتا۔ غیر مقلدیت کی چوٹ کھائے ہوئے لوگ مولانا سے سوال کرتے، غیر مقلدین کے اٹھائے ہوئے معقول ونامعقول اعتراضات کا جواب پوچھتے اور مولانا کا قلم محوخرام ہوتا اور میدان صاف ہوتا چلا جاتا۔ وہ تمام مسائل جن پر غیر مقلدین گرد وغبار اڑایا کرتے تھے اور چیلنج دیتے رہتے تھے، مولانا نے ایک ایک سوال کا تشفی بخش جواب دیا اور ایسا دلچسپ اور مدلل کہ ہر پڑھنے والا احسنت وآفریں پکار اٹھتا۔

مولانا تو فکر وعمل کے پیکر تھے، زمزم میں لکھے ہوئے مضامین کو انھوں نے از سر نو مرتب

کیا اور ''ارمغانِ حق'' کے نام سے تین جلدوں میں ان کا مجموعہ شائع کیا۔ یہ تینوں حصے اگر کسی کے پاس ہوں تو غیر مقلدیت کے ہر اعتراض کا جواب اس کے پاس موجود ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ عام اہل اسلام کو بالخصوص ان لوگوں کو جن کا دینی علم کم ہے.....آج کل دینی علم کی ہر جگہ ہی کمی ہے..... غیر مقلدین نے بہت پریشان کر رکھا ہے۔خود تو کسی کو دین کی طرف لاتے نہیں لیکن اگر کسی کی کوشش سے کچھ لوگ نماز روزہ اور دینی امور کی جانب متوجہ ہوتے ہیں تو یہ حدیث قوی اور ضعیف کا جھگڑا لے کر احناف کی نماز کو خلاف سنت اور ان کے عقائد کو بدعت بتا کر تنگ کرتے ہیں اور انتشار پیدا کرتے ہیں اور اس طرح یہ دین ہی سے برگشتہ کر دیتے ہیں۔ حالانکہ حدیث کے قوی وضعیف ہونے کا مسئلہ عوام کا نہیں، علمائے راسخین کا ہے۔ وہ اس کی نزاکتوں اور باریکیوں کو سمجھتے ہیں مگر اللہ کے یہ بندے درسگاہوں کے مباحث کو بازار میں لا کر علم کی دنیا پر ظلم کرتے ہیں اور اسے رسوا کرتے ہیں۔

میرے پاس مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کا ایک طالب علم جو M.B.B.S. کا طالب علم تھا، اور وہ حافظ قرآن ہے اور دیندار ہے، اس نے اپنے ماحول میں ایک دیندارانہ ماحول بنالیا تھا، رمضان شریف میں وہ ہاسٹل میں اپنے ساتھیوں کو لے کر تراویح پڑھاتا تھا، ایک دن میرے پاس آیا کہ چند دنوں سے کچھ اہل حدیث ہم لوگوں کے درمیان آتے ہیں اور تراویح، رفع یدین، آمین بالجہر اور دوسرے مسائل میں طرح طرح کی الجھنیں پیدا کرتے ہیں، ہم لوگوں کا سکون غارت کر دیا ہے، ہمہ وقت یلغار کرتے رہتے ہیں۔ کیا وہ لوگ حق پر ہیں؟ میں نے کہا یہ فرقہ غلو کا شکار ہے، اس کی حقیقت جاننی ہو تو مولانا ابوبکر صاحب کی کتابیں پڑھو، بلکہ غازی پور جا کر ان سے مل لو۔ وہ زخمی طالب علم تھا، غازی پور پہونچ گیا، مولانا کی باتوں سے وہ مطمئن ہوا، ان کی کتابیں ساتھ میں لے آیا۔ اس نے وہ سب کتابیں پڑھ ڈالیں، ذہانت کا تو وہ پتلہ ہے ہی! اب جو غیر مقلدین اس کے پاس آئے اور اس نے انھیں جواب دئے اور ان سے سوالات کئے تو ان کے قدم اکھڑ گئے، وہ طالب علم بعد میں مجھے بتا رہا تھا کہ اب اس شر وفتنہ سے نجات ہوگئی۔

اور یہ ایک واقعہ نہیں ہے، ملک کے طول وعرض میں بلکہ اسلامی ممالک میں مولانا کی کتابوں اور ان کے لب ولہجہ نے اہل حق کو بہت حوصلہ بخشا اور غیر مقلدیت کو سمٹنے پر مجبور کیا۔

مولانا مرحوم دینی وافکار ونظریات میں نہایت پختہ تھے اور علم میں رسوخ کا درجہ رکھتے تھے اور ساتھ ہی ساتھ حق کے اظہار اور غلطیوں کے انکار میں بہت جری اور صاحب عزیمت تھے۔ انھوں نے حق وصداقت کے اظہار میں کہیں مداہنت نہیں برتی۔ ان کی تصنیفی زندگی میں بعض ایسے مراحل آئے جہاں جاننے والوں کو حیرانی ہوئی، اب مولانا کا طرز عمل کیا ہوتا ہے؟ لیکن یہ دیکھا گیا کہ مولانا کی عزیمت کو کہیں شرمندہ نہیں ہونا پڑا، ہر جگہ انھوں نے دین ودیانت اور حق وصداقت کا تقاضا پورا کیا۔

مجلّہ ''صوت الاسلام'' کا حلقہ انھوں نے اہل عرب میں بنایا تھا اور وہاں سے اسے خاصا مالی تعاون حاصل ہوتا تھا۔ اور معلوم ہے کہ سعودی عرب کے علماء ایک خاص نظریہ کے حامل ہیں، انھیں علماء دیوبند سے نہ کوئی خاص واقفیت ہے اور نہ مناسبت ہے۔ واقفیت تو اس لیے نہیں کہ علماء دیوبند کا صحیح اور عام تعارف عربی زبان میں اب تک نہیں ہوسکا ہے اور مناسبت اس لیے نہیں کہ یہ حضرات مسلک احناف کے پابند اور مشرب صوفیہ پر کاربند ہیں اور سعودی علماء کو ان دونوں سے بُعد بلکہ شاید عِناد ہے۔ پھر اس جلتی پر ہندوستان کے غیر مقلدین کی ہفوات وخرافات نے تیل کا کام کیا۔ خادم الحرمین ملک فہد کے قرآنی پریس نے حضرت شیخ الہندؒ کا ترجمہ اور مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کی تفسیر کو شائع کیا تو سینۂ غیر مقلدیت پر سانپ لوٹ گیا اور انھوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر اس کی طباعت واشاعت بند کرادی اور اس کے خلاف بہت غوغا مچایا۔ اس وقت آزمائش کی گھڑی تھی کہ مولانا ابوبکر صاحب کا طرز عمل کیا ہوتا ہے؟ ان کی دینی غیرت اس جگہ حرکت میں آتی ہے یا رسالہ کی مصلحت قلم کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے۔ اگر مولانا غیر مقلدین کی اس کارستانی کی خبر لیتے ہیں تو اس کی زد میں سعودی علماء بالخصوص شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ باز بھی آئیں گے اور شیخ بن باز کی جوحیثیت اور ان کا جووزن سعودیہ عربیہ میں ہے اسے سب جانتے ہیں کہ وہ وہاں کے ''باپو'' کہلاتے ہیں اور غیر مقلدین کے تملق نے انھیں کچھ اور اونچا کررکھا ہے۔ اگر مولانا کی غیرت دینی چمکے گی تو ان کے رسالہ پر بجلی گرے گی اور مالی تعاون کے راستے میں مشکلات آجائیں گی۔

اور اگر خاموشی اختیار کرتے ہیں، تو مالی خسارہ سے بچ جائیں گے مگر یہ ان کے مزاج و

طبیعت کے خلاف ہوگا۔ پھر رسالہ ’’صوت الاسلام‘‘ آیا تو ان کی غیرت دینی کا جلوہ کچھ اس طرح روشن تھا کہ جاننے والے سب حیرت میں رہ گئے۔ بڑے طاقتور اسلوب میں نہایت صفائی اور وضاحت کے ساتھ انھوں نے غیر مقلدین اور سعودی علماء کے طرز عمل اور طرز فکر کا احتساب کیا تھا، اس موضوع پر بغیر کسی خوف لومۃ لائم کے ایک طویل مضمون لکھا۔ اس کا جو اثر ہونا تھا، وہ ہوا، اور حکومت سعودیہ کی طرف سے جو تعاون مل رہا تھا وہ بند ہوگیا۔ کسی تقریب سے وہ سعودی سفارت خانے میں ایک بار تشریف لے گئے، سعودی سفیر نے دوران گفتگو انھیں ٹوکا کہ آپ نے یہ سب کیا لکھ دیا ہے، آپ کا تعاون بالکل بند ہوجائے گا۔ انھوں نے برجستہ فرمایا کہ ’’سعودیہ رزاق نہیں ہے، حق بات ضرور کہی جائے گی۔‘‘

پھر شاید دو سال کے بعد ایسا ہوا کہ سعودی گورنمنٹ نے سب اگلا پچھلا بقایا ادا کر دیا، اور حق وشجاعت کا غلبہ ظاہر ہوکر رہا۔ مولانا نے حق وصداقت کے باب میں کبھی کسی مداہنت اور ضعف ہمت کا راستہ نہیں اختیار کیا۔ اس باب میں وہ کسی جانب داری کو روا نہ رکھتے تھے۔ اگر انھیں اپنی جماعت کے لوگوں میں، اپنے ہم مسلک وہم مشرب افراد میں کہیں ناہمواری نظر آتی اور دین و دیانت کے تقاضے کے خلاف کوئی طرز عمل محسوس ہوتا، انھیں شرح صدر ہوجاتا کہ یہ رویہ مناسب نہیں ہے یا درست نہیں ہے تو وہ بے تکلف اور بغیر کسی مصلحت کے دباؤ کے ٹوک دیتے۔ دارالعلوم دیوبند کے مسلک سے، اس ادارے سے، ادارے کے ذمہ دار، اساتذہ وکارکنان سے انھیں عشق کی حد تک تعلق تھا مگر بعض بڑے اساتذہ کے افکار اور تحریرات ومضامین میں انھیں ناہمواری محسوس ہوئی تو برملا اس کا اظہار کر دیا۔ ایسے ہی جامعہ مظاہر علوم سہارن پور کے ایک بڑے استاذ کا رویہ انھیں نامناسب محسوس ہوا تو اس پر انھیں ٹوک دیا۔ مولانا غیرت دینی کے پیکر تھے، جہاں بھی انھیں دینی و مذہبی اعتبار سے کجی یا انحراف محسوس ہوتا وہ تڑپ اٹھتے اور اس کا موثر احتساب کرتے۔

مولانا کے اندر عالمانہ جاہ وجلال کے ساتھ عارفانہ حسن وجمال کا پرتو بھی تھا، گو اول الذکر حال کا ایسا غلبہ تھا کہ جمال عارفانہ پر نگاہ ذرا کم ہی پڑتی تھی۔ میں یہ تو نہیں جانتا کہ کسی صاحب نسبت بزرگ سے بیعت تھے یا نہیں؟ مگر اتنا جانتا ہوں کہ بزرگوں سے والہانہ تعلق انھیں تھا اور تمام بزرگی کا سرچشمہ جو ذات والا صفات تھی، یعنی رسول اللہ ﷺ، ان سے محبت وشیفتگی کا جو رنگ تھا اس کا

اظہار عملاً تو تھا ہی، کبھی قول وحال سے بھی یہ رنگ چھلکتا تھا۔ یہ عشق نبوی ہی کا اثر تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سلسلے میں ان کا قلب بہت حساس تھا۔ بعض فرقوں نے اور بعض افراد نے صحابۂ کرام کی حیثیت پر اعتراض کئے ہیں۔ اس قسم کے مواقع پر مولانا کا جلال دیکھنے کے لائق ہوتا، پھر ان کے قلم کی روانی ہر خس وخاشاک کو ہٹاتی اور صاف کرتی چلی جاتی۔ صحابہ پر زبان طعن کھولنے والے سے مصالحت کا کوئی خانہ ان کے یہاں نہیں تھا، اس موضوع کی جھلک تقریباً ان کی تمام تصنیفات میں ملتی ہے لیکن اس عنوان پر مستقل کتاب ''مقام صحابہ کتاب وسنت کی روشنی میں اور مودودی صاحب'' کے نام سے تحریر کی۔

بزرگوں کی محبت وعقیدت ان کے قلب میں بہت تھی۔ جن دنوں وہ جامعہ مظہر العلوم بنارس میں پڑھا رہے تھے، ایک بار الہ آباد حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڑھی نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ وہاں سے واپس آکر اپنا جو حال بیان فرما رہے تھے ان سے ان کی قلبی صلاحیت کا اندازہ ہو رہا تھا۔ فرما رہے تھے کہ ''مولانا محمد احمد صاحب بہت قوی النسبت ہیں جتنی دیر ان کے پاس بیٹھا رہا میرا دل 'اللہ اللہ' کرتا رہا اور اتنی دیر تک ہر وسوسہ اور خیال سے دل خالی رہا۔''

اسی قلبی صلاحیت کا فیض تھا کہ مولانا کو قرآن کریم کی تلاوت کا خاص ذوق تھا، نماز تہجد کے پابند تھے، بہت سویرے اٹھنے کا دائمی معمول تھا، اسی وقت غسل کرتے، خواہ کوئی موسم ہو، خواہ کتنے ہی کڑاکے کی سردی پڑ رہی ہو۔ پھر تہجد پڑھتے، تہجد میں قرآن کریم کی تلاوت کرتے، تہجد سے فارغ ہوکر خود ہی چائے بناتے اور مسلسل زبانی تلاوت کرتے رہتے۔ لکھنے کا کام بھی زیادہ تر اسی وقت کرتے۔ مولانا جن دنوں سبیل السلام حیدرآباد میں مدرس تھے، میں کسی مناسبت سے حیدرآباد گیا تھا اور تین چار روز مدرسہ سبیل السلام میں ان کے ساتھ رہا، ہر روز ان کا یہی معمول دیکھا۔ جید حافظ قرآن تھے، اس لئے زبانی پڑھتے رہتے، میں ان کے اس معمول سے بہت متاثر ہوا تھا۔

معلوم ہوا کہ جس رات کی صبح میں انتقال ہوا ہے، اس وقت بھی اس معمول میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ بھوپال کسی پروگرام میں گئے تھے، وہاں سے واپسی میں دلی جمعیۃ علماء ہند کے دفتر

میں ٹھہرے تھے، دوسرے روز دیو بند جانے کا ارادہ تھا۔ معمول کے مطابق صبح سویرے اٹھے، غسل کیا، تہجد پڑھی، دل میں کچھ درد محسوس ہوا لیکن اپنے معمولِ ذکر وتلاوت میں مشغول رہے۔ اس وقت دفتر کے ذمہ داروں کو اپنی حالت بتائی، ان لوگوں نے گاڑی کا انتظام کیا، مولانا خود چل کر نیچے گاڑی تک آئے، گاڑی میں لیٹ گئے، مسلسل اللہ اللہ کہتے رہے۔ گاڑی ڈاکٹر کی طرف جارہی تھی اور مولانا کی روح رب السمٰوات والارض کی حاضری کے لئے تیار تھی۔ آواز آہستہ آہستہ مدھم ہوتی گئی، ساتھ والوں نے سمجھا کہ آرام ہو گیا ہے، شاید نیند آ گئی ہے مگر جب ڈاکٹر نے معائنہ کیا تو بتایا کہ مولانا اللہ کے حضور پہونچ چکے ہیں۔ إنالله وإنا إليه راجعون

یہ ۸؍فروری ۲۰۱۲ء کی تاریخ تھی۔ نعش ایمبولینس کے ذریعہ دلی سے غازی پور لائی گئی، دوسرے روز ۹؍فروری کو غازی پور میں ایک جم غفیر نے جس میں علماء کی بڑی تعداد تھی، نماز جنازہ پڑھی۔ مولانا کے خاص معتمد مولانا انس حبیب غازی پوری نے نماز جنازہ پڑھائی۔ حق مغفرت فرمائے، مولانا کے جانے سے علم اور حقانیت کی دنیا میں ایک بڑا خلا پیدا ہو گیا، اللہ تعالیٰ امت مسلمہ پر رحم فرمائے، علماء کا اٹھ جانا ایک حادثۂ کبریٰ ہے لیکن مولانا کی تصانیف ان شاء اللہ روشنی پھیلاتی رہیں گی۔

مولانا کے دو صاحبزادے ہیں، بڑے صاحبزادے عبدالرحمٰن سلّمہٗ ایک ہلکی پھلکی دوکان کرتے ہیں، چھوٹے فرزند مولوی عبید الرحمٰن سلّمہٗ اس وقت دارالعلوم مئو میں دورۂ حدیث شریف میں زیر تعلیم ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں والد گرامی کا وارثِ علمی بھی بنائے۔ آمین



مولانا ابوبکر غازی پوری علیہ الرحمہ
چند یادیں، چند باتیں اور علمی خدمات کے چند گوشے

مولانا ڈاکٹر اشتیاق احمد الاعظمی القاسمی
استاذ حدیث وفقہ دار العلوم مئو

حضرت مولانا ابوبکر غازی پوری (متوفی: ۸؍فروری ۲۰۱۲ء) کا نام نامی زمانۂ طالب علمی سے سنتے رہے۔ طالب علمی میں دیکھا بھی ہوگا، لیکن یہ دورِ طالب علمی خاص طور سے ابتدائی عربی درجات کے ماہ وسال بڑے لاشعوری کے ہوا کرتے ہیں۔ اس لیے تحت الشعور میں مولانا مرحوم سے پہلی ملاقات کا نقش نہیں اُبھر پا رہا ہے۔ دیوبند کی طالب علمی میں یقیناً ملاقات ہوئی ہے لیکن جس ملاقات کا نقش دماغ میں موجود ہے وہ ہے شیخ ابن باز کے ریاض میں واقع مکان پر ملاقات کا۔ مدینہ یونیورسٹی سے ۱۴۰۵ھ میں فراغت کے بعد حضرت شیخ ابن باز سے ملاقات کے شوق میں ریاض جانا ہوا۔ وہاں پہنچ کر شیخ ہی کے مہمان رہے، شیخ کا دسترخوان شاہی اور عمومی ہوا کرتا تھا۔ شیخ کو سرکاری طور پر ایک وزیر کا درجہ حاصل تھا۔ وزیر ہی کی تنخواہ ملا کرتی تھی اور یہ ساری تنخواہ مہمانوں کی خاطر مدارات میں خرچ ہو جایا کرتی تھی۔ شیخ سے ملاقات کے لیے جو بھی جاتا، سب ان کا مہمان ہوتا، سبھی لوگ اُس کھانے میں شریک ہوتے، جسے شیخ خود بھی تناول فرمایا کرتے تھے۔ عموماً وہاں سینیوں میں عمدہ قسم کے باسمتی چاول میں، چھوٹے گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے پکا کر مہمانوں کے سامنے پیش کیا جاتا، دوپہر اور شام میں یہی کھانا ہوا کرتا تھا۔ عصر کے بعد قہوہ اور شای سلیمانی (سادی چائے) کا دور چلا کرتا۔ شیخ کی مجلس میں مولانا مرحوم سے کئی بار ملاقات کا

شرف حاصل ہوا۔علیک سلیک کے بعد بیٹھ جاتے۔راقم تو مولانا مرحوم سے متعارف تھا ہی،مولانا صرف خیریت پوچھتے اور شیخ کی طرف متوجہ ہوجاتے،تاکہ جو مقصد ہو وہ ان کے سامنے رکھا جاسکے۔

شیخ ابن باز نابینا تھے، وہ آواز سے لوگوں کو پہچان لیتے تھے اور دوبارہ ملاقات پر نام پوچھتے:''أنت فلانٌ؟ متیٰ حضرتَ؟ ....'' اللہ نے بصارت تو لے لی تھی لیکن غضب کی بصیرت عطا فرمائی تھی۔مولانا مرحوم کو بھی آواز سے پہچان گئے اور پوچھا: ''متیٰ حضرت أبابکرٍ؟'' مولانا نے اپنی بات رکھی اور پھر جو گفتگو کرنی تھی کی۔

مولانا مرحوم سے اُسی سال دوسری ملاقات طائف میں شیخ ابن باز ہی کے مکان پر ہوئی اور یہاں بھی ریاض جیسے احوال پیش آئے۔جب ہندوستان ہماری واپسی ہوئی اور مادرِ علمی دارالعلوم مئو میں تدریسی خدمت کا موقع ملا،تو مولانا مرحوم سے بارہا ملاقات کا شرف مدرسہ مرقاۃ العلوم مئو میں حاصل ہوا۔''نوائے دارالعلوم'' مئو کے دوبارہ اشاعت پذیر ہونے کے بعد جب اس کی کمپوزنگ اور طباعت کی پوری ذمہ داری مولوی عبدالباسط قاسمی معروفی کے حوالے ہوئی تو موصوف کے''قاسمی پرنٹ'' کی آفس میں متعدد بار مولانا مرحوم سے لمبی لمبی اور جلد جلد ملاقاتیں ہوتی رہیں، جو اپنا دیرینہ اور پائدار نقش چھوڑ گئیں۔مولانا اپنے''زمزم'' کی کمپوزنگ کے لیے حاضر ہوا کرتے،راقم''نوائے دارالعلوم'' کے سلسلے میں جایا کرتا۔بسا اوقات پہلے سے موجود ہوتا، مولانا رکشے سے آکر اترتے،کرسی پر بیٹھتے،چائے پانی کے بعد کچھ دیر علمی موضوعات پر گفتگو ہوتی، پھر میں اپنا کام سمیٹ لیتا اور مولانا کو کام کرانے کا موقع دیدیتا۔مولانا بے حد خوش ہوتے اور دعائیں دیتے۔مولوی عبدالباسط قاسمی معروفی کبھی کبھار کچھ عربی تعبیرات پوچھا کرتے،مولانا بیان فرماتے۔ایک موقع پر راقم نے کہا:''مولانا! یوں کہیں تو کیسا رہے گا؟''مولانا نے بے حد سراہا۔ایک مرتبہ ایک عربی لفظ کی جمع بتائی، راقم نے کہا:اس کی جمع یوں آئے گی اور نظیر میں کئی جمعیں پیش کی گئیں۔مولانا نے اس سے اتفاق فرمایا اور بعد میں مولوی عبدالباسط معروفی سے اس بابت کچھ کہا بھی۔پھر تو مولانا''زمزم'' کے خاص مضامین کے مسودے مجھے وہیں پڑھنے کو دیدیا کرتے اور فرماتے:''تم اپنی رائے بلا تکلف بیان کرو، مجھے اس سے خوشی ہوگی۔'' چنانچہ متعدد بار کچھ مقامات پر نشاندہی کی تو مولانا مرحوم نے نہایت خندہ پیشانی سے قبول فرما کر عبارت تبدیل

کردی۔مولانا مرحوم خردوں پر بھی کس قدر اعتماد فرماتے تھے اور ان کو آگے بڑھانے کی کس قدر فکر فرماتے تھے،اس کی یہ ایک زندہ مثال ہے۔

والد محترم مولانا مشتاق احمد قاسمی مدظلہ العالی (خلیفۂ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی) سے بڑی عقیدت رکھتے تھے، بارہا اُن سے ملنے کی خواہش کا اظہار فرمایا، میں کہتا:''جب آپ اپنے کو فارغ کرلیں، لے چلوں۔'' مگر مولانا مئو آنے کے بعد کاموں میں اس قدر مشغول ہوا کرتے تھے کہ ہزار خواہش کے باوجود یہ تمنا حسرت بن کر دل ہی میں رہ گئی۔

مولانا مرحوم انتہائی ذی علم، کثیر المطالعہ، دین دار اور غیور انسان تھے،ان کی غیرتِ دینی ہی نے پورے حلقۂ دیوبند کی طرف سے کئی شاہکار کتابیں تصنیف کرادیں۔آپ حق گو اور نہایت بے باک تھے، لایخاف لومۃ لائم کا صحیح مصداق تھے۔شیخ ابن باز سے کسی علمی معاملے میں اختلاف ہوا،اُن کی رائے کے خلاف اپنے موقف کو دلائل سے مبرہن کرکے''صوت الاسلام'' کے صفحات پر شائع کرکے اُن کی خدمت میں روانہ کردیا۔مجھ سے فرمایا کہ:''جو مکافئہ مالیہ شیخ کے یہاں سے مجھے مل رہا ہے، وہ بند ہو جائے گا لیکن حق گوئی سے باز آجاؤں، یہ مجھ سے ہونے والا نہیں۔'' چنانچہ جس کا خدشہ تھا وہ ہو کر رہا، ایک خطیر رقم اس حق گوئی کی پاداش میں بند کردی گئی۔لیکن قدرت کا کرنا ایسا کہ اگر یہاں سے بند ہو گیا تو رب کائنات نے دوسرا دروازہ کھول دیا۔

علمی خدمات کے چند روشن ابواب

۱) تدریسی مجال:

آپ نے ابتدا ہی سے درس وتدریس اور مطالعۂ کتب کو اپنا بنیادی مشغلہ بنا رکھا تھا۔ چنانچہ تدریسی خدمات کے لیے ملک کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے کئی ایک مدارس عربیہ آپ کی جولان گاہ بنے رہے۔قریب وپاس کے مدارس میں مدرسہ دینیہ غازی پور، مظہر العلوم بنارس اور جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ میں مسندِ تدریس پر جلوہ گر ہو کر علوم وفنون کے معارف بکھیرتے رہے۔ دور دراز کے مدارس میں مالیگاؤں کے بیت العلوم، ڈابھیل کے جامعہ اسلامیہ اور حیدرآباد کے معروف ادارہ دار العلوم سبیل السلام کے طلبہ کو تعلیم وتربیت سے آراستہ وپیراستہ کرنے کی سعادت

بخشی۔ابتدائی کتابوں سے لے کر منتہی کتابوں کی تدریس کا موقع ملا۔طلبہ آپ کی صلاحیتوں کے معترف ہوتے۔چونکہ حضرۃ الاستاذ مولانا وحید الزماں کیرانوی سے خصوصی شرفِ تلمذ حاصل کیا تھا،اور یہ دنیا جانتی ہے کہ مولانا کیرانوی کی شخصیت بڑی مردم ساز تھی،یہی عکس آپ کے شاگردوں میں بھی کم وبیش دیکھنے کو ضرور ملتا ہے۔قسامِ ازل نے یہ خوبی بھی مرحوم میں بدرجۂ اتم ودیعت کر رکھی تھی۔وہ اپنے شاگردوں کو مانجھ دیا کرتے تھے،اور علوم ومعارف کا خزینہ اُن کے سینوں میں انڈیلنے کا سلیقہ جانتے تھے۔راقم کو آپ سے شرفِ تلمذ تو حاصل نہیں مگر دورانِ گفتگو کتابی علوم ومعارف کی توضیح جس انداز میں فرمایا کرتے تھے،اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا چنداں مشکل نہیں۔

۲)تصنیفی وتالیفی اور صحافتی مجال:

مولانا مرحوم کو اردو،عربی ہر دو زبان کے ادب پر خاصا عبور حاصل تھا،آپ نے اردو مجلّات ورسائل کے لیے مقالے تحریر فرمائے تو عربی مجلّات وجرائد میں بھی مستقل لکھا کرتے تھے۔دارالعلوم کے عربی ماہنامہ مجلّہ ''الداعی''اور الجمعیۃ دہلی کے پندرہ روزہ عربی جریدہ ''الکفاح'' آپ کی عربی نگارشات سے مزین ہوا کرتے تھے۔ایرانی انقلاب کا موقع رہا ہو،یا عراق کویت جنگ کا،یا عراق پر امریکی ظالمانہ حملوں کا ان سبھی مواقع پر عربی میں مضامین آیا کرتے رہے۔

آپ کا اپنا خود ایک عربی مجلّہ ''صوت الاسلام''موقع بموقع شائع ہو کر عرب علما اور دانشوروں سے دادِ تحسین حاصل کیا کرتا تھا۔اس کے ایڈیٹر بھی خود ہی تھے اور بیشتر مضامین بھی آپ ہی کے قلمِ سیّال کے مرہونِ منت ہوا کرتے تھے۔دوسرا اردو مجلّہ ''زمزم'' کے نام سے برابر وقت پر شائع کرتے رہے۔اس کی تحریریں بڑی دلچسپ اور معلوماتی ہوا کرتی تھیں،بالخصوص مستقل عنوان ''خمارِ سلفیت'' کا تو پوچھنا ہی کیا!سلفیت مزعومہ کی قلعی کھولنے میں اپنی نظیر آپ تھا۔''زمزم'' میں قارئین کے علمی سوالوں کا جواب بھی بڑے علمی انداز اور گہرے مطالعہ کی روشنی میں دیا کرتے تھے۔

مرحوم حق بات کہنے میں کسی طرح کی مداہنت گوارا نہیں کرتے تھے،آپ کا تیغِ قلم بارہا اپنوں پر بھی چلا ہے،لیکن مقصد احقاقِ حق ہوا کرتا تھا،نہ کہ کسی کی تذلیل یا تنقیص۔اور اس سے وہ

ہمیشہ پناہ مانگا کرتے تھے۔ جذبۂ حق گوئی ہی نے آپ کے قلم گوہر بار سے کئی شاہکار کتابیں تصنیف کرادیں۔ جب ''الدیوبندیة'' نامی کتاب چھپ کر آئی تو حلقۂ دیوبند میں اس کے جواب کی فکر لاحق ہوئی لیکن کچھ ہی دنوں میں جب مرحوم نے ''**وقفة مع اللامذهبية**''، تصنیف فرمادی تو آج تک سلفی ٹولہ اس کا جواب نہ دے سکا۔

نام نہاد سلفیوں کے غلط دینی خیالات اور گمراہ روش پر چلنے کے باوجود جماعت حقہ کو مشرک اور کافر گردانتے والوں کو اُنھیں کے اکابر کی کتابوں سے خرافات کا وہ طومار، مرحوم لوگوں کے سامنے لانے میں کامیاب ہوئے کہ جس کا الزام وہ جماعت حقہ کو دیا کرتے تھے، وہ اور اس کے سوا اور بہت کچھ اُن کے یہاں موجود ہے۔ یہ کام مرحوم نے ''صورٌ تنطق'' میں نہایت عمدہ انداز میں انجام دیا ہے۔ نہ صرف یہ کہ اُن کے خرافات پر مشتمل کتابوں کے حوالے دے دیے جائیں بلکہ ان ہی کی کتابوں سے خرافات پر مشتمل صفحات کا فوٹو لے کر مرحوم نے چھپوادیا ہے۔ کون ہے جو اس کا انکار کردے کہ یہ خرابیاں ہم میں نہیں ہیں؟۔

اردو میں تو اس طرح کی متعدد کتابیں آچکی ہیں: 'غیر مقلدین کی ڈائری'، 'مسائل غیر مقلدین'، 'آئینۂ غیر مقلدیت'، 'غیر مقلدین کے لیے لمحۂ فکریہ'، 'صلوۃ الرسول پر ایک نظر'، 'کچھ دیر غیر مقلدین کے ساتھ'۔ اور اس طرح کی کئی کتابیں ایسے مدلل اور مستند انداز پر تصنیف فرمائی ہیں کہ مخالف ٹولہ اِن کا جواب اب تک نہیں دے سکا ہے۔

مولانا نے اس جہانِ آب وگیتی میں ۱۷/شوال ۱۳۶۴ھ = ۱۵/مارچ ۱۹۴۵ء کو قدم رکھا، اور اس دنیائے دنی کو ۱۵/ربیع الاول ۱۴۳۳ھ = ۸/فروری ۲۰۱۲ء کو خیر باد کہا۔ **انا لله وانا اليه راجعون**۔ رب کائنات اس مردِ مجاہد کی بال بال مغفرت فرما کر جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام پر فائز فرمائیں، نیز پس ماندگان کو صبرِ جمیل سے نوازیں۔ آمین

پس ماندگان میں اہلیہ محترمہ کے علاوہ دو صاحبزادے، دو صاحبزادیاں اور بڑے بھائی و ہمشیرہ ہیں۔ بڑے صاحبزادے متأہل ہیں، اور چھوٹے حافظ عبید الرحمٰن سلمہٗ دارالعلوم مئو سے فارغ ہیں، اور راقم کے عزیز شاگردوں میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سبھی حضرات کو خوش وخرم رکھیں اور والد علام کے علوم کا امین اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین

مولانا حافظ محمد ابوبکر (ثانی) غازی پوری

حضرت مولانا عزیز الحسن صدیقی صاحب
مہتمم مدرسہ دینیہ غازی پور

مولانا محمد ابوبکر غازی پوری کے ایک ہم نام اور تھے جن کا انتقال ۱۹۷۰ء میں ہوا تھا۔ انھوں نے اور ان کے برادر خرد مولانا محمد عمر فاروق (م:۱۳۶۳ھ) نے حضرت مولانا حکیم جمیل الدین نگینوی[۱] سے اکتساب علم کیا تھا۔ حضرت حکیم صاحب کے ایما پر مولانا حافظ حکیم ابوبکر نے دیوبند کی راہ لی اور چھوٹے بھائی مولانا محمد عمر فاروق حکیم الامت حضرت تھانوی کی خدمت میں تھانہ بھون پہنچے۔ مولانا ابوبکر نے دیوبند سے فراغت کے بعد گورنمنٹ ہائی اسکول دیوریا میں ہیڈ مولوی مقرر ہوئے اور مولانا محمد عمر فاروق نے وطن واپس آ کر غازی پور کی قدیم درس گاہ چشمہ

---

۱) مولانا ابوالحسن حیدری غوث پور (غازی پور) کے رہنے والے تھے اور الٰہ آباد کے کسی کالج میں استاذ تھے اور وہیں ۱۴۰۲ھ میں انتقال کیا۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ چشمہ رحمت میں حاصل کی، اس کے بعد مولانا حکیم جمیل الدین نگینوی کے حلقہ درس میں شامل ہوئے۔ حضرت شیخ الاسلام کو بہت برا بھلا کہتے تھے مگر حضرت حکیم صاحب کی توجہ اور صحبت کام کر گئی۔ الٰہ آباد کے قیام کے دوران مسلسل خواب دیکھے۔ پھر تجسس پیدا ہوا، نفرت محبت سے بدلی۔ بالآخر ایک دن ان بزرگ (شیخ الاسلام) کی زیارت ہوئی جنھیں گالیاں دیا کرتے تھے۔ شیخ الاسلام حکیم محمد احسن انصاری کے دولت خانہ پر فروکش تھے، وہیں میرے والد مولانا ابوالحسن صدیقی نے مولانا ابوالحسن حیدری کو شیخ الاسلام سے بیعت کرایا۔ مولانا حیدری اپنی کتاب ’’صبح صادق معروف بہ مدنی آفتاب‘‘ میں لکھتے ہیں کہ ’’مولانا حکیم جمیل الدین ۸۔۹ سال تک غازی پور میں مقیم رہے۔ حکیم صاحب دہلی سے پہلے بلیا تشریف لائے پھر غازی پور آ کر محلّہ سیدواڑہ میں مطب قائم کیا۔ بقیہ اگلے صفحہ پر

رحمت میں درس وتدریس کا شغل اختیار کیا۔ جہاں علامہ شبلی، علامہ سید سلیمان ندوی اور علامہ ظہیر الدین شوق نیموی جیسے عباقرۂ روزگار نے تحصیل علم کی اور حافظ عبداللہ غازی پوری جیسی نادرۂ روزگار شخصیت نے مسند تدریس کو رونق بخشی۔ کچھ عرصہ کے بعد جب یہ قدیم درسگاہ اپنی ڈگر سے ہٹ گئی اور مسلکی اختلافات کی آماجگاہ بن گئی تو مولانا محمد عمر فاروق اس سے علاحدہ ہو گئے اور اپنے حجرے میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ پھر ۱۳۵۰ھ میں مدرسہ دینیہ کی بنیاد رکھی۔

مولانا حافظ محمد ابوبکر (ثانی)......جن کی یاد تازہ کرنے کے لیے ہم قلم کاغذ لے کر بیٹھے ہیں...... کے والد بزرگوار مولوی مولیٰ بخش صاحب انصاری مولانا محمد عمر فاروق صاحب کے شاگرد اور صحبت یافتہ تھے۔ان کے دل میں ملی وقومی ہمدردی اور وطن عزیز کی خدمت کا جو جذبہ تھا وہ ان کے استاذ ومربی مولانا محمد عمر فاروق کی دین تھی۔ مولوی مولیٰ بخش صاحب راقم کے والد مولانا ابوالحسن صدیقی (م:۱۹۶۷ء) کے جگری دوست تھے۔ ان دونوں بزرگوں کی دوستی یوں پروان چڑھی کہ جب میرے والد یتیم ہو گئے اور طاعون کی وبا میں ان کے والدین اور سارے قریبی اعزہ وفات پا گئے، حتی کی جان چھڑکنے والی پھوپھی جو لکھنؤ کی رہائش ترک کر کے غازی پور آ گئیں اور بھتیجے کو گود لے لیا، اور وہ بھی اس موذی مرض میں گرفتار ہو کر راہی ملک عدم ہو گئیں تو میرے والد رحمۃ اللہ علیہ محلّہ چمپا باغ کے یتیم خانہ میں داخل ہو گئے۔ مولوی مولیٰ بخش صاحب کا

بقیہ گزشتہ صفحہ کا: ان کا مطب جسمانی علاج کے ساتھ ساتھ روحانی علاج کا مرکز ثابت ہوا۔ مذکورہ بالا کتاب میں مولانا حیدری نے اپنے استاذ ومربی مولانا نگینوی اور اپنے شیخ ومرشد مولانا مدنی اور میرے والد کا تذکرہ تفصیل سے کیا ہے۔ مولانا نگینوی نے بلیا کے قیام کے دوران جس نوجوان طالب علم 'ابراہیم' کو تعلیم دے کر دیوبند بھیجا تھا وہ علامہ ابراہیم بنا۔ اور غازی پور میں مولانا عمر فاروق کی تعلیم وتربیت کی تو یہاں مدرسہ دینیہ کے نام سے اصلاح وہدایت کا ایک مرکز قائم ہوا۔ مولانا نگینوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے شاگرد اور دارالعلوم کے فاضل تھے۔ ان کے قیام غازی پور کے دوران حضرت مدنی اور حضرت تھانوی بار بار غازی پور تشریف لائے اور حکیم صاحب کے مہمان ہوئے۔ غازی پور کی سرزمین سنگلاخ تھی لیکن حکیم صاحب کی کوششوں سے اپجاؤ بنی۔ حکیم صاحب ۱۹۱۸ء میں دہلی واپس جانے کے لیے جب اسٹیشن پہنچ گئے تو مولانا ابوالخیر فصیحی نے اپنے مرید کو اسٹیشن یہ کہنے کے لیے بھیجا کہ ''خس کم جہاں پاک''۔ حضرت حکیم صاحب نے فرمایا کہ ''مولوی ابوالخیر سے جا کر کہہ دو کہ کھونٹا گاڑ کے جا رہا ہوں۔'' راقم کہتا ہے کہ وہ کھونٹا 'مدرسہ دینیہ' ہی تھا۔

مکان اسی محلّہ میں تھا۔اس زمانہ میں مولانا محمد عمر فاروق صاحب چشمہ رحمت میں مدرس تھے۔یہ دونوں بزرگ (مولانا ابوالحسن اور مولوی مولیٰ بخش) اسی زمانہ میں مولانا کے قریب آئے۔

مولوی مولیٰ بخش صاحب انصاری کا گھر دُوار سب کچھ تھا مگر والد کا سایہ سر سے اٹھ چکا تھا۔اس طرح ان کے اور ہمارے والد کے حالات تقریباً یکساں تھے۔مولوی مولیٰ بخش صاحب کی زندگی میں بھی بہت سارے نشیب وفراز آئے۔گھر سے بے گھر ہوئے،اپنے بے گانے ہوئے۔اِس مکان سے اُس مکان اور اِس محلّہ سے اُس محلّہ منتقل ہوتے رہے۔ان پر ایک ایسا دور بھی گزرا کہ ان کے سایہ نے بھی ساتھ چھوڑ دیا مگر ان کے رفیق عزیز مولانا ابوالحسن صدیقی نے نازک لمحات میں بھی ان کا ساتھ نہیں چھوڑا، بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ پورے شہر میں وہی منفرد شخص تھے جنھوں نے صحیح معنوں میں رفاقت کا حق ادا کیا۔یہ اس زمانے کی ادائیں تھیں جب لوگوں میں الفت ومحبت تھی اور ایک دوسرے کے دکھ درد کا احساس تھا۔کوئی نسبی وخاندانی رشتہ نہ ہوتے ہوئے بھی ایک آدمی دوسرے آدمی سے ٹوٹ کر ملتا تھا، جب کہ فی زمانہ خونی رشتوں میں بھی دراڑ پڑ گئی ہے۔

ہم نے قلم اٹھایا تھا برادر عزیز مولانا محمد ابوبکر غازی پوری کی شخصیت پر اپنے تاثرات قلم بند کرنے کی غرض سے لیکن بات چھڑ گئی ان کے اور میرے والد مکرم رحمہما اللہ کے باہمی تعلقات اور رشتہ مودت کی۔لیکن یہ بات بھی ضروری تھی۔مولانا محمد ابوبکر صاحب نے جب مدرسہ دینیہ سے حفظ قرآن کی تکمیل کر لی تو ان کے والد نے انھیں مئو کے جامعہ مفتاح العلوم اور مبارک پور کے جامعہ احیاء العلوم میں داخل کیا۔اس کے بعد تکمیل کے لیے دارالعلوم دیوبند بھیجنے کا ارادہ کیا۔اتفاق سے انھیں دنوں ہمارے والد کے رشتے کے ماموں مولانا عبدالحق صاحب وطن آئے ہوئے تھے۔چنانچہ والد صاحب عید کے دوسرے دن مولانا محمد ابوبکر صاحب کو اپنے ہمراہ لے کر مولانا عبدالحق صاحب کے گاؤں بھکئی پور روانہ ہوگئے۔مولانا عبدالحق صاحب حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کے معتمد خاص اور پیش کار تھے۔انھوں نے فرمایا کہ ’’ابوبکر میاں کو شوال کی فلاں تاریخ تک دیوبند بھیج دیجیے۔‘‘مولانا سے ملاقات کے بعد داخلہ کے سلسلہ میں اطمینان سا ہوگیا۔چنانچہ وقت پر مولانا محمد ابوبکر صاحب دیوبند پہنچ گئے۔مولانا عبدالحق صاحب

یوں تو سبھی غازی پوری طلبہ کے ساتھ ہمدردی کا معاملہ کرتے تھے مگر ان کے ساتھ اور بھی زیادہ محبت وشفقت کا معاملہ کیا۔ جب تک داخلہ نہیں ہوا مرحوم مولانا کے گھر پر ایک عزیز کی طرح رہے۔

مولانا محمد ابوبکر صاحب دیوبند سے فراغت کے بعد کچھ عرصہ تک مدرسہ دینیہ میں رہے۔ اس کے بعد دوسرے مدرسوں مصروف خدمت رہے۔ مگر قدرت کو ان سے درس وتدریس سے زیادہ تصنیف وتالیف کا کام لینا تھا۔ چنانچہ موصوف نے غازی پور کو مرکز عمل بنایا اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کر دیا۔ فراغتے وکتابے وگوشۂ چمنے کی آرزو تو بہتوں نے کی مگر سب کو یہ نعمت کہاں نصیب! مولانا ممدوح کو اس نعمت کا وافر حصہ ملا اور انھوں نے محض چند سالوں میں تصانیف کا ڈھیر لگا دیا اور اپنی اس خدمت کے لیے ملک بھر میں مشہور ہوئے۔

۱۹۷۰ء میں مدرسہ دینیہ نے ایک نیا تعلیمی تجربہ کیا۔ ذمہ داران مدرسہ کا خیال تھا کہ لوگ باگ مدرسوں کو چندہ تو دیتے ہیں مگر مدرسہ دیکھنے کم ہی آتے ہیں۔ لہٰذا انھوں نے ملک کی مشہور یونی ورسٹی جامعہ ملیہ اسلامیہ کے طرز پر غازی پور کی ایک تحصیل ''سید پور'' کے ایک گاؤں ''پوٹہ'' میں ایک ہفتہ کا (Open Air School) ''کھلی ہوا کا مدرسہ'' کھولا اور اس کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا کہ طلبہ کی معتد بہ تعداد جس میں چھوٹے بڑے سبھی شامل تھے، سامان سمیت پوٹہ بھیجی گئی۔ ضرورت کے سبھی سامان مثلاً درس گاہ کی تپائیاں، بستر بوریہ، برتن باسن بھیجے گئے۔ باورچی بھی بھیجا گیا۔ پورا قافلہ بابو کبیر الدین کے بنگلہ پر فروکش ہوا۔ روزانہ وقت پر گھنٹہ بجتا، درس ہوتا۔ شب میں درس حدیث اور فجر بعد درس قرآن ہوتا۔ آخری دن شب میں جلسہ ہوا جس میں علاقہ کے مرد اور خواتین بڑی تعداد میں شریک ہوئے۔ مسجد آباد ہوئی، کئی لوگوں نے داڑھیاں رکھ لیں۔ آس پاس کے دیہاتوں سے لوگ آکر اس انوکھے مدرسہ کو دیکھتے اور متاثر ہوتے۔

لگے ہاتھوں ایک دلچسپ واقعہ بھی سن لیجیے۔ چھوٹے بچوں کا ایک گروہ جب دیوکلی بلاک گیٹ پر بس سے اتر کر پاپیادہ پوٹہ کے لیے روانہ ہوا تو درمیان میں ''منڈپہ'' نام کا ایک گاؤں پڑا۔ اسی گاؤں کے شیخ عبدالوحید سڑک پر ٹہل رہے تھے۔ انھوں نے چھوٹے بچوں کو صاف ستھرا لباس پہنے ہوئے دیکھا تو بے ساختہ پکار اٹھے: ''ارے! یہ فرشتوں کی جماعت کہاں جارہی ہے۔''

اس زمانہ میں مولانا محمد ابوبکر صاحب مدرسہ دینیہ میں تدریسی خدمات انجام دے رہے

تھے اور اس کام میں برابر کے شریک تھے۔کیمپ مدرسہ کے آخری دن شب میں ایک جلسہ کا انعقاد کیا گیا تھا جس میں مولانا ضمیر احمد صاحب جلال پوری اور مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی (سابق استاذ جامعہ اسلامیہ بنارس وموجودہ مہتمم دارالعلوم دیو بند) بحیثیت مقرر مدعو تھے۔دونوں حضرات نے اس انوکھے مدرسہ کا نام اور کام دیکھ کر تعجب کا اظہار کیا اور تحسین بھی کی۔یہ مدرسہ دینیہ کا بالکل ابتدائی قدم تھا جو تحصیل سید پور میں اٹھایا گیا تھا۔اب اللہ کے فضل سے اس علاقہ میں مدرسہ کی براہ راست پانچ شاخیں اور چار ملحقہ مکاتب کام کررہے ہیں اور خدمت کا سلسلہ دراز تر ہوتا جارہا ہے۔ہم اس علاقہ کو میوات کے علاقہ سے تشبیہ دیتے ہیں جہاں تبلیغی جماعت نے کلیدی خدمات انجام دی تھیں۔مدرسہ دینیہ نے لگاتار چالیس سال تک اس علاقہ میں اسی انداز پر کام کیا۔

ایک بات رہی جاتی ہے۔مرحوم مولانا محمد ابوبکر صاحب نے تصنیف وتالیف کے ساتھ ملک وبیرون ملک کے دورے بھی بہت کیے حتی کہ سفر کے دوران دہلی میں اچانک بیمار پڑے اور زبان حال سے یہ کہتے ہوئے جھٹ پٹ چل دیے:

عشق میں کام تھے بہت پر میرؔ
ہم ہی فارغ ہوئے شتابی سے



مرحوم نے ہمیشہ اس ناچیز کو''عزیز بھائی'' کہہ کر پکارا۔بہت عزت دی ٹوٹ کر چاہا۔ ان کے گھر ایک تقریب میں اپنے ماموں حافظ محمد اسحاق صاحب کی شدید علالت کی وجہ سے میں شریک نہ ہوسکا تھا۔تقریب کے بعد جب مبارک باد اور معذرت پیش کرنے کی غرض سے ان کے گھر گیا تو بہت متاثر ہوئے اور فوراً عیادت کی غرض سے ہمارے گھر آئے۔ان کا محلّہ سید واڑہ ہمارے محلّہ سے بہت قریب ہے۔میں جب پیدل چلنے کے لیے تیار ہوا تو فوراً کسی سے کہا کہ کار سے لے جاؤ۔یہ طریقہ اور انداز اور یہ ادائیں بعد والوں کے لیے یقیناً سبق ہیں۔ایسے واقعات کی ایک سیریز ہے اس کو بیان کرنے پر آؤں تو ''افسانہ از افسانہ می خیزد'' والی بات ہوگی۔اللہ تعالی مرحوم کے درجات بلند فرمائے۔آمین

❑❑❑

ایک یادگار محفل

مفتی ابولبابہ شاہ منصور پاکستان

یہ قصہ کراچی کی ایک گرم شام میں سمندر کی پشت پر منعقد ہونے والی محفل کا ہے۔ میزبان اور مہمان چنیدہ لوگ تھے۔اصحاب علم،اہل فکر ودانش۔روشن چہرے،چمکتی آنکھیں۔ نظریں مہمان کے چہرے پر کان ان کی دل میں اترتی آواز پر۔سننے والے کی خواہش تھی کہ اس شخصیت کو آنکھوں سے تو دیکھ لیا جس نے ایک لافانی تصنیف لکھ کر راتوں رات شہرت جاوداں حاصل کی اور اہل سنت والجماعت کی آنکھوں کا تارا بن گئے۔اب سماعت کو بھی ان کی عالمانہ گفتگو سے فیض یاب کریں۔

''حضرت! آپ کو اس تصنیف کا خیال کیسے آیا؟'' گفتگو حسب معمول اسی سوال سے شروع ہوئی جو تقریباً ہر محفل میں ان سے کیا جاتا تھا۔

بحیرہ عرب کی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔بولنے والا صاحب علم بھی تھا صاحب زبان بھی۔ پر کیف فضا، دلکش گفتگو۔سننے والوں کا اشتیاق اور توجہ کا یہ عالم کہ لانچ کی سیٹیں چھوڑ کر حضرت کے قدموں میں فرش پر آبیٹھے۔

''مجھے شروع سے علمائے دیوبند سے بہت زیادہ محبت وعقیدت تھی۔اس وارفتگی کی وجہ یہ ہے کہ میں اپنے مطالعہ اور مشاہدے کی بنا پر سمجھتا تھا کہ برصغیر میں دین اسلام کا احیا وتبلیغ اور جہاد حریت انھیں حضرات کے مرہون منت ہے۔ان کے اہل حق ہونے کی یہی ایک وجہ میرے نزدیک بہت تھی۔لہٰذا کوئی ان کے خلاف بولے تو مجھے اس حماقت اور جہالت پر نہایت افسوس ہوتا

تھا۔‘‘

حضرت نے تمہید باندھ لی اور اب ان کی گفتگو میں دھیرے دھیرے روانی اور توجہ قلبی کا عکس گہرا ہو رہا تھا۔

’’ہمارے یہاں یوپی میں ایک جگہ ہے ’’گھوسی‘‘۔ وہاں کے ایک نہایت قابل فاضل تھے۔ انھوں نے دارالعلوم دیوبند میں دوران تعلیم ہمیشہ امتیازی حیثیت حاصل کی۔ پھر کچھ نوجوانوں کی دیکھا دیکھی وہ بھی مدینہ یونی ورسٹی پہنچ گئے۔ وہاں پڑھنا وڑھنا تو کچھ ہوتا نہیں ہے۔ برصغیر کے درس نظامی کی ساخت اور سانچہ ہی کچھ ایسا ہے کہ یہاں کا فارغ التحصیل عالم علوم دینی میں اتنی مہارت اور رسوخ کا حامل ہوتا ہے کہ اسے کہیں اور کچھ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ دنیا بھر میں اس نصاب کی کوئی مثال کہیں پیش نہیں کی جاسکتی ہے۔ بس ایک چل چلاؤ اور دنیا دیکھنے کا شوق ہے جو ہمارے طلبہ دوسروں کی دیکھا دیکھی عرب ممالک یونی ورسٹیوں میں پہنچ جاتے ہیں۔ یہ مولوی صاحب بھی وہاں پہنچ گئے۔ کچھ عربی کا شین قاف درست کیا، کچھ پوزیشنیں حاصل کیں اب وطن واپس آنا چاہتے تھے۔ سعودی حکومت نے ان کا وظیفہ مقرر کردیا تھا اور اب یہ خوش وخرم، کامیاب وکامران وطن لوٹ رہے تھے کہ وہ حادثہ پیش آگیا جس کی بنا پر یہ تالیف وجود میں آئی۔‘‘

حضرت گفتگو میں تجسس پیدا کرنے کے ماہر تھے۔ یہاں تک پہنچ کر دم بھر کو رکے، پھر بات آگے بڑھائی:

’’ہوا کچھ یوں کہ جب ان کے کاغذات آخری دستخط کے لیے سعودی آفیسر کی میز پر پہنچے تو اس نے ان کو بلا کر پوچھا کہ ’تم کون ہو؟‘ انھوں نے کہا کہ ’الحمدللہ دیوبندی ہوں‘۔ اس کی میز پر اس زمانہ میں تازہ تازہ چھپی ہوئی کتاب ’’الدیوبندیۃ‘‘ رکھی تھی۔ اس میں علمائے دیوبند کے خلاف ایسا بے سروپا مواد جمع کیا گیا تھا اور ایسے بے جا رکیک الزامات لگائے گئے تھے کہ اس نے ان سے کہا: ’’تم مشرک ہو، قبوری ہو اور وثنی ہو۔‘‘ (قبوری۔ قبر پرست۔ وثنی۔ بت پرست) تمہارا وظیفہ منسوخ کیا جاتا ہے۔‘‘

یہ خاموشی سے اٹھ کر آگئے۔ باہر آکر یہ کتاب خریدی جو مجھ سے گفتگو کے وقت ان کے ہاتھ میں تھی اور مجھے بتلایا کہ اس کتاب میں ایسے بے جا الزامات ہیں کہ ان کا جواب دیتے ہوئے

بھی انسان شرماتا ہے۔ یہاں سعودی میں ایک خاص طبقہ اس پر خوب بغلیں بجا رہا ہے۔ ہمارے ساتھی ان کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے کتراتے ہیں کہ خدا جانے کیا فتنہ ہو جائے؟''

یہاں تک پہنچ کر حضرت پھر رک گئے۔ ان کی گفتگو سے سماں بندھ چکا تھا۔ ایک تو لہجہ خوبصورت، دوسرے نستعلیق قسم کی اردو، تیسرے آپ بیتی سنانے کا مخصوص انداز۔ سب پر محویت کا عالم طاری تھا۔ حضرت پھر گویا ہوئے:

''مجھ سے رہا نہ گیا۔ ان سے کتاب لی اور سیدھا گھر چلا آیا۔ مجھے اس وقت وہم وگمان بھی نہیں تھا کہ میں اس کا جواب لکھوں گا۔ وہ جواب ان کے پرخچے اڑائے گا اور سعودی عرب اور خلیجی ممالک سے اس کے پھیلائے ہوئے جراثیم کا نہ صرف صفایا کر ڈالے گا بلکہ تاریخی شہرت پا جائے گا۔ میں نے کتاب دیکھنی شروع کی۔ خدا کی پناہ! علمی بددیانتی اور تحقیقی خیانت کی کوئی حد بھی ہوتی ہے۔ میں کتاب پڑھتا گیا اور حیران ہوتا گیا کہ ''اصحاب توحید''، ''عاملین بالحدیث'' اس حد تک گر بھی سکتے ہیں؟ ایک عجیب بات یہ ہوئی کہ میں جس کتاب سے حوالے کی مراجعت کرنا چاہتا، وہ کم یاب ہونے کے باوجود معمول کے خلاف جلد ہی ہاتھ لگ جاتی۔ اپنے کتب خانے کی الماریوں کے قریب سے گزرتا تو کتابوں کی قطار میں وہ کتابیں گویا جھانک جھانک کر مجھے تاکتیں اور اپنی طرف متوجہ کرتیں جن سے کوئی مفید بات ہاتھ لگ سکتی ہے۔ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ کوئی اس کا جواب لکھنے پر مجھے ابھار رہا ہے۔ میں نے قلم ہاتھ میں لیا تو وہ بگٹٹ بھاگتا چلا گیا۔ دماغ میں ابھی پوری طرح سوچ آ بھی نہیں پائی ہوتی کہ قلم کھینچ کھینچ کر اسے کاغذ پر منتقل کرتا چلا جاتا۔ تین مہینے بھی نہ گزرے تھے کہ عربی میں کتاب تیار ہو گئی اور ایک ایسے شخص کے ہاتھوں ہوئی جو اس میدان کا شناور ہی نہ تھا۔ نام بھی مجھے خوب سوجھا: ''وقفة مع اللامذهبية'' (کچھ دیر غیر مقلدوں کے ساتھ) میں سمجھتا ہوں کہ یہ محض اللہ کا فضل وکرم ہے کہ وہ کمزوروں سے ایسے کام لے لیتا ہے جن کا تصور بھی وہ نہیں کر سکتے۔''

سب سامعین کو یہ یقین تھا کہ یہ حضرت کی تواضع ہے ورنہ عربی زبان پر ان کی گرفت کے ساتھ تحقیق وتدقیق میں جیسی دسترس ان کو حاصل ہے، معاصرین میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔

''جب علمائے دیوبند پر الزامات کا پلندہ ''الدیوبندیة'' کی شکل میں آیا تو کچھ حضرات

سعودیہ میں مقیم فضلا کو کہتے سنے گئے کہ اس کا جواب ان کو وہاں سے لکھنا چاہئے۔ جب کہ سعودیہ میں مقیم حضرات وہاں سے اس کتاب کے نسخے پر نسخہ بھیجتے کہ یہاں سے اس کا جواب لکھا جائے۔ یہ کشمکش زوروں پر تھی کہ میں اپنی کتاب کا مسودہ لے کر شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی علیہ الرحمہ کے صاحبزادے اور جانشین حضرت مولانا سید اسعد مدنی رحمہ اللہ تعالی کی خدمت میں جا پہنچا۔ روداد سنائی اور کتاب پیش کی۔ حضرت دیکھ کر متعجب ہوئے اور فرمایا کہ ابھی حضرت مہتمم صاحب حضرت مولانا مرغوب الرحمان صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند تشریف لاتے ہیں، ان کو دکھا کر مشورہ کرتے ہیں۔ میں نے عرض کی: ''حضرت! میں اپنے حصہ کا کام کر چکا، اب آگے کا مشورہ وغیرہ آپ ہی کیجئے اور دعاؤں کے ساتھ اجازت دیجئے۔'' میں مصافحہ کر کے چلا آیا۔ کتاب دیکھی گئی تو پسند آئی۔ پہلا ایڈیشن اگر چہ طباعت کے لحاظ سے معیاری نہ تھا لیکن ہاتھوں ہاتھ لیا گیا اور اثر پذیری کا یہ عالم کہ ''الدیوبندیۃ'' کی اشاعت پر خوشی سے بغلیں بجانے والے حضرات یہ کہتے ہوئے سنے گئے کہ: ''ہم نے الدیوبندیۃ چھاپ کر نہایت غلطی کی۔'' اس کتاب کی تصنیف و مراجعت کے دوران ایک اور کتاب خود بخود ساتھ ساتھ تیار ہوگئی ''مسائل غیر مقلدین۔'' پہلی کتاب دندان شکن جواب تھی تو یہ جارحانہ اقدام کہلائی۔ دونوں کو بہت شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی۔ ملک کے نامور ادیب مولانا ابن الحسن عباسی صاحب کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: ''عربی سے اردو ترجمہ آپ کے ہاں سے ابن الحسن عباسی صاحب نے'' کچھ دیر غیر مقلدین کے ساتھ'' کے نام سے کیا۔ خوب کیا اور خوب چلا۔ (عباسی صاحب محفل میں تشریف فرما تھے۔ سن کر زیر لب مسکراتے رہے)

کچھ عرصے بعد اس مخصوص طبقے نے پینترا بدلا اور پروپیگنڈا شروع کیا کہ میری کتاب میں دیے گئے حوالے درست نہیں۔ لوگوں نے مجھ سے سوالات شروع کر دیے۔ میں نے انھیں بہتیرا سمجھایا کہ یہ انھیں سے پوچھا جائے کہ کس صفحے کا کون سا حوالہ درست نہیں ہے؟ میں کیا پوری کتاب کے ایک ایک حوالے کی وضاحت کرتا رہوں گا؟ لوگوں نے مان کے نہ دیا تب میں نے مجبور ہو کر ''صور تنطق'' (بولتی تصویریں یا بولتے عکس) کے نام سے تیسری کتاب لکھی اور اس میں تمام حوالوں کا عکس چھاپ دیا۔ اب گویا پوری لائبریری ہر ایک کے ہاتھ میں آگئی۔ جو چاہے

تسلی کرے اور جو چاہے مخالفین کا کامیاب تعاقب کرے۔اب تو میں جہاں جاتا لوگ مجھے ''مناظر اسلام'' کا خطاب دیتے۔حالاں کہ میں نے ایک مناظرہ بھی نہ کیا تھا۔اس پر میں نے یہ طریقہ شروع کر دیا کہ پہلے آدھا گھنٹہ بیان کرتا پھر آدھا گھنٹہ حاضرین کو سوالات کا موقع دیتا۔یہ طریقہ بہت مقبول ہوا۔بہت سے لوگوں کی اصلاح ہوئی۔بہت سوں کو حنفیت،احناف اور فقہ حنفی کی حقانیت پر کامل ایمان نصیب ہوا۔جو ان شاء اللہ میرے لیے صدقہ جاریہ ہے۔اب پورے خلیج میں میری یہ کتابیں گھر گھر پڑھی جاتی ہیں اور مخالفین کے پھیلائے ہوئے زہر کے تریاق کا کام دیتی ہیں۔''

حضرت کے ٹھہر ٹھہر کے بولنے کا انداز،ہندوستانی حضرات کے لب ولہجہ کا مخصوص رچاؤ روداد کی دلچسپی اور افادیت،سمندری ہوا کے خوشگوار جھونکے،سمندر کی اٹھکیلیاں کرتے موجوں پر جمی محفل۔سچ پوچھئے تو لطف ہی آ گیا۔

''اس کے بعد میں نے اس موضوع کو آگے بڑھاتے ہوئے مزید کتابیں لکھیں۔میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالی نے اکابر سے عقیدت ومحبت کے صدقے یہ موضوع میرے لیے آسان کر دیا ہے۔''

قارئین کرام! آپ کو یقیناً اشتیاق ہوگا کہ آپ اس شخصیت کا نام جانیں۔آپ میں سے بہت سوں نے تو اس مضمون کے ساتھ لگے سرورق سے ان کا نام تو پڑھ بھی لیا ہوگا۔جی ہاں! ان کا نام نامی حضرت مولانا محمد ابوبکر غازی پوری ہے۔جو ایک مخصوص طبقے کی طرف سے علمائے دیوبند اور احناف پر اعتراض کا ترکی بترکی جواب دینے میں ہندوپاک میں بہت بڑا نام سمجھے جاتے ہیں۔حضرت گزشتہ ہفتے انڈیا سے پاکستان تشریف لائے تو متعدد محفلوں میں ان سے فیض یاب ہونے کا موقع ملا۔غازی پور کے تو وہ ہیں ہی،ماشاء اللہ تن وتوش سے بھی وہ غازی معلوم ہوتے ہیں۔بے تکلفی،برجستہ گوئی اور خوش مزاجی تو آپ پر ختم معلوم ہوتی تھی جس کی بنا پر حضرت کی صحبتیں یادگار رہیں گی۔اللہ تعالی حضرت کے فیض کو عام وتام فرمائے۔آمین



ماخذ۔بولتے نقشے:ص۴۶۳

حضرت مولانا غازی پوری اور جامعہ ڈابھیل
کچھ یادیں، کچھ باتیں

مولانا محمد عرفان صاحب مالیگاؤں
یکے از خدام جامعہ ڈابھیل

ایک عربی شاعر کہتا ہے:

سبقنا الی الدنیا فلو عاش أهلها منعنا بها من جيئة وذهوب

ہم سے پہلے بھی دنیا میں بہت سے لوگ آچکے ہیں، اگر موت نہ ہوتی اور وہ سب لوگ دنیا میں ہی باقی رہتے تو ہمارے لیے دنیا میں جگہ نہ ہوتی اور ہمیں دنیا میں آنے سے روک دیا جاتا۔

حضرت مولانا ابوبکر غازی پوری اپنی وفات سے تقریباً دو مہینہ قبل حسبِ معمول جامعہ ڈابھیل تشریف لائے تو ان کی دل موہ لینے والی باتوں، ظرافتوں، چٹکلوں اور آپ کی ہمہ جہت سرگرمیوں کو دیکھ کر کوئی یہ خیال نہیں کرسکتا تھا کہ مولانا اب اتنی جلد ہم سے رخصت ہوجائیں گے۔ اور یہ کہ مولانا کی جامعہ ڈابھیل میں یہ تشریف آوری زندگی کی آخری زیارت وملاقات ہے۔

مولانا غازی پوری کی شخصیت اتنی دل آویز تھی جسے لفظوں میں بیان کرنا مشکل ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ مولانا کے پاس کوئی جادوئی چھڑی تھی جسے وہ گھماتے اور ہر وارد وصادر کو اپنا گرویدہ بنالیتے۔ خود بندہ راقم الحروف کا یہ حال تھا کہ اگر معلوم ہوجائے کہ مولانا غازی پوری صاحب مدرسہ تشریف لے آئے ہیں تو جب تک ملاقات نہ ہوجائے، کسی کام میں جی نہ لگتا تھا۔ اور جب آپ سے ملاقات کے لیے حاضر ہوتا تو اس وقت تک ساتھ نہ چھوٹتا، جب تک مولانا سامان سمیت

رخصت ہو کر کسی اور جگہ کے لیے روانگی نہ ڈال دیں۔

حضرت مولانا جامعہ میں کیا آتے ! ایسا لگتا جیسے موسم بہار آ گیا ہے، دل کی کلیاں کھل جاتیں، کیا اساتذہ، کیا طلبہ،سب پروانہ وار آپ پر ٹوٹ پڑتے۔علمی سوال و جواب اور علمی مباحث کا ایک سلسلہ چل پڑتا۔کوئی کتابوں میں مشکل عبارت پر نشان لگا کر لا رہا ہے،کوئی دورانِ مطالعہ کھٹکنے والے اشکال کو تازہ کر کے حضرت کی قیام گاہ کی طرف لپک رہا ہے۔کسی کو فن تاریخ سے متعلق کوئی الجھن ہے تو اپنی الجھن کو دور کر رہا ہے۔کوئی صاحب حدیث،فن حدیث اور محدثین کرام کے بارے میں گہری اور دقیق معلومات حاصل کر رہے ہیں۔النادی العربی سے تعلق رکھنے والے باذوق طلبہ موقع کی تلاش میں ہیں کہ کب حضرت سے عربی میں گفتگو کریں،اوران کی عربی ظرافت لسانی کا مزہ پائیں اور اگر گنجائش ہو تو حضرت کی زیرِ صدارت عربی اجلاس کا انعقاد کریں۔

ادھر حضرت کا حال یہ کہ ہر آنے والے، ملنے جلنے والے پہ علمی معلومات کے موتی اور لعل و جواہر بکھیر رہے ہیں۔ہر ایک کے حسبِ حال اور حسبِ مراتب جوابات سے مطمئن کر رہے ہیں۔اگر مجلس میں سب خاموش ہو جائیں تو خود سوال کریں،سوالات بھی بڑے انوکھے اور نرالے! مثلاً:''بخاری شریف کو'اصح الکتب بعد کتاب اللہ تعالیٰ' کب اور کہاں کہا گیا؟ 'اصح الکتب بعد کتاب اللہ تعالیٰ' کس نے سب سے پہلے کہا؟ بخاری شریف میں ضعیف روایت کتنی ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔'' اور جب سوال کا جواب نہ آئے تو پھر جواب بھی خود دیں، اور ایسا تشفی بخش کہ معمولی استعداد کا طالب علم بھی باغ باغ ہو جائے۔بوریت اور اکتاہٹ کا آپ کی مجلس میں گذر ہی نہیں تھا۔

حضرت مولانا غازی پوری جب ڈابھیل تشریف لاتے تو ایسا لگتا جیسے کہ ایک نہایت ہی مشفق و محسن باپ ہے جو طویل سفر کے بعد اپنے گھر واپس لوٹا ہو، اور اپنے بچوں کے لیے ڈھیر ساری مٹھائیاں اور کھلونے لے کر آیا ہو۔اور کیوں نہ ہو؟ حضرت مولانا نے جامعہ ڈابھیل میں (۱۳۹۳ھ تا ۱۴۰۲ھ) تقریباً دس سال رہ کر شمع تدریس کو روشن رکھا،جس میں ابتدائی ومتوسط درجہ کی کتابوں سے لے کر دورۂ حدیث میں طحاوی شریف تک کا درس دیا۔متعدد کتابیں یہاں رہ کر تصنیف کی۔جامعہ کا ایسا دل فریب اور مست کر دینے والا 'ترانہ' تیار کیا کہ اب تک جامعہ کا ذرہ ذرہ اس کی نغمگی سے سرشار ہے، اور مدتوں رہے گا۔ایسا لگتا ہے کہ خود مولانا غازی پوری کو جامعہ

ڈابھیل سے بہت زیادہ عشق تھا۔ چنانچہ جامعہ کے اکابر حضرت مہتمم صاحب، حضرت قاری احمد اللہ صاحب، حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب، حضرت مولانا واجد حسین صاحب اور دیگر ہم عصر اساتذہ سے ملتے تو جانبین سے ایسی وارفتگی اور جانثاری کا اظہار ہوتا کہ دیکھنے والوں کو بھی مزہ آجاتا۔

مولانا غازی پوری کے قیام کے دوران حضرت مفتی احمد خانپوری دامت برکاتہم، حضرت قاری احمد اللہ صاحب اور دیگر اکابر اساتذہ تمام تر مصروفیتوں اور مشغولیتوں کے باوجود مولانا سے ملنے مہمان خانہ میں آتے، دیر تک گفتگو کرتے، پرانی یادوں کو تازہ کرتے، شریک دسترخوان ہوتے۔اسی طرح حضرت مولانا غازی پوری صاحب خود بھی اپنے تمام تر بڑھاپے کے باوجود مفتی صاحب سے ملنے دارالافتا میں پہنچتے، ان کی معاصرانہ، بےتکلف باتوں سے ہم خدام بھی خوب محظوظ ہوتے۔

ابھی حالیہ تشریف آوری کے موقع کی ہی بات ہے، حضرت قاری احمد اللہ صاحب نے فرمایا: ’’مولانا! آپ اتنا لمبا لمبا سفر اکیلے کیوں کرتے ہیں؟ کسی کو ساتھ کیوں نہیں رکھ لیتے؟‘‘ مولانا نے فرمایا: ’’ارے قاری صاحب! مجھے آپ کی طرح نہ شوگر کی بیماری ہے، نہ بلڈ پریشر ہے، نہ مجھے انسولین لینا پڑتا ہے، نہ مٹھی بھر بھر کے دوائیاں کھانا ہے، نہ کوئی پرہیز ہے۔ پھر مجھے اپنے ساتھ خادم رکھنے کی کیا ضرورت ہے؟‘‘ اس طنزیہ اور مزاحیہ جواب کے بعد آپ نے فرمایا: ’’بات دراصل یہ ہے کہ میں دورانِ سفر جہاں جاتا ہوں، اکثر اپنے کسی شاگرد یا چاہنے والے کے مکان پہ قیام کرتا ہوں، جہاں اہلِ خانہ سے میرا کوئی تکلف نہیں رہتا۔ اگر کسی کو ساتھ رکھوں تو پھر اس ساتھی کی وجہ سے خود اسے بھی اور اہل خانہ کو بھی تکلف برداشت کرنا پڑے گا۔‘‘

ایک مرتبہ حضرت مفتی صاحب سے ملاقات کے لیے دارالافتا پہنچے، علیک سلیک، خیر خیریت کے بعد کچھ تذکرہ مدارس کی زبوں حالی کا ہوا، تو مولانا نے فرمایا: ’’**انتقل العلم من تلک المنطقة الی منطقة غجرات.**‘‘ علم یوپی وغیرہ کے علاقوں سے منتقل ہوکر گجرات میں آ گیا ہے۔ حضرت مفتی صاحب نے فرمایا ’’تو پھر بُڑھیا کو لے کر یہیں آجائیے، اور یہاں رہ کر کام کیجئے۔‘‘ اس پر آپ نے زوردار قہقہہ لگایا اور خاموش ہوگئے۔

حضرت مولانا غازی پوری ڈابھیل تشریف لائیں اور پھر مہتمم صاحب کے دولت کدے

پر شاندار پُرتکلف ضیافت نہ ہو، یہ بہت مشکل تھا۔ اس بابرکت ''بزرگ'' خانوادے سے حضرت مولانا کا جو قلبی اور والہانہ تعلق تھا، وہ بھی اپنی مثال آپ تھا، جن کا ذکرِ شیریں خود حضرت مولانا نے اپنی تحریروں میں اور خصوصاً ''زمزم'' کے کئی شماروں میں قسط وار شائع ہونے والے مضمون ''گجرات کا یادگار سفر'' میں بڑے دل چسپ پیرائے میں بیان فرمایا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت مولانا غازی پوری کا ذکرِ خیر جامعہ ڈابھیل کے تذکرے کے بغیر اور جامعہ کی تاریخ مولانا کے تذکرے کے بغیر نہ صرف ادھوری، بلکہ بے مزہ اور پھیکی رہے گی۔ یہی وجہ ہے کہ استاذِ محترم مفتی عبدالقیوم راجکوٹی صاحب نے آپ کے ایک شعر کو آپ ہی کے حق میں معمولی تغیر کے ساتھ یوں بیان فرمایا ہے:

یہ ہیں انور کی سچی نشانی
کب ملے گا ہمیں ان کا ثانی

حضرت مولانا غازی پوری کی جامعہ ڈابھیل سے وابستہ یادیں اور باتیں بے شمار ہیں۔ ایک موقع پر عصر کی نماز کے بعد جامعہ کی مسجد کے قبلہ رخ والے گارڈن میں مجلس جمی، موقع پا کر راقم نے عرض کیا: ''حضرت! آپ کے ''زمزم'' رسالے میں ''خمارِ سلفیت'' کے عنوان سے لکھنے والے یہ طٰہٰ شیرازی کون صاحب ہیں؟'' تو کہنے لگے: " هو رجل، صالح، كاتب، متدين." اسی طرح ایک ایک لفظ ٹھہر ٹھہر کر بولتے رہے، ہم خدام حیرت سے منھ تکتے رہے تھے، اور کچھ نہ سمجھے۔ جب آپ خاموش ہو گئے تو استاذِ محترم مفتی محمود بارڈولی نے لقمہ دیا: " أمامكم." '' آپ کے اس لاحقے پر زوردار قہقہہ لگا، اور اگر استاذِ محترم یہ لاحقہ نہ لگاتے تو ہم جیسے کور چشموں کے لیے یہ بات پردۂ خفا ہی میں رہتی کہ اس اچھوتی تحریر کے قلم کار بھی آپ ہی ہیں۔

پیرانہ سالی کے باوجود حضرت مولانا غازی پوری کے لکھنے پڑھنے کے شوق و لگن کی حرص کرنا اچھے اچھے جوانوں کے بھی بَس کی بات نہیں تھی۔ طویل طویل مضامین کو ایک نشست میں مکمل فرما لینا، اور پھر مضمون بھی ایسا دقیق اور علمی دلائل سے بھرپور کہ قاری جھوم اٹھے، یہ آپ ہی کا حصہ تھا۔ راقم نے خود آپ کی زبانی سنا کہ کبھی ایسا بھی ہوا کہ میں پوری پوری رات قلم چلاتا رہا۔ ردِّ غیر مقلدیت اور فرقِ باطلہ کے خلاف بعض کتابیں آپ نے صرف ایک ہفتہ میں تصنیف فرما کر شائع

کردیں۔آپ کی زبانی وقلمی جہاد کی داستان بھی بڑی پُرشوق اور خوابیدہ وخفتہ جذبات کو مہمیز لگانے والی ہے۔ان سب دینی وعلمی کاموں کے ساتھ،آپ کا ذوقِ عبادتِ خداوندی اور اللہ اور اس کے رسول سے عشق ومحبت کا معاملہ بھی قابلِ رشک ہے۔سردی گرمی کی پرواہ کیے بغیر،ہر موسم میں صبح صادق سے بہت پہلے اٹھنا،انڈے کے ساتھ بریڈ کا ایک ٹکڑا اور چائے پی کر تہجد اور ذکر واذکار میں مشغول ہوجانا،ہمیشہ آپ کا معمول رہا۔اس خوف وخشیت کا نتیجہ تھا کہ آپ ''آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بے باکی'' کا لبادہ ہمیشہ زیب تن کیے رہے۔دیوبندیت اور قاسمیت آپ کے انگ انگ میں رچی بسی تھی۔اہلِ حق کے دفاع میں ہر کسی سے بھڑ جاتے تھے،مداہنت،چاپلوسی اور ''نیمے دروں ونیمے بروں'' کو ہرگز برداشت نہ کرسکتے تھے۔لیکن اپنے سے روٹھ جانے والوں کو منانا بھی انھیں خوب آتا تھا،جس کی کئی مثالیں راقم کے علم میں ہیں۔لیکن بات دراز ہوجائے گی۔ سردست حضرت مولانا کی ان ہی باتوں کا تذکرہ مقصود ہے جن کا تعلق جامعہ ڈابھیل سے ہے، تاہم وہ بھی اتنی زیادہ ہیں کہ صرف ایک مضمون میں ان کا سمیٹنا دشوار ہے۔آخر میں حضرت ہی کے ایک شعر کو معمولی تبدیلی کے ساتھ ذکر کر کے بات ختم کرتا ہوں:

تو نے قرآن و سنت کو زندہ کیا　　تو نے شمعِ نبوت کو روشن کیا
تجھ پہ تن من فدا، اے مرے غازیا!　　خدمتِ قوم و ملت کو مقصد کیا



رفتی واز رفتن تو عالمے تاریک شد

مولانا غلام نبی پرے۔سری نگر کشمیر

مجلّہ ''المآثر'' ۲۰۱۲ء کا پہلا شمارہ زیرِ مطالعہ تھا، ورق گردانی کے دوران وفیات پر نظر پڑی تو مرحومین میں مولانا ابوبکر غازی پوری کا تذکرہ دیکھا۔روح فرسا خبر پڑھ کر قلب وجگر پر بجلی گری کہ مولانا ۸؍فروری ۲۰۱۲ء کو وفات پا گئے۔

مرحوم کی مؤلفات کے ذریعہ راقم الحروف بہت پہلے سے حضرت کے اسم گرامی سے آشنا تھا،ان کی وفات کے قریباً چھ مہینے قبل ان سے فون پر بھی ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا تھا۔ان کی بارُعب آواز اور لب ولہجہ سے متعارف تھا،''زمزم'' کے بارے میں تفصیل سے بات ہوئی تھی۔

راقم الحروف کے متنوع کتب خانے میں جہاں حضرت مرحوم کی تصنیفات موجود ہیں، وہیں ''تقلید کے موضوع'' پر ہمارے شہر سری نگر میں ایک ادارے میں کی گئی مفصل تقریر کی ایک کیسٹ (Cassette) بھی موجود ہے۔(والحمد للہ)جس میں تقلید کی ضرورت واہمیت بیان کی گئی ہے اور غیر مقلدین کے اعتراضات کے جوابات مدلل طریقے پر دیے گئے ہیں۔امکانی حد تک ہر گوشے اور مالہ وماعلیہ پر مکمل روشنی ڈالی گئی ہے۔

کل نفس ذائقة الموت کی حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا،البتہ **''موت العالم موت العالم''** کا روح فرسا منظر بھی نا قابلِ فراموش ہے۔امام العصر علامہ انور شاہ کشمیری کی رحلت پر شاعرِ مشرق نے جو تعزیتی جلسہ منعقد کیا تھا،اس میں انھوں نے برجستہ یہ شعر کہا تھا:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

راقم الحروف نے دورانِ تعلیم یہ بات سنی ہے کہ ''القرآنُ نُزِلَ فی الحجازِ، وقُرِئَ فی مصرَ، وفُهِمَ فی الهندِ'' اگر حجاز مہبطِ وحی ہے تو مصر میں اس وحی کی بہترین تلاوت ہوتی ہے، اور ہندوستان میں اس وحی قرآنی کو بہترین طریقے پر سمجھا جاتا ہے۔ برصغیر پاک وہند کے اعیان پر نظر پڑتی ہے تو اس مقولے کی تفسیر خود بخود سامنے آجاتی ہے۔ بلا مبالغہ ان اعیانِ علم میں مولانا ابوبکر غازی پوری کا اسم گرامی بھی ہے۔ قریباً ایک صدی سے اعتماد علی السلف کے خلاف برصغیر میں جو بادِ سموم چلی ہے، کئی عزم صمیم رکھنے والے علما کوہِ ہمالیہ بن کر اس کا رُخ موڑنے میں کامیاب ہوگئے ہیں اور احترام سلف کے جھنڈے لگانے میں ان کا اہم کردار ہے۔ ان میں مولانا غازی پوری کا نام سنہرے حروف سے لکھا جائے گا۔ خوب کہا گیا ہے:

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا، اے عقاب!
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اُڑانے کے لیے

نبوت کاذبہ کا مرحلہ آیا تو محدثِ کشمیری سرخیل بن کر آئے۔ انگریزی راج کو ختم کرنے کے لیے اسیرِ مالٹا شیخ الہند کی قربانیاں آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ توحید وسنت کے شیریں شراب کو شرک و بدعت سے مسموم کرنے کی کوشش کی گئی تو حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی میدان میں کود پڑے اور فاتح بن کر لوٹے۔ آریہ سماجیوں کی طرف سے ناموسِ رسالت کو پامال اور شبیہ محمدی ﷺ کو داغ دار کرنے کی مذموم کوشش ہوئی تو حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی، محمد رسول اللہ ﷺ کے دفاع کے لیے سپاہی بن کر آئے۔ ماضی قریب کے ہندوستان کی تاریخ ان حقائق سے مملو ہے۔ ابھی چند سال سے غیر مقلدیت اور سلفیت کے نام سے جو سلف مخالف نظریات نے بال و پر نکالے ہیں اور تحقیق کے نام پر تنقیص وتنقید ائمۂ ہدیٰ کی جو تحریک چل رہی ہے، جس میں خاصا دخل عرب سے آنے والی رقومات کا ہے۔ خوب کہا ہے کسی نے:

یہ بلڈنگ جو تم کو نظر آرہی ہے ۔۔۔ اداؤں پہ اپنی جو اترا رہی ہے
اگر اس کے گملے کے پھولوں کو سونگھو ۔۔۔ تو پٹرول کی اس سے بُو آرہی ہے

اربابِ علم وفضل نے ''الدین النصیحة'' کے زریں فرمانِ نبوی ﷺ کی روشنی میں ان حضرات کو سمجھانے کی کوشش کی اور سبیل المومنین سے انحراف کے خطرے سے آگاہ کیا لیکن پذیرائی

ندارد۔

مولانا ابوبکر غازی پوری امت کے دیگر علما کی طرح فہمِ سلف کو معتبر قرار دیتے تھے اور نئے ذہن کی خودساختہ تشریحات سے متنفر تھے۔ مولانا انوار خورشید صاحب کی کتاب ''حدیث اور اہلِ حدیث'' کے مقدمے میں راقم الحروف نے جب یہ بات پڑھی کہ ''ایک بھنگی متحدہ عرب امارات سے کچھ عربی زبان سیکھ کر آیا تو پاکستان آ کر امام اعظم کو دعوت مناظرہ دی۔'' میرے پاؤں تلے زمین کھسک گئی، یا اللہ! یہ کیا ہو رہا ہے؟ ان جیسے بے شمار واقعات سے متأثر ہو کر حضرت مولانا چیخ اٹھے اور غیر مقلدیت کے ایوانوں میں زلزلہ پیدا کر کے ہی دم لیا۔ کسی آدمی نے ''الدیوبندیہ'' نامی کتاب میں، علمائے دیوبند کو مشرک اور بدعتی (العیاذ باللہ) ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی اور عرب حضرات کو گمراہ کرنے کی سعی لا حاصل کی۔ ''وقفة مع اللامذهبية'' اور ''وقفة مع معارضي شيخ الاسلام'' جیسی محقق اور مدلل کتابیں لکھ کر آسمانِ دیوبندیت کو غیر مقلدین کے پیدا کیے ہوئے گرد و غبار سے آلودہ ہونے سے بچالیا اور 'ازہر ہند' کی نورانی صورت کا مفصل تعارف کرایا۔ مولانا محمد امین صفدر اکاڑوی نے جہاں اپنے وسیع علم اور اخلاص سے غیر مقلدیت کی کمر توڑ دی تو وہیں مولانا ابوبکر غازی پوری کے سیّال قلم نے سلف بیزار تحریک کے دانت کھٹے کر دیے اور علم کی بارگاہ میں ان کو گھٹنے ٹیکنے کے لیے مجبور کر دیا۔

المیہ یہ ہے کہ غیر مقلدین حضرات کبھی صاحبِ ہدایہ جیسے فقیہ اور صاحبِ درِّ مختار جیسے قانونی ماہر اور فتاویٰ عالم گیری کے مرتبین عظام کے خلاف اپنی کتابوں میں زہر افشانی کرتے ہیں، حالانکہ علمی دنیا میں ہمیشہ ان کتابوں اور ان کے مصنفین نے اپنا لوہا منوایا ہے۔ امام اعظم جیسے عظیم محدث و فقیہ اور قاضی ابو یوسف جیسے قاضی القضاۃ اور امام محمد جیسے کہنہ مشق محقق و مصنف کے خلاف ان کی تحریروں میں جو جھوٹ لکھا ہوتا ہے، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ ان تمام اکاذیب کو مولانا مرحوم نے ان کے اندرونِ خانہ سے نکال کر غیر مقلدین کا اصلی چہرہ لوگوں کے سامنے کر دیا۔

۲۰۰۰ء کے اکتوبر یا نومبر میں راقم الحروف ریاست کے گرمائی دارالخلافت سری نگر میں ایک کتب فروش کے وہاں کتابوں کی ورق گردانی کر رہا تھا، تبھی ایک خانے (Rack) میں لگی کتابوں پر نظر پڑی تو دیکھا کہ سرورق پر مولانا ابوبکر غازی پوری کا نام نامی مرقوم ہے۔ ان کتابوں

میں ''آئینۂ غیر مقلدیت''، ''غیر مقلدین کے لیے لمحۂ فکریہ''، ''مسائل غیر مقلدین'' اور ''سبیل الرسول پر ایک نظر''۔ میں نے اسی وقت خرید لیں۔ چونکہ راقم الحروف سنِّ شعور سے ہی مسلکِ اعتدال سے متأثر رہا ہے اور علمائے احناف بالخصوص علمائے دیوبند (کثر اللہ جماعتہم) کی اسلام کے متعلق معتدل تشریحات نے میری دینی راہ متعین کردی ہے۔ بدقسمتی کے ساتھ جہاں کئی اسلام مخالف نظریات برِّصغیر کی پیداوار ہیں، وہاں غیر مقلدیت کی جائے پیدائش بھی برِّصغیر ہی ہے اور یہ شجرِ بےثمر بھی یہیں پروان چڑھا۔ ''زمزم'' کے شماروں میں حضرت مرحوم نے جو علم کے دریا بہادیئے ہیں، وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ راقم الحروف پہلی مرتبہ مستعار زندگی میں ''ارمغانِ حق'' میں آئی ہوئی کئی تحقیقاتِ نادرہ سے واقف ہوا، اور بےشمار غلط فہمیوں سے نجات ملی۔

مولانا مرحوم کی محقق طبیعت کا اندازہ ''ارمغانِ حق'' کے صفحات میں پھیلے ہوئے مضامین سے ہوتا ہے۔ راقم الحروف عرب کے چند نامور مصنفین سے ''ارمغانِ حق'' کے توسط سے ہی واقف ہوا، جنھوں نے شیخ البانی کے علم کے بھرم کو توڑ دیا اور ان کی خودستائی سے علمی دنیا کو روشناس کرایا۔ محدث کبیر علامہ حبیب الرحمٰن الاعظمیؒ کی کتاب ''الالبانی: شذوذہ وأخطاؤہ'' سے راقم الحروف ''ارمغانِ حق'' کی ورق گردانی سے ہی واقف ہوا۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

فقہائے اسلام خصوصاً امام علی بن ابی بکر برہان الدین مرغینانی 'صاحبِ ہدایہ' کے خلاف غیر مقلدین حضرات نے جو طوفان بدتمیزی برپا کیا ہے اور بزعمِ خود ہدایہ شریف کو قابلِ تنقید گردانا ہے، جس کی حقیقت پرِکاہ کی بھی نہیں ہے، محققین علما نے شرح وبسط کے ساتھ ان اعتراضات کا جواب دیا ہے۔ مولانا ابوبکر غازی پوری کی قبر کو اللہ نور سے بھردے، غیر مقلدین کے اکابر کی کتابوں کی تلاشی لے کر ان کے بیان کردہ مسائل کو لوگوں کے سامنے رکھ دیا، جنھیں دیکھ کر فطرتِ سلیمہ کو گھن آتی ہے۔ حضرت مرحوم نے ''مسائلِ غیر مقلدین: کتاب وسنت اور مذہب جمہور کے آئینے میں'' لکھ کر ان حضرات کے عمل بالحدیث کے پُرشور دعویٰ کو مدلل انداز میں غلط ثابت کردیا۔ ''غیر مقلدین کے لیے لمحۂ فکریہ'' عنوان سے کتاب ترتیب دے کر علمائے غیر مقلدین کو اپنے

مسائل پر نئے سرے سے غور کرنے کی دعوتِ فکر دی۔ مولانا محمد صادق سیالکوٹی کی کتاب ''سبیل الرسول'' کے مشتملات کو تحقیق کی کسوٹی پر جانچ کر سیالکوٹی صاحب کے علم کی قلعی کھول دی اور ''سبیل الرسول پر ایک نظر'' نام کی تحقیقی کتاب امت کے حوالے کر دی۔ ''صلاۃ الرسول پر ایک نظر'' میں ''صلاۃ الرسول'' نامی کتاب کی خامیوں کو وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا۔

اہل سنت والجماعت کا متفقہ عقیدہ ہے کہ صحابہ کرام ہمارے ایمان کا اہم حصہ ہیں اور انھیں تنقید کا نشانہ نہیں بنایا جاسکتا۔ مولانا سید عبدالمجید ندیم کے بقول 'تاریخ کو صحابہ کی عدالت میں پیش ہونا پڑے گا نہ کہ صحابہ کو تاریخ کی عدالت میں'۔ مولانا مرحوم نے ''مقام صحابہ۔ کتاب وسنت کی روشنی میں اور مولانا مودودی'' جیسی وقیع کتاب لکھ کر اسلام میں صحابہ کرام کی عظمت کو واضح کر کے دادِ تحسین حاصل کیا ہے۔ ''غیر مقلدین کی ڈائری'' اور ''کچھ دیر غیر مقلدین کے ساتھ'' جو دراصل ''**وقفة مع اللامذهبية**'' کا ترجمہ ہے، اور ''**وقفة مع معارضی شیخ الاسلام**'' جیسی مدلل کتابیں ترتیب دے کر غیر مقلدین کی اصلیت کو بے نقاب کر دیا۔ ''**وقفة مع معارضی شیخ الاسلام**'' کے مطالعے سے معلوم ہوجاتا ہے کہ تعلق زر کی بنیاد پر غیر مقلدین ہند نے عرب کے سلفی حضرات سے اپنا ناطہ جوڑ دیا ہے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اکابر علمائے غیر مقلدین وہابیت سے متنفر ہیں۔

'ارمغان حق' کے صفحات میں جو قیمتی جواہر موجود ہیں اور دلائل و براہین کے جو انبار مولانا مرحوم نے لگا دیے ہیں، ان سے ان کے دین سے گہری واقفیت کا پتہ چلتا ہے۔ ارمغان کی ورق گردانی سے ہی مجھے معلوم ہوا کہ اس پروپیگنڈے کی کوئی حقیقت نہیں ہے کہ صاحبین نے اپنے استاذ محترم امام اعظم کے ساتھ دو ثلث میں اختلاف کیا ہے۔ تاریخ وسیرت پر اتنی گہری نظر رکھنے والے لوگ دنیا میں کم ملتے ہیں۔ مولانا ابوبکر غازی پوری پر اللہ کی ہزاروں رحمتیں ہوں۔

بغور مطالعہ کرنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ غیر مقلدین کی تحریروں میں سوائے تنقیصِ ائمہ اسلاف کے کچھ نہیں ہے۔ خصوصاً ائمہ احناف (**کثر اللہ جماعتہم**) کے بارے میں ان کی تحریروں میں گالم گلوچ اور بے تکی باتیں ہوتی ہیں۔ مولانا مرحوم کی قبر کو اللہ نور سے بھر دے انھوں نے اسلاف کی طرف سے دفاع کا حق ادا کیا۔ اللہ سے دعا ہے کہ حضرت کے اخلاف میں بھی کوئی

رجل رشید پیدا ہو، جو اس مقدس مشن کو آگے بڑھائے۔ دل نہیں چاہتا کہ اس مضمون کو ختم کریں، کیوں کہ:

دامانِ نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار
گل چیں بہار تو ز دامان گلہ دارد

مولانا مرحوم کو اس دنیا سے رحلت کیے ہوئے ایک سال ہوا لیکن نہاں خانۂ دل میں صفحۂ قرطاس پر ہمیشہ محفوظ رہیں گے:

رفتم و از رفتن من عالمے تاریک شد
من مگر رفتم اگر بزم برہم ساختم

بارگاہِ صمدیت میں دعا ہے کہ وہ مولانا مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے:

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

رَحِمَهُ اللّٰهُ رَحْمَةً وَّاسِعَةً



عظمتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم
حضرت مولانا ابوبکر غازی پوریؒ کی تحریروں کی روشنی میں

حضرت مولانا مفتی محمد راشد صاحب اعظمی
استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

حضرت مولانا ابوبکر غازی پوری کو اللہ تعالیٰ نے دینی غیرت وحمیت سے بھر پور نوازا تھا، اسی دینی غیرت وحمیت کی وجہ سے ان کو دین اسلام کے بنیادی اساطین حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بے پناہ عقیدت ومحبت تھی۔ ان کی پوری زندگی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمتوں، کمالات اور قربانیوں کے لذیذ تذکروں اور ان کے معاندین، مخالفین اور ناقدین کے تعاقب میں صرف ہوئی۔ انھوں نے اپنی استطاعت بھر ہر موڑ پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دفاع کیا۔ انھوں نے تحدیثِ نعمت کے طور پر اپنے بارے میں لکھا اور بالکل سچ لکھا ہے کہ:

> ''اللہ کا میرے اوپر شروع سے یہ کرم رہا ہے کہ میرے دل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت و محبت ڈال دی ہے، میرے لیے قطعاً ناقابل برداشت بات ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت کو پامال ہوتے ہوئے دیکھوں اور میں خاموش رہوں۔ میں اس کا دفاع اپنی استطاعت بھر ہر طرح سے کرتا ہوں۔'' (مقام صحابہ، ص:۲)

مولانا نے اپنی تدریسی زندگی کی ابتدا میں جب وہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں تھے، ''مقام صحابہ: کتاب وسنت کی روشنی میں اور مولانا مودودی'' نام کی کتاب تحریر فرمائی۔ یہ کتاب ان کے پُرزور قلم کا شاہ کار ہے، چھپتے ہی ہاتھوں ہاتھ لی گئی۔ اکابر نے بڑی دعاؤں سے نوازا۔ مولانا

مودودی کی ’’خلافت وملوکیت‘‘ نے ان کے دل ودماغ میں ہلچل ڈال دی تھی۔ مودودی صاحب نے اپنی تمام ادبی صلاحیتوں اور انشاپردازیوں کو صحابہ کرام ﷡ پر تنقید اور ان کی تنقیص پر صرف کردی تھی۔ مولانا غازی پوری نے دفاع صحابہ کرام ﷡ پر قلم اٹھایا اور موضوع کا حق ادا کردیا اور ناقدین پر بخوبی واضح کردیا کہ قرآن وحدیث میں صفحہ صفحہ پر صحابہ کرام ﷡ کے فضائل ومناقب کے بیان کے بعد تمہاری خردہ گیریاں بے وقعت اور ناقابل اعتبار ہیں۔ مولانا نے قرآن کریم کی سینکڑوں آیات اور احادیث میں منتخب کرکے بیس آیات اور اتنی ہی احادیث سے صحابہ کرام ﷡ کے کمالات کا نقشہ پیش فرمایا ہے۔ پھر اس کے بعد علمائے امت کے صحابہ کرام ﷡ کے سلسلے میں نظریات بیان کیے ہیں، پھر مودودی صاحب کی کتاب ’’خلافت وملوکیت‘‘ سے اقتباسات نقل کرکے بتلایا ہے کہ موصوف کی پیش کردہ تصویر کتاب وسنت اور اکابر امت کی بیان کردہ صحابہ کرام ﷡ کی تصویر سے کس قدر متضاد اور متصادم ہے۔

کتاب کے شروع ہی میں صحابہ کرام ﷡ کے بارے میں مولانا غازی پوری کے یہ جملے کس قدر دل نواز، روح پرور اور ایمان آفریں ہیں!:

’’صحابہ کرام ﷡ نے جان کی بازی لگاکر، مال ودولت کو قربان کرکے، گھربار، وطن واعزہ سے اللہ کے لیے دست کش ہوکر دین کے پرچم کو بلند کیا اور اپنے خون سے چمنستانِ اسلام کی آبیاری کی۔ ہزار طرح کی مصیبتیں جھیل کر اللہ کے رسول کی تائید ونصرت کی، کلمۂ حق کا اظہار واعلان کیا اور اسلام کے آوازۂ حق سے قیصر وکسریٰ کے درودیوار ہلا دیے۔ خائب وخاسر دنیائے انسانیت کو پیغام فیروزمندی سنایا، انسانیت کاملہ، اخلاق وکردار، دین داری، تقویٰ، خلوص وللہیت، عدل وانصاف اور حق کے لیے جینے اور حق کے لیے مرنے کا وہ نمونہ پیش کیا، جس کی مثال چشمِ فلک نے نہیں دیکھی تھی۔ انھوں نے جو تعلیم درسگاہِ نبوت سے حاصل کی تھی اس کا کامل ومکمل نمونہ بن کر دنیا کو عدالت ودیانت کا سبق دیا تھا۔ وہ نبوت کے عکس کامل تھے، کتاب وسنت سے ان کو سچا عشق تھا، وہ بنصِ قرآنی اللہ کے محبوب مرضی تھے، رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کے طغرائے امتیاز سے وہ کامیاب وسرفراز تھے۔‘‘ (مقام صحابہ، ص:۱۹)

مولانا اپنی دوسری کتاب ’’صحابہ کرام کے بارے میں غیرمقلدین کا نقطۂ نظر‘‘ میں

آیات قرآنیہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کمالات کے جلووں کا کیسا حسین مرقع پیش کرتے ہیں:

''ان کے ہر فرد کے لیے اللہ نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔'' وکلاً وعد اللہ الحسنیٰ'' کا اعلان ان کے ہر فرد کے لیے ہے۔ گناہ و معصیت کے کاموں سے طبعی طور پر ان کو نفور تھا، قرآن پاک کا یہ ارشاد'' وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان، أولئک ھم الراشدون'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اسی مزیّت و خصوصیت بتلانے کے لیے ہے۔ اسی جماعتِ صحابہ کے بارے میں خدا کا یہ بجا ارشاد ہے:'' وألزمھم کلمة التقویٰ'' جس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہر فرد کا انتہائی درجہ متقی ہونا معلوم ہوتا ہے۔'' (ص:۳)

آیات قرآنیہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہر ہر فرد کے فضائل بیان کر کے مولانا نے ان افراد و طبقات کی تردید فرمائی جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نہ صرف یہ کہ ان کی کوئی فضیلت نہیں تسلیم کرتے بلکہ ان کی توہین و تحقیر کرتے ہیں۔ جیسا نواب وحید الزماں حیدر آبادی اپنی کتاب'' کنز الحقائق'' میں لکھتے ہیں:

''ویستحب الترضی للصحابة غیر ابی سفیان ومعاویة وعمرو بن العاص ومغیرة بن شعبة وسمرة بن جندب.'' (ص:۲۳۴)

ترجمہ: صحابہ کرام کے لیے رضی اللہ عنہ کہنا مستحب ہے مگر ابوسفیان، معاویہ، عمرو بن العاص، مغیرہ بن شعبہ اور سمرہ بن جندب (رضی اللہ عنہم) کو رضی اللہ عنہ کہنا مستحب نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بلا کسی استثناء کے سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو'' رضی اللہ عنہم'' کے تمغے سے نوازا ہے۔ لیکن نواب صاحب نے یہ مذموم جسارت کی ہے کہ چھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس تمغۂ ترضی سے الگ کر دیا۔

اسی طرح مولانا مودودی صاحب بھی عموماً تو سارے ہی صحابہ لیکن بطورِ خاص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں زیادہ جری ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھتے ہیں:'' مگر بدقسمتی سے خلیفۂ ثالث حضرت عثمان اس معاملے میں معیار مطلوب قائم نہ رکھ سکے۔'' (خلافت وملوکیت، ص:۹۹) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھتے ہیں:'' یہ اس بات کی کھلی علامت ہے کہ حضرت معاویہ

خونِ عثمان کا بدلہ قانون کے راستے نہیں، بلکہ غیر قانونی طریقہ سے لینا چاہتے تھے۔‘‘ (خلافت و ملوکیت، ص:۱۳۳) حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھتے ہیں: ’’یہ بات کر کے حضرت مغیرہ کوفہ آئے اور دس آدمیوں کو بیس ہزار درہم دے کر اس بات پر راضی کیا کہ ایک وفد کی صورت میں حضرت معاویہ کے پاس جائیں اور یزید کی ولی عہدی کے لیے ان سے کہیں۔ یہ وفد حضرت مغیرہ کے بیٹے موسیٰ بن مغیرہ کی سرکردگی میں دمشق گیا اور اس نے اپنا کام پورا کیا۔ بعد میں حضرت معاویہ نے موسیٰ کو الگ بلا کر پوچھا: ’تمہارے باپ نے ان لوگوں سے کتنے میں ان کا دین خریدا؟‘ انھوں نے کہا: ’تیس ہزار درہم میں۔‘ حضرت معاویہ نے کہا: ’تب تو ان کا دین ان کی نگاہ میں بہت ہلکا ہے۔‘‘ (ص:۱۴۹) حضرت عمرو بن العاص کے بارے میں مودودی صاحب لکھتے ہیں: ’’پھر حضرت عمرو بن العاص کے مشورے سے انھوں نے (حضرت معاویہ) یہ فیصلہ کیا کہ حضرت علی کو خونِ عثمان کا ذمہ دار قرار دے کر ان سے جنگ کی جائے۔‘‘ (ص:۱۳۷)

مولانا مودودی صاحب کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اس انداز کے تبصرے، مولانا غازی پوری کی غیرتِ ایمانی کب برداشت کر سکتی تھی؟ انھوں نے بطورِ خاص حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کیے۔ تاکہ مودودی صاحب کے قلم کی ترکتازیاں امت کے کسی فرد کے لیے ان حضرات سے سوءِ ظنی کا سبب نہ بن سکے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی دینی استقامت بیان کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں: ’’آپ کے چچا حکم بن العاص نے آپ کو جبر و تشدد کا نشانہ بنایا، رسّی سے باندھ دیا اور کہا جب تک تو اس دین سے واپس نہیں لوٹے گا، میں تجھے کھولوں گا نہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے صاف صاف جواب دیدیا: ’واللہ لاأدعہ أبداً ولاأفارقہ۔‘ خدا کی قسم! میں اس کو ہرگز نہیں چھوڑوں گا اور نہ اس سے الگ ہوں گا۔ (طبقات، ۳۸/۳) آپ کی استقامت کے سامنے حکم نے سپر ڈال دی اور آپ کو آزاد کرنا پڑا۔ ’فلما رأی الحکم صلابتہ فی الدین ترکہ۔‘ جب حکم نے دین کے سلسلے میں آپ کی یہ مضبوطی دیکھی تو اس نے آپ کو چھوڑ دیا۔ (مقام صحابہ، ص۱۵۱)

اسی طرح حضور کی صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی قدر و منزلت بیان کرتے ہوئے

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کرتے ہیں: ''ولو أن لی أربعین بنتاً زوجتهن عثمان واحدة بعد واحدة حتی لم یبق منهن واحدة.'' (اسد الغابہ،۳/۳۷۷)اگر میری چالیس لڑکیاں ہوتیں تو میں یکے بعد دیگرے عثمان کے نکاح میں دیتا رہتا، یہاں تک ایک بھی باقی نہ رہتیں۔(ایضاً ص:۱۵۳)

بیعتِ رضوان کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ قرار دیا تھا۔مولانا غازی پوری سیرت ابن ہشام کے حوالے سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی یہ شانِ ادب بیان کرتے ہیں: ''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس ہاتھ کا جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ قرار دیا تھا اس درجہ خیال رکھتے تھے کہ اس کو کبھی آپ نے استنجاء کے لیے استعمال نہیں فرمایا۔'' (ایضاً ص:۱۵۴)

فتوحات عثمانیہ کا نقشہ کھینچتے ہوئے مولانا تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا عہد بڑا مسعود و میمون تھا،فتوحات کا دروازہ وسیع سے وسیع تر ہوگیا اور مجاہدین اسلام آپ کے زمانے میں یورپ اور افریقہ تک گھستے چلے گئے۔کسریٰ کی شہنشائیت ٹوٹ کر اسلامی حکومت کے زیرِ نگیں ہوگئی۔ایک طرف طرابلس، ابرقہ اور مراکش میں اسلام کا پرچم لہرانے لگا تو دوسری طرف ایران، افغانستان، خراسان اور ترکستان سب پر مسلمانوں کا تسلط ہوگیا۔مصر و شام کا سارا علاقہ اسلامی جھنڈے کے نیچے آگیا، آرمینیا اور آذربائیجان مفتوح ہوکر اسلامی سرحد کوہِ قاف تک پھیل گئی۔'' (ایضاً ص:۱۶۱)

شہادتِ عثمان پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تأثرات بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: 'آہ! عثمان کے قتل سے اسلام میں وہ رخنہ پڑ گیا جواب قیامت تک بند نہیں ہوگا' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: 'اگر تمام خلقت عثمان کے قتل میں شریک ہوتی تو قومِ لوط کی طرح آسمان سے ان پر پتھر برستے۔' ثمامہ بن عدی صحابی کو جو صنعاء یمن کے رہنے والے تھے اس کی خبر پہنچی تو وہ رو پڑے اور فرمایا: 'افسوس! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی جاتی رہی۔' ابوحمید ساعدی صحابی نے قسم کھائی کہ: 'جب تک جیوں گا ہنسی کا منہ نہ دیکھوں گا۔ عبداللہ بن سلام نے کہا: 'آج عرب کی قوت کا خاتمہ ہوگیا۔'' (ایضاً ص:۱۸۳)

قاتلینِ عثمان کے بارے میں ''البدایہ والنہایہ'' کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں: ''جو

بھی حضرت عثمان کے قتل میں شریک ہوا، اس کا بھی قتل ہوا۔‘‘ مولانا غازی پوری نے ثابت کردیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نہ صرف یہ کہ معیارِ مطلوب کو قائم کیا بلکہ وہ خود دین کے سلسلے میں معیار و مطلوب بھی ہیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی عظمتِ شان بیان کرتے ہوئے مولانا غازی پوری تحریر فرماتے ہیں:

’’حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابیِ رسول ہیں، اسلام کی عظیم المرتبت اور قابلِ فخر و نادرۂ روزگار شخصیتوں میں آپ کا شمار ہے۔ آپ نے بڑے جاہ وجلال، بڑی شان وشوکت، بڑی حکمت وسیاست اور بڑے حزم وتدبیر کے ساتھ حکومت کی اور دنیا پر اسلام کی سطوت و عظمت کا سکہ بیٹھادیا۔‘‘ (ایضاً ص: ۱۸۸)

نیز تحریر فرماتے ہیں:

’’حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بارگاہِ نبوت میں جو تقرب حاصل تھا اس کا اندازہ اس سے لگتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اہم ترین امور میں مشورہ کے لیے طلب کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی حکم دے رکھا تھا کہ معاویہ سے مشورہ کرتے رہا کرو، وہ پختہ رائے اور امین ہیں۔ ’’**احضروه أمركم واشهدوه أمركم فانه قوى أمين.**‘‘ (البدایہ ص: ۱۲۳، ج: ۸) تم ان کو اپنے معاملے میں شریک رکھو، وہ پختہ رائے اور امین ہیں۔

یہ حضرت معاویہ کی معاملہ فہمی، پختگی رائے، حزم وتدبیر، سلامتِ طبع، دور بینی، دور اندیشی، کمالِ عقل اور سلامت فہم پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ شہادت ہے جس سے ان کا مقام بہت بلند ہوجاتا ہے۔ (ایضاً ص: ۱۹۱)

معاندین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر الزام لگاتے ہیں کہ انھوں نے شرعی ضابطوں کو نظرانداز کرکے زبردستی اقتدار پر قبضہ کیا تھا۔ اس کے لیے انھوں نے وہ حربے اختیار کیے کہ شریعت اسلامیہ جن کی اجازت نہیں دیتی ہے۔ مولانا غازی پوری اس الزام کا اقوالِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں مدلل جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’واقعہ یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے خلافت کی پیشین گوئی بہت

پہلے کر دی تھی اور آپ ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، نے ان کو عہدۂ امارت سپرد کر کے گویا ان پر کامل اعتماد کا اظہار کر دیا تھا اور یہ بات ظاہر ہو چکی تھی کہ وہ اس کام کو انجام دینے کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں۔ ایک دفعہ حضور ﷺ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: 'ان ملکت فأحسن.' معاویہ! اگر تم کو حکومت ملے تو تم بھلائی کرنا۔ (البدایہ، ص:۱۲۳، ج:۱) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کی روایت ہے کہ وہ ایک دفعہ آنحضور ﷺ کو وضو کرا رہے تھے کہ آنحضور ﷺ نے وضو کرتے ہوئے ایک دفعہ یا دو دفعہ حضرت معاویہ کی طرف دیکھا اور پھر فرمایا: 'یا معاویة ان ولیت فاتق الله واعدل.' اے معاویہ! اگر تم کو امارت ملے تو اللہ سے ڈرنا اور انصاف کرنا۔'' (ایضاً، ص:۲۰۴)

تاریخِ اسلام ذہبی کے حوالے سے مولانا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایک ایمان افروز واقعہ ذکر کر کے (جس میں ایک شخص نے حضرت معاویہ کو برسرِ عام ٹوکا تھا اور حضرت معاویہ نے اس شخص کے ساتھ بڑے اعزاز و اکرام کا معاملہ کیا) تبصرہ فرماتے ہیں:

''دیکھا آپ نے؟ یہ تھی حضرت معاویہ کی زندگی۔ کہا جاتا ہے کہ وہ ایک دنیا دار بادشاہ تھے، جن کے عہدِ حکومت میں ضمیروں پر قفل چڑھا دیئے گئے تھے اور زبانیں بند کر دی گئی تھیں اور زبان کھولو تو تعریف کے لیے، ورنہ خاموش رہو۔ خدا کی قسم! بڑا ظالم ہے وہ شخص جو حضرت معاویہ کے عہدِ حکومت کی یہ تصویر پیش کرتا ہے۔'' (مقامِ صحابہ، ص:۲۱۵)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر زبان درازی کرنے والے حضرت عمرو بن العاص پر بھی خوب مشقِ ستم کرتے ہیں، ان پر بھی طرح طرح کی الزام تراشیاں کرتے ہیں۔ مولانا غازی پوری کے عظمتِ اصحابِ پیمبر کے اظہار میں اٹھنے والے پُرزور قلم نے اس فاتح مصر عظیم صحابی رسول ﷺ کی عظمت شان کے بیان میں بھی خوب جولانیاں دکھائیں۔ فرماتے ہیں:

''حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اسلام کی ان چند برگزیدہ اور صاحب امتیاز و اختصاص شخصیتوں میں ہیں جن پر اسلامی تاریخ کو فخر ہے۔ ایمان و اسلام کی دولت کے ساتھ ساتھ شجاعت و فراست، عقل و ذہانت، طباعی، دور بینی، معاملہ فہمی اور سیاست وغیرہ صفات میں آپ کی شخصیت مسلّم و معروف تھی۔ زمانۂ جاہلیت اور زمانۂ اسلام ہر دور میں آپ کے ان اوصاف

میں کم ہی دوسرا کوئی شریک تھا۔'' (مقام صحابہ، ص:۲۲۱)

علامہ ابن حجر کی ''الاصابہ'' کے حوالے سے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا حضور ﷺ سے قرب واختصاص نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''**ولما أسلم كان النبي ﷺ يقربه ويدنيه لمعرفته وشجاعته.**'' جب حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو آپ کی بہادری اور معاملات کی معرفت کی وجہ سے آنحضور ﷺ آپ کو اپنے سے قریب رکھتے تھے۔'' (مقام صحابہ، ص:۲۲۳)

جنگ صفین میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا بے نظیر کارنامہ معاندین کی نگاہوں میں خار کی طرح کھٹکتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سلسلے میں کتاب وسنت کے نصوص سے صرفِ نظر کرکے صرف تاریخی روایات پر اعتماد کرکے صاحبِ ''خلافت وملوکیت'' وغیرہ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو نقشہ پیش کیا ہے، ان کی حقیقت تراشے ہوئے افسانوں کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ مولانا غازی پوری اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

> ''حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے جنگ صفین کے سلسلے میں جو شاندار کارنامہ انجام دیا اور اپنی خداداد صلاحیتوں سے کام لے کر بڑھتے ہوئے خون کے دریا کو روک کر امت مسلمہ کو ایک مضبوط مرکز پر جمع کردیا۔ وہ ایک ایسا تاریخی واقعہ اور ان کی زندگی کا وہ کارنامہ ہے، جس پر ہم جتنا بھی خوش ہوتے کم تھا۔ مگر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا یہی ہنر نکتہ چینوں کی نگاہ میں عیب بن گیا اور انھوں نے اس صحابی رسول (جس کے ایمان اور اصلاح کی گواہی خود آں حضور ﷺ نے دی ہے) پر سبّ وشتم کی بوچھار کردی۔''

مزید لکھتے ہیں:

> ''حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ بالکل دیانتاً اور اس وقت کے حالات کے عین مطابق تھا، وہ اسلام کی ترقی اسی میں دیکھ رہے تھے، نہ یہ کوئی چال تھی نہ سازش بلکہ ان کا ایمان دارانہ فیصلہ تھا۔'' (مقام صحابہ، ص:۲۲۷ تا ۲۲۹)

واضح رہے کہ اس جنگ میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اپنا فیصلہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں سنایا تھا۔

بغرضِ اختصار ہم نے مولانا کی کتابوں سے عظمتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے سلسلے میں چند اقتباسات پیش کیے ہیں۔ مولانا کی کتابوں کا تفصیلی مطالعہ ان شاء اللہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت وعظمت نیز ایمان ویقین میں اضافہ کا سبب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ مولانا کی قبر کو نور سے بھر دے۔ انھوں نے دفاعِ صحابہ کا حق ادا کیا۔ **جزاہ اللہ أحسن الجزاء۔**



مولانا ابوبکر صاحب غازی پوری
اور تردید غیر مقلدیت

مولانا احمد اللہ صاحب قاسمی ندوی
دارالعلوم مئو

حضرت مولانا ابوبکر صاحب غازی پور رحمۃ اللہ علیہ وقت کے ایک جید الاستعداد، وسیع المطالعہ زبردست ناقد اور کثیر التصانیف عالم دین تھے۔ ان کی تصانیف دیکھ کر اندازہ ہوا کہ ان کو ہر علم وفن میں مہارت تامہ حاصل تھی۔ کیا تفسیر وحدیث اور کیا فقہ وتصوف، ہر ایک میں دستگاہ کامل کے مالک تھے۔ وہ جب کسی موضوع پر کلام کرتے تھے تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ کسی بڑے آبی ذخیرے کا بند ٹوٹ گیا ہو اور پانی طوفانی رفتار سے ریلا مار کر بہہ نکلا ہو۔ یا کوئی ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہو جو اپنی روانی کبھی بھولتا ہی نہ ہو۔

بحمد اللہ برسوں ان سے ملاقاتیں رہیں۔ ایک اسٹیج پر جمع ہونا نصیب ہوا، نجی مجلسوں میں شمولیت رہی، بے تکلفی سے باتیں ہوئیں مگر ان کا رعب علم ہمیشہ اہل مجلس پر چھایا رہتا۔ اللہ غریق رحمت کرے۔

ان کا موضوع خاص رد غیر مقلدیت تھا۔ مذہب حنفیہ حقہ پر بے جا اعتراضات کے خس وخاشاک پھینکنے والوں پر برق آسمانی بن کر گرتے اور جلا کر خاکستر کر دیا کرتے تھے۔

حالات وزمانہ اور وقت کے تقاضوں نے ان کو اس کام پر مجبور کیا تھا۔ کیوں کہ غیر مقلدین اپنے پیدا ہونے کے دن سے آج تک حنفیت پر غبار اڑانے اور اس کی بے جا تردید میں

لگے ہوئے ہیں بلکہ ان کا اوڑھنا بچھونا یہی ہے۔صبح نہار منھ سے رات سونے تک اسی شغل میں رہا کرتے ہیں۔اوران کا یہ حال بدان کے علما سے لے کر جہال تک سب میں سرایت کیا ہوئے ہے۔نجی مجلسیں ہوں، جلسہ جلوس ہو یا کوئی کانفرنس، ہر جگہ ردحنفیت ان کے دل ودماغ پر چھایا رہتا ہے۔گویا اسی خیال کو لے کر جاگتے ہیں اوراسی کی نیند سوتے ہیں۔ان کا کوئی ماہانہ یا سہ ماہی رسالہ نکلتا ہے تو اس میں بھی اکثر زہر میں بجھی ہوئی تلواریں چلتی رہتی ہیں۔ان کا کوئی عالم، عالم کہلانے کا مستحق نہیں ہوتا جب تک ردحنفیت میں بڑھ چڑھ کر حصہ نہ لے۔اوران کا کھانا ہضم نہیں ہوتا جب تک امام ابوحنیفہ کو موٹی موٹی گالیوں سے نہ نوازلیں، الاماشاءاللہ۔اس سلسلہ میں غیر مقلدین نے چھوٹی بڑی بے شمار کتابوں کے انبار لگادیے ہیں جو مطالعہ کرنے والوں سے مخفی نہیں ہیں۔

احناف کے بڑے بڑے ائمہ کرام اور مانے جانے بزرگان دین جنھوں نے لاکھوں کروڑوں سے خراج علم وعمل وصول کیا ہے،اسی راہ میں اپنی زندگیاں گزاری ہیں اور جو اعلی درجہ کے محدث،فقیہ،مفسر اور اولیاء اللہ تھے،ان غیر مقلدین کی نگاہ میں ذرا بھی نہیں جچتے۔ان پر ایسی الزام تراشیاں،فتوے بازیاں کرتے اور پھبتیاں کستے ہیں جن سے پوری تاریخ اسلام خاموش ہے بلکہ اس کے برخلاف ہزارہا اہل علم وعمل نے ان پر عقیدت کے پھول نچھاور کیے ہیں اوران کی خدمات جلیلہ پر نہایت گراں قدر کتابیں لکھ کران کے خلوص،ان کے علم اور امام ہونے کا اعتراف کیا ہے۔مگر بزعم خویش خود کو سلفی کہنے والوں نے حضرات سلف پر وہ کیچڑ اچھالے ہیں اوران کے دامان تقدس پر ایسے ایسے دھبے لگائے ہیں جن کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے،اور دل کہتا ہے کہ یہ لوگ بالکل ناخدا ترس اور اللہ کی پکڑ سے بے خوف ہو چکے ہیں۔واللہ اگر کوئی حلف لے کر کہے کہ وہ حضرات سلف ان الزامات سے بالکل پاک تھے تو وہ کبھی حانث نہیں ہوگا۔

معمولی معمولی اختلافات کو حق وناحق کا مسئلہ بنادینا اور رائی کا پربت کردینا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہوا کرتا ہے۔اہم کو غیر اہم اور غیر اہم کو اہم کردینا بھی ان کے مذہب کا خاص نشان ہے۔اورمحض اتنی ہی باتوں پر زبانوں سے خنجر چلانا ان کی عادات خاصہ میں سے ہے۔اس لیے کہنا پڑتا ہے کہ ان کے دلوں پر ایسی خدائی مہر لگی ہوئی ہے کہ کوئی بھلا کام ان کو آتا ہی نہیں۔اور تقریروں وتحریروں میں اتنی خراب،کھردری اور دشنام طرازیوں سے لبریز زبانیں استعمال کرتے

ہیں کہ الامان والحفیظ۔اور تردید کا انداز اس قدر سوقیانہ، عامیانہ اور جاہلانہ ہوا کرتا ہے کہ علم و شرافت سر پیٹ کر رہ جائیں۔اور حنفیت کے بارے میں وہ شکوک وشبہات ذہنوں میں ڈالیں گے جن سے شیطان بھی پناہ مانگے۔اچھی اور جائز چیزوں کا رخ موڑ کر ایسے انداز سے لکھیں گے اور بیان کریں گے کہ وہ بری اور پھوہڑ معلوم ہونے لگیں۔ادھوری عبارتیں نقل کرنا ان کی فطرف ثانیہ ہے۔اس طرح یہ لوگوں کو حنفیت سے بدظن کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جب کہ پوری عبارت نقل نہ کرنے کی وجہ سے مسئلہ کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے۔

یہیں تک بس نہیں بلکہ ان کے سیوف قلم کی تیز دھاروں سے صحابہ کرام محفوظ رہ سکے نہ خلفائے راشدین۔ان کی جرأت یہاں تک بڑھ گئی ہے کہ خلفائے راشدین پر بھی نصوص قرآن و سنت کی خلاف ورزی کا الزام واتہام لگا ڈالا۔جن خلفائے راشدین وغیرہ کو رسول اللہ ﷺ نے جنتی ہونے کی بشارت دی ہے اور اللہ نے قرآن مجید میں 'رضی اللہ عنہم ورضوعنہ' کا روح افزا تمغہ عنایت فرمایا ہے ان پر نعوذ باللہ بدعتی ہونے اور کارہائے بدعت انجام دینے کی تہمت لگا کر گویا جہنمی ہونے کا حکم لگا دیا۔یہ صریح طور پر فیصلۂ خدا اور رسول کی مخالفت نہیں تو اور کیا ہے؟ ایسا محسوس ہوتا ہے اس قسم کی ناجائز وحرام باتیں لکھتے اور بولتے وقت ان کے مونھوں میں شیعوں اور یہودیوں کی زبانیں گھس جاتی ہیں۔

ان کے علاوہ یہ لوگ اور بھی بڑی بڑی ''خوبیوں'' کے مالک لیں۔آیات قرآنیہ اور احادیث طیبہ میں بے جا تحریفات کرنا اور تلبیسات سے کام لینا، مغالطہ دینا، نیز من مانا معانی بیان کرنا ان کی عادات خاصہ میں سے ہے۔ان کے دو دو پیسے کے مولویوں کو کیا کہا جائے؟ وہ حضرات بھی اس جرم عظیم کے مرتکب ہیں جن کو یہ حضرات جھوٹ موٹ محدث ومفسر مشہور کیے ہوئے ہیں۔ یہ غیر مقلدین تمام فرقوں سے بڑھ کر اذیت ناک اور فتنہ پرور ہیں۔ ہر دم کوئی نہ کوئی مسئلہ چھیڑے رہتے ہیں۔اس فرقہ نے امت مسلمہ کی نیندیں حرام کر رکھی ہے اور اہل حق کو ستانے کے نت نئے طریقے ایجاد کرتے رہتے ہیں۔مگر دعوی دیکھیے تو ایسے بلند وبانگ، گویا حدیثوں پر عمل کرنا ان کا اپنا اجارہ ہے مگر اندر جھانک کر دیکھو تو بدبو اور تعفن سے دماغ پھٹ جائے اور ان سے بڑا کوئی منکر حدیث دکھائی نہ دے۔مسائل وہ بیان کریں گے جن سے انسانیت شرم سار ہو جائے اور استنباط

ایسا سطحی کریں گے کہ علم ان سے پناہ مانگے ۔ ناپاک سے ناپاک چیزیں ان کے اجتہاد میں پاک و پوتر ہوگئی ہیں ۔ روزہ، نماز اور حج وغیرہ جن وجوہات سے باطل ہوجاتے ہیں ان کے نئے اجتہاد میں بالکل صحیح ہوجاتے ہیں ۔ ایسا لگتا ہے کہ احکام شریعت کو برباد کرنے اور ان کو تباہ کرنے کا دشمنان اسلام سے ٹھیکہ لے رکھا ہے ۔ اللہ تعالی ان کے شر ور فتن سے محفوظ رکھیں ۔

حضرۃ العلام مولانا محمد ابوبکر صاحب انتہائی غیور آدمی تھے، اور ایسا ہی باغیرت ہر حنفی مسلمان کو ہونا چاہیے ۔ کیوں کہ غیر مقلدین کا مذکورہ بالا رویہ اظہر من الشّمس ہے ۔ مزید برآں تقلید کو شرک بتانا، غلط اور متعفن و بدبودار مسائل بیان کر کے رسول اللہ ﷺ کی جانب منسوب کرنا، اپنی عوام کو علمائے احناف پر زبان درازیوں اور طعن و تشنیع کا عادی بنانا اور ان کو بے لگام کرنے کی مشق کرانا، کیا یہ برداشت کے لائق تھا؟ کہ مولانا برداشت کرتے ۔ نیز ننگے سر اور کرتا اتروا اتروا کر ایک بنیان اور لنگی پاجامہ میں ننگا کر کے نماز پڑھوانا، رسول پاک ﷺ کی ٹوپی وعمامہ کا مذاق اڑانا اور ان کو پھنکوانا، توہین کرنا وکرانا بھلا صبر کرنے اور تحمل سے کام لینے کی چیزیں ہیں؟ ہرگز نہیں ۔ لہٰذا حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو جوش آیا، غیرت آئی، پیمانہ صبر لبریز ہوا، قلم ہاتھ میں آیا اور حرکت ہوئی اور بحمد للہ ایسی روانی آئی کہ سمندر کی روانی کا تصور ہونے لگا ۔ اور موجیں اٹھیں تو غیر مقلدیت کے سارے خس وخاشاک کو بہالے گئیں ۔ مدوجزر آیا تو ان کے بڑے بڑے قلعے زمین بوس ہو گئے اور ان کے اذان قلم سے شیاطین گوز مار مار کر بھاگنے لگے ۔

حضرت مولانا جو کچھ بھی لکھتے دلائل و براہین کی روشنی میں لکھتے ۔ قرآن وسنت اور سلف کی معتبر کتابوں کے حوالوں کے ساتھ لکھتے، سوالات واعتراضات کا جواب دیتے ۔ اپنے مسلک کا بھرپور دفاع فرماتے اور غیر مقلدیت کی نقاب کشائی بھی خوب کرتے اور ان کو ''زمزم'' پلانے کی بھرپور کوشش کرتے ۔ مگر یہ بدنصیب 'زمزم' بھی پینے سے انکار کر دیتے ۔ مولانا انھیں دعا دیتے کہ ''اللہ تعالی ان کو صراط مستقیم پر آنے کی توفیق عنایت فرمائے ۔'' مگر یہ بے بہرے دعاؤں کا استقبال سب وشتم سے کرتے اور فون وموبائل پر مغلظ گالیوں کی سوغات بھیجتے اور چشمہ زمزم کو بند کرانے کی کوشش کرتے ۔ چنانچہ تمام اہل باطل کا ہمیشہ سے یہی شعار رہا ہے کہ دلائل میں غور نہیں کرتے اور اپنے اوہام وخیالات کی طرف داری میں خواہ مخواہ کی بکواس شروع کر دیتے ہیں ۔ جیسے مشرکین،

یہود ونصاری اور دیگر اہل باطل نے کیا۔

غیر مقلدین ہمارے جن مسائل پر اعتراضات کی خاک اڑاتے ہیں اور بدگمانیاں پھیلاتے ہیں ان میں 'تقلید' 'رفع الیدین' 'آمین بالجہر' 'فاتحہ خلف الامام' 'جمع بین الصلوٰتین' 'بیس رکعت تراویح' 'ایک مجلس کی تین طلاقیں' 'نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ' 'وسیلہ' 'حضور پاک ﷺ کے روضہ پاک کی زیارت' 'حیات انبیا' 'جمعہ کی اذان ثانی' 'فرض نمازوں کے بعد دعا' 'دونوں ہاتھوں سے مصافحہ' اور 'گردن پر مسح' وغیرہ ہیں۔ان مسائل کے بارے غیر مقلدین کے دہشت گردانہ، بے ہودانہ اور جاہلانہ فتوے بازیاں زبان زدخاص وعام ہیں۔حضرت مولانا محمد ابوبکر صاحب نے اپنی کتابوں میں، خاص طور سے ''ارمغان حق'' میں خوب سیر حاصل بحث فرمائی ہے، اور حق بات یہ ہے کہ تمام موضوعات کا حق ادا کردیا ہے۔ایک ایک مسئلہ کو منقح کیا، غلط فہمیاں دور کیں، دلائل کے انبار لگادیے اور احناف کے سارے مسائل کو دن کے اجالے کی طرح روشن کردکھایا اور خوب مدلل اور مبرہن کردیا۔اور ثابت کردیا کہ احناف کے تمام مسائل حق ہیں اور قرآن وسنت کے مضبوط دلائل احناف کے ساتھ ہیں۔ ساتھ میں غیر مقلدین کے کھوکھلے دعووں اور پروپیگنڈوں کی فضائے آسمانی میں دھجیاں اڑادیں۔فالحمدلله رب العالمین۔اور سچی بات یہ ہے کہ اس زمانہ میں ان سے زیادہ کوئی دوسرا مناسب نہیں تھا۔

حضرت مولانا محمد ابوبکر صاحب کی خصوصیات میں سے ایک یہ بھی تھی کہ جہاں وہ اعتراضات کے جوابات نہایت محققانہ دیا کرتے تھے وہیں غیر مقلدین پر شدت کے ساتھ حملہ آور بھی ہوا کرتے تھے۔چنانچہ 'مسائل غیر مقلدین' 'غیر مقلدین کی ڈائری' 'آئینہ غیر مقلدیت' 'غیر مقلدین کے لیے لمحہ فکریہ' 'صلوۃ الرسول کے بارے میں' 'سبیل الرسول پر ایک نظر' 'غیر مقلدین کا صحیح حدیث سے انحراف' وغیرہ کتابوں میں نمونہ دیکھا جاسکتا ہے۔

شروع مضمون میں غیر مقلدین کی جو غلط کاریاں، غلط عقیدے اور بے جا تنقیدات وغیرہ تحریر کیے گئے ہیں ان کے بھی ثبوت اور نمونے ملاحظہ کرنا ہوتو مولانا مرحوم ہی کی مذکورہ کتابوں کے ساتھ انھیں کی دیگر تصنیفات جیسے 'حدیث کے بارے میں غیر مقلدین کا معیار ردوقبول' 'صحابہ کرام کے بارے میں غیر مقلدین کا نقطہ نظر' 'غیر مقلدین کے امتیازی مسائل حقیقت کے آئینے

میں ’خمار سلفیت‘ اور عربی زبان میں ’ وقفة مع اللامذهبية‘ وغیرہ کا مطالعہ فرمائیں۔ ان شاء اللہ سارا غبار چھٹ جائے گا اور غیر مقلدین کا ظاہری خول اتر جائے گا اور بالکل اصلی، بھیانک اور مکروہ چہرہ سامنے آجائے گا۔ اور آپ خوب اچھی طرح سمجھ جائیں گے کہ غیر مقلدیت وہ نہیں ہے جو بظاہر قرآن وحدیث کے بلند وبانگ دعووں میں دکھائی دیتی ہے بلکہ اس کے برخلاف ایک عظیم فتنہ اور زبردست ضلالت وگمراہی ہے۔

حضرت مولانا کا انداز تحریر بہت سادہ اور سلیس تھا۔ ہر آدمی جو اردو کی تھوڑی بہت شد بد رکھتا ہو وہ بھی آسانی کے ساتھ سمجھ جاتا تھا۔ مولانا مرحوم کسی بھی موضوع پر تحریر کرتے وقت تمہید کچھ ایسی باندھتے تھے کہ اصل مضمون پڑھنے سے پہلے ہی پڑھنے والے کا ذہن بن جاتا تھا اور پورا مضمون پڑھنے کے بعد تو بالکل شرح صدر ہو جاتا تھا۔ اور دلائل کے توپ ایسے چلتے تھے کہ غیر مقلدیت کے مضبوط سے مضبوط قلعے منہدم ہو جاتے تھے اور ان کے بڑے بڑے نام نہاد علما و محدثین کو دھول چٹا دیتے تھے۔ فجزاه الله خير الجزاء في الدنيا والآخرة

حضرت مولانا چہرہ بشرے سے نہایت خوبصورت اور بارعب تھے۔ گوری چٹی رنگت اور قد اوسط کے مالک تھے۔ چہرہ انور پر ایک مشت سے کچھ زائد ریش مبارک نے حسن ووقار میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔ صحت بہت اچھی تھی، ہاں بدن ذرا بھاری تھا۔ نظر پڑتے ہی اندازہ ہو جاتا تھا کہ کوئی بڑے عالم دین ہیں، اور واقعی وہ تھے بھی ویسے ہی۔

حضرت مولانا نے دینی علوم میں جہاں مادر علمی دار العلوم دیوبند سے ۱۹۶۹ء میں سند فراغت حاصل کی وہیں مدرسہ دینیہ میں تدریس کے زمانہ میں ہائی اسکول اور انٹرمیڈیٹ بھی کیا اور علی گڑھ سے انگلش میں گریجویشن بھی کیا۔ مولانا بہترین حافظ قرآن تھے اور مسلسل تراویح سناتے رہے۔ دو مرتبہ حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے اور ۱۹۸۷ء سے تسلسل کے ساتھ ہر سال عمرہ کی سعادت سے بہرور ہوتے رہے۔ نیز اپنے موضوع کے پراگرموں کے سلسلے میں کثرت سے اندرون ملک اور بیرون ملک پاکستان، بنگلہ دیش، سعودی عرب، ساؤتھ افریقہ، برطانیہ، ری یونین اور نیپال وغیرہ کے سفر کیے۔

غرض دین کے اس مجاہد نے اپنی پوری زندگی خدمت دین میں بسر کی اور اپنے پیچھے

عقیدت مندوں اور محبت کرنے والوں کا ایک لاتعداد لشکر چھوڑ گیا۔ یہ سارے لوگ جن پر مولانا مرحوم کا بے شمار احسان ہے ان کی روحانی اولاد ہیں جو ان شاء اللہ ان کے لیے مغفرت اور رفع درجات کی دعائیں کرتے رہیں گے۔



حق گوئی و بے باکی کا استعارہ
مولانا محمد ابوبکر صاحب غازی پوری

مولانا محمد عابد اعظمی صاحب
استاذ: مدرسہ شیخ الہند قاسم آباد انجان شہید

حضرت مولانا محمد ابوبکر صاحب غازی پوری علیہ الرحمہ کی ذات جن عناصر ترکیبی کا مجموعہ تھی ان میں علم وفضل، جرأت وہمت، حق گوئی وبے باکی اور دینی غیرت وحمیت جیسی صفات ان کی تابناک زندگی کے روشن عناوین ہیں۔ پوری زندگی حق وصداقت کے فروغ واشاعت اور باطل وغلط نظریات کی بیخ کنی میں مصروف عمل رہے۔ بالخصوص فتنہ غیر مقلدیت اور نام نہاد سلفیت کا ردوابطال ان کی زبان وقلم کا خاص مشن تھا۔ باطل کو باطل اور غلط کو غلط کہنے میں کبھی انھوں نے مداہنت سے کام نہیں لیا۔ برملا احقاق حق اور ابطال باطل کا فریضہ انجام دیا۔ فرق باطلہ کے تعاقب کے ساتھ جہاں اور جس جگہ بھی انھوں نے حق سے انحراف اور باطل کی طرف میلان دیکھا، ان کی رگ حمیت حق وصداقت کے اظہار کے لیے پھڑک اٹھی۔ اس باب میں ان کے یہاں جانب داری اور جماعت پرستی کا کوئی خانہ نہ تھا۔ اپنی جماعت اور اپنے ہم مسلک وہم خیال لوگوں میں بھی کہیں حق وصواب کے خلاف فکر وخیال نظر آیا یا اسلامی اخلاق وتعلیمات کے برعکس کوئی طرز عمل محسوس کیا تو فوراً بلا خوف ملامت اس پر نکیر کی۔ مولانا کی تحریریں اور کتابیں اس طرح کے نمونوں سے بھری ہوئی ہیں۔ اس مضمون میں اس کی ہلکی سی جھلک پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

مولانا کا اصل میدان عصر حاضر کا خطرناک فتنہ غیر مقلدیت وسلفیت کا ردوتعاقب تھا۔

اس فتنے نے حدیث وسنت کے نام پر اسلام اور مسلمانوں کو جتنا نقصان پہنچایا ہے اور سلف کے نام پر اسلاف و اساطین امت پر طعن و تشنیع اور امت کو ان سے برگشتہ کرنے کی جو ناروا کوشش کی ہے اس سے ہر صاحب نظر بخوبی واقف ہے۔ مولانا نے اس کی اصلیت کو بے نقاب کرنے کے لیے متعدد ومعرکۃ الآرا کتابیں عربی اور اردو میں تصنیف کی ہیں۔ اس میدان میں مولانا کو ان کی غیرت حق اور اکابر واسلاف امت سے بے پناہ عقیدت ومحبت لے آئی۔ غیر مقلدین کی احناف بالخصوص علمائے دیوبند کے بارے میں جارحیت، بغض وعناد اور بے جا مخالفت ومعاندت کے طوفان بدتمیزی نے جب سر اٹھایا اور ان کے حلقے سے ''الدیوبندیۃ'' نامی بدنام کتاب کتاب منظر عام پر آئی اور اہل حق میں اضطراب و بے چینی کی کیفیت پیدا ہوئی تو مولانا کے صبر وضبط کا بندھن ٹوٹ گیا اور علمائے دیوبند کے عمومی مزاج ومذاق کے خلاف اس پر خاموشی کو خلاف مصلحت سمجھا اور تن تنہا میدان میں کود پڑے۔ یہ کتاب کیا ہے؟ حلقہ بریلویت کی بدنام زمانہ کتاب ''زلزلہ'' کی پیروڈی ہے۔ جس طرح زلزلہ کے فن کار ودجل آشکار مصنف نے دجل وفریب، اختراع وخیانت اور تلبیس وتدلیس سے کام لے کر علمائے دیوبند پر بے سروپا اتہام والزام کے تیر برسائے تھے، اور جن باتوں کا وہم وخیال بھی کبھی ان کو نہ آیا ان کو ان کا عقیدہ ومسلک بنا کر پیش کیا تھا بالکل اسی طرح بلکہ کچھ زیادہ ہی 'الدیوبندیۃ' کے مصنف نے اپنے خبث باطنی کے سہارے تلبیس وخیانت اور اتہام و الزام کی بنیادوں پر دجل وفریب اور ہفوات وخرافات کی عمارت کھڑی کی ہے۔ یہ کتاب عربی زبان میں لکھی گئی ہے اور اس کے ذریعہ عرب دنیا کو علمائے دیوبند کے بارے میں گمراہ کرنے کی کوشش کی گئی اور انھیں یہ باور کرا گیا کہ علمائے دیوبند ایمان واسلام اور قرآن وسنت کے داعی و محافظ نہیں بلکہ شرک وبدعت اور بے اصل اعتقاد واعمال کے بانی اور مبلغ ہیں۔

مولانا محمد ابوبکر غازی پوری صاحب جو اہل حق علمائے دیوبند کے سچے پیروکار اور ان کے مسلک ومشرب کو حق صداقت کا معیار سمجھتے تھے، انھوں نے اس کتاب کے دجل وفریب کا پردہ چاک کرنا پوری جماعت کی طرف سے اپنی ذمہ داری سمجھا اور '' **وقفة مع اللامذهبية في شبه القارة الهندية** '' کے نام سے عربی میں ایک بڑی جاندار اور مدلل کتاب لکھی۔ انھوں نے اس کتاب میں علمائے دیوبند کی طرف سے صفائی نہیں پیش کی، ان کا دفاع نہیں کیا بلکہ دنیا کے سامنے

غیر مقلدین کا مکروہ چہرہ بے نقاب کر دیا اور ان کی اصل حقیقت کھول کر رکھ دی۔ اس کے صدمے سے آج تک دنیائے غیر مقلدیت سنبھل نہیں سکی ہے۔

مولانا نے رد غیر مقلدیت کے میدان میں قدم رکھا تو پھر مڑ کر نہیں دیکھا۔ یکے بعد دیگرے مسلسل ان کے نوک قلم سے متعدد کتابیں نکلیں اور اس فرقہ کے دجل وفریب کے بنے ہوئے جالے کو تار تار کر کے رکھ دیا۔ مولانا کے اسلوب تحریر میں بڑی قوت، پختگی، برجستگی اور روانی ہوتی ہے۔ بات بڑے آسان اور سہل انداز میں کرتے ہیں، نیز دلائل کی قوت اور لب لہجہ کی جرأت قاری کو مکمل اپنی گرفت میں لے لیتی ہیں۔ مشکل مضامین ومسائل کو عام فہم اسلوب وانداز میں اتنی سلاست سے پیش کرتے ہیں کہ پڑھنے والا اس کے سحر میں کھو جاتا ہے، اور متعلقہ موضوع سے متعلق اس کا دل مکمل مطمئن اور منشرح ہو جاتا ہے۔

مولانا کی سب سے بڑی خوبی ان کی دینی غیرت وحمیت، اسلاف واکابر سے ان کی بے پناہ عقیدت ومحبت، حق وصداقت کے بارے میں ان کی صاف گوئی وجرأت مندی اور علم ومطالعہ میں حد درجہ پختگی اور خود اعتمادی ہے۔ ایمان وعقیدہ، مسلک ومشرب اور اسلاف واکابر کی عزت واحترام کے سلسلے میں ان کے یہاں کسی طرح کا سمجھوتہ، رواداری اور مداہنت کا تصور نہیں تھا۔ حق کے اظہار واحقاق اور باطل کے رد وابطال میں بہت جری اور صاف گو تھے۔ دلی میں تنظیم ابنائے قدیم دار العلوم دیوبند کی جانب سے بانی دار العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتی قدس سرہ کی شخصیت اور کارنامے پر سیمینار تھا۔ ملک کے نامور اہل علم وقلم اور فضلائے دیوبند کے ساتھ مولانا بھی اس میں شریک تھے۔ سیمینار کے ذمہ داروں نے اس کے افتتاحی اجلاس میں ملک کی مشہور گمراہ شخصیت مولانا وحید الدین خان کو بھی مدعو کیا تھا۔ جب مقالہ خوانی کے لیے ان کے نام کا اعلان ہوا تو مولانا کی غیرت حق کو جلال آ گیا، مجمع سے بے تابانہ نکل کر ڈائس پر آئے اور بلا کسی جھجھک اور مصلحت کی رعایت کے ناراضگی کا اظہار کیا اور فرمایا کہ:

> ”اہل حق کے سرخیل مولانا نانوتوی پر سیمینار ہو رہا ہے اس میں وحید الدین خان اس کے افتتاحی اجلاس میں اپنا مقالہ پڑھیں، اگر وہ پڑھیں گے تو میں جاتا ہوں۔“

اس کے بعد مولانا نے اپنے رسالہ ”زمزم“ میں تنظیم اور سیمینار کے ذمہ داروں کو اس کی

طرف متوجہ کیا اور لکھا کہ:

''یہ وحیدالدین خان وہی ہیں جنھوں نے مرتد سلمان رشدی کا دفاع کیا تھا۔ یہ وحیدالدین خان وہی ہیں جنھوں نے معمر قذافی لیبیا کے صدر کی کتاب ''گرین بک'' کا ترجمہ کیا تھا اور اس کے ملحدانہ مضامین کو محض جلب زر کے لیے اردو کا جامہ پہنایا تھا............میں وحیدالدین خان کو محض دینی و اسلامی نقطۂ نظر کے پیش نظر اچھا آدمی نہیں سمجھتا اور ان کو اسلام مخالف طاقتوں کا بازو سمجھتا ہوں۔ اس بنا پر میرے نزدیک وحیدالدین خان کی شرکت الامام محمد قاسم النانوتی سیمینار میں قطعاً غیر مناسب تھی اور میرے نزدیک اس بابرکت اجتماع میں ان کو دعوت دینا کسی طرح بھی جائز نہیں تھا۔ اگر ہم فضلائے دارالعلوم دیوبند کے اندر دینی غیرت و حمیت نہیں تو کچھ بھی نہیں.............افسوس ہم ابنائے قدیم دارالعلوم کا حال اب یہ ہوگیا ہے کہ ہمارے نزدیک ہر وہ شخص قابل احترام اور قابل صد عزت ہے جو کسی اعتبار سے ملک میں مشہور ہوگیا۔ 'مفکر' کا لفظ تو ایسا عام ہوگیا ہے کہ اب کچھ دنوں میں یوسف خان عرف دلیپ کمار کے لیے استعمال ہونے لگے گا۔'' (دوماہی زمزم۔ جلد: شمارہ: ص:)

اس اقتباس سے مولانا کی دینی غیرت وحمیت باطل افکار ونظریات کے خلاف ان کی حق گوئی و بے باکی اور اسلاف و اکابر کے تئیں ان کی بے پناہ عقیدت ومحبت کی جھلک صاف محسوس کی جاسکتی ہے۔

اسی طرح جمعیۃ علمائے ہند کے قضیہ اور بحران میں بھی مولانا نے جو حق سمجھا اس کا برملا اظہار انھوں نے 'زمزم' کے صفحات میں کیا اور کسی کی خاطر داری یا ناگواری کے احساس کو حق کے اظہار میں رکاوٹ نہیں بننے دیا۔

گجرات کے ایک اجلاس میں ملک کے ایک نامور عالم ومحدث کی طرف سے کچھ غیر مناسب حرکات کا صدور ہوا تو مولانا نے قلم اٹھایا اور ''اسلامی اخلاق کے زوال اور پامال ہونے میں ان جیسے عالموں کا بھی حصہ ہے'' کے زیر عنوان ان کا سخت احتساب کیا اور اپنے دل کے درد و کسک کو الفاظ کا جامہ پہنا کر علماء ومشائخ کے سامنے آئینہ رکھ دیا۔ اس کا خوش گوار اثر ظاہر ہوا اور ان صاحب کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور مولانا سے معذرت چاہی۔

صحابہ کرام اور اسلاف امت کے بارے میں ان کا قلب بہت حساس تھا۔ بعض فرقوں کا رویہ ان کے بارے میں بڑا جارحانہ ہے، وہ ان کی شان میں بدکلامی اور گستاخی سے بھی نہیں چوکتے۔ مولانا نے ان فرقوں کا اپنی تحریروں میں سخت احتساب کیا ہے اور انھیں کے لب ولہجہ میں ان کا دنداں شکن جواب دیا اور بقول مولانا نور الدین نور اللہ الاعظمی کے:

''مولانا موصوف اس صف کے علما میں سے ہیں جو باطل کو اس کے انداز میں ختم کردینا چاہتے ہیں۔ اگر تم کو خدا اور رسول، صحابہ کرام، اسلاف امت، مجاہدین اسلام اور اللہ کے لیے جینے اور مرنے والوں کا پاس ولحاظ نہیں ہے تو تم ہم سے بھی توقع نہ رکھو کہ ہم تمہارا کسی بھی درجہ میں پاس ولحاظ رکھیں گے۔ مولانا غازی پوری کا یہی کہنا ہے اور ان کا اسی پر عمل ہے۔'' (غیر مقلدین کے لیے لمحۂ فکریہ: ص۱۱)

مولانا نے خاص اس موضوع پر دو کتابیں تصنیف کی ہیں۔ ''صحابہ کرام کے بارے میں غیر مقلدین کا نقطۂ نظر'' اور ''مقام صحابہ کتاب وسنت کی روشنی میں اور مولانا مودودی''۔ یہ دونوں کتابیں اپنے موضوع پر کافی وشافی ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کے ایک مشہور ومقبول استاذ کے ترمذی شریف کے تقریری افادات شائع ہوئے جن میں بعض علمی فروگذاشتیں درآئی تھیں، نیز صحابہ کرام کے بارے میں بھی کچھ جملے قابل اعتراض تھے۔ مولانا نے زمزم میں اس پر زبردست گرفت کی اور کئی قسطوں میں اس کتاب کی علمی کمزوریوں اور لغزشوں کی نشان دہی کرکے اس کی تطہیر وتہذیب کی طرف توجہ دلائی، اور اخیر میں تحریر فرمایا کہ:

''اس طرح کی قابل مواخذہ اور اعتراض والی باتوں کو خصوصاً جہاں نبی اکرم ﷺ یا اصحاب کرام رضوان اللہ تعالی اجمعین یا اکابر امت یا فرشتوں کے بارے میں یا وحی کے سلسلے میں جو آپ کے قلم سے غیر مناسب ناشائستہ کلمات اور غلط باتیں نکلی ہیں یا جن باتوں سے امام ترمذی اور ان کی کتاب کے بارے میں غلط تأثر قائم ہوتا ہے ان سے اس کتابوں کو صاف کریں۔'' (زمزم: جلد: شمارہ۲۳-۲۴)

مولانا کو صحابہ کرام اور اسلاف امت اکابر دیوبند اور ان کے مسلک سے جو والہانہ ربط و

تعلق تھا اسی جذبے نے مولانا کو احتساب پر مجبور کیا۔ معاصرانہ چشمک یا منافرت کا کوئی جذبہ کارفرما نہیں تھا۔ فرماتے ہیں:

''میری اس تحریر کو کسی جذبے پر محمول نہ کریں۔ اگر آپ کے ساتھ محبت واخلاص کا تعلق نہ ہوتا اور دارالعلوم اور جماعت دارالعلوم میرے پیش نظر نہ ہوتی تو میں چند سطروں میں خط کا جواب دے کر قلم رکھ دیتا مگر چوں کہ آپ کی کتاب عام ہو چکی ہے اور مخالف وغیر مخالف سب اس کو پڑھیں گے، اس وجہ سے ان اغلاط کی نشان دہی خود ایک حقیر طالب علم کے قلم سے میرے نزدیک ضروری ہوئی۔ اگر میں خاموش رہتا تو نہ آپ کے ساتھ خیر خواہی ہوتی اور نہ دارالعلوم اور جماعت دارالعلوم کے ساتھ۔ **واللہ یعلم مافی الصدور**۔'' (حوالہ بالا)

اس طرح کے اور بھی نمونے زمزم کے صفحات میں موجود ہیں ان کا احصا یہاں مقصود نہیں ہے، بس صرف دین کے معاملہ میں ان کے مزاج ومذاق کی ایک ہلکی سی جھلک دکھانا مطلوب ہے۔ اب اخیر میں والدنا المعظم حضرت مولانا اعجاز احمد اعظمی صاحب نور اللہ مرقدہ کے مضمون کا ایک اقتباس اپنی تحریر کا حسن اختتام بنانا مناسب سمجھتا ہوں جس سے مولانا کی دینی غیرت وحمیت اور حق گوئی وبے باکی کا وصف بخوبی نمایاں ہوتا ہے:

''مولانا نے حق وصداقت کے باب میں کبھی کسی مداہنت اور ضعف ہمت کا راستہ نہیں اختیار کیا۔ اس باب میں وہ کسی جانب داری کو روا نہ رکھتے تھے۔ اگر انھیں اپنی جماعت کے لوگوں میں، اپنے ہم مسلک وہم مشرب افراد میں کہیں ناہمواری نظر آتی اور دین ودیانت کے تقاضے کے خلاف کوئی طرز عمل محسوس ہوتا، انھیں شرح صدر ہو جاتا کہ یہ رویہ مناسب نہیں ہے یا درست نہیں ہے تو وہ بے تکلف اور بغیر کسی مصلحت کے دباؤ کے ٹوک دیتے۔ دارالعلوم دیوبند کے مسلک سے، اس ادارے سے، ادارے کے ذمہ دار، اساتذہ وکارکنان سے انھیں عشق کی حد تک تعلق تھا مگر بعض بڑے اساتذہ کے افکار اور تحریرات ومضامین میں انھیں ناہمواری محسوس ہوئی تو برملا اس کا اظہار کر دیا۔ ایسے ہی جامعہ مظاہر علوم سہارن پور کے ایک بڑے استاذ کا رویہ انھیں نامناسب محسوس ہوا تو اس پر انھیں ٹوک دیا۔ مولانا غیرت دینی کے پیکر تھے، جہاں بھی انھیں دینی ومذہبی اعتبار سے کجی یا انحراف محسوس ہوتا وہ تڑپ اٹھتے اور اس کا موثر احتساب

کرتے۔''(ضیاءالاسلام)

علامہ اقبال نے سچ کہا ہے:

آئین جواں مرداں حق گوئی وہ بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی



حضرت غازی پوری اور غیر مقلدیت

نعیم الدین قاسمی
مولانا آزاد سکنڈری اسکول بساؤ، راجستھان

حضرت مولانا محمد ابوبکر صاحب غازی پوری اس دور کے تحفظ سنت کے علم بردار، مسلک سلف کے مبلغ اور فقہ حنفی کے عظیم رہبر تھے۔ ہندوستان کے مختلف نامور مدارس میں کئی سال درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھنے کے بعد اپنے وطن غازی پور ہی میں اس دور کے عظیم فتنہ ''فتنۂ غیر مقلدیت ولا مذہبیت'' کی تردید کو اپنی زندگی کا مقصد بنالیا تھا۔ اور بلا مبالغہ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ برصغیر میں کیا، سارے عالم اسلام میں فقہ حنفی کے دفاع کا سہرا اگر کسی کے سر جاتا ہے تو وہ پاکستان میں حضرت مولانا امین صفدر اوکاڑوی اور ہندوستان میں حضرت مولانا ابوبکر غازی پوری کی ذات ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ جب پاکستان میں حضرت اوکاڑوی کا پروفیسر طالب الرحمان زیدی سے مناظرہ ہوا، اور زیدی کو کئی بار منہ کی کھانی پڑی تو پھر اس نے ''الدیوبندیہ'' نامی کتاب لکھی اور عربی میں ترجمہ کرا کر حرمین شریفین میں خفیہ طور پر تشہیر کی۔ علمائے دیوبند کے خلاف ماحول بنانے لگا، علمائے دیوبند کو کفارِ مکہ سے بھی سخت کافر قرار دیا اور یہاں تک کہہ دیا کہ دارالعلوم دیوبند سنت رسول کے ساتھ جنگ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اور بہت کچھ۔ اسی طرح اس لامذہبیہ کی دوسری کتاب ''جھود العلماء'' جس میں حافظ ابن حجر ہیثمی، محدث قسطلانی، حافظ سیوطی، امام غزالی، خواجہ معین الدین چشتی، شیخ محدث دہلوی اور مجدد الف ثانی یعنی اُس دور کے کبارِ علما اور اِس دور کے علمائے دیوبند رحمہم اللہ تعالیٰ کو نام بنام مشرک، ملحد اور زندیق کہا۔ العیاذ باللہ۔ الغرض اس قسم کے ماحول میں ہم

خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ عرب و ہند میں رہنے والے فضلائے دیوبند کس قدر پریشان ہو گئے ہوں گے؟

ایسے سنگین موقع پر حضرت غازی پوری کی ایمانی حمیت اور دینی غیرت جوش میں آئی، دیوبند اور علمائے دیوبند کی طرف سے دفاع کا بیڑا اٹھایا اور چند ماہ کی جد و جہد کے بعد ''الدیوبندیہ'' کے جواب میں حضرت نے ''وقفۃ مع اللامذہبیۃ'' نامی کتاب لکھ ڈالی۔ اس کتاب میں دکھایا گیا ہے کہ جن مسائل کو لے کر تم نے علمائے دیوبند کو مشرک قرار دیا ہے، وہ کل کے کل بلکہ اس سے بھی زیادہ جیسے 'نظریۂ وحدۃ الوجود'، 'قبروں پر طواف، سجدے'، 'غیر اللہ سے توسل'، 'انبیا و صلحا سے استغاثہ'، 'عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے تسلیم نہ کرنا' اور بہت سارے امور میں شیعہ سے مطابقت وغیرہ۔ جب یہ کتاب منظر عام پر آئی اور ان سارے عقائد و نظریات پر ان کی نظر پڑی (جن کو سعودی کی ہمنوائی میں یہ چھپائے تھے) تو پھر شور مچایا کہ اس کتاب میں حوالے غلط ہیں۔ پھر اس کے جواب میں حضرت غازی پوری نے ''صور تنطق'' نامی کتاب لکھی، جس میں ان عبارتوں کا عکس دکھایا گیا، جس پر یہ شک کرتے تھے، تو پھر اپنا سا منھ لے کر رہ گئے۔

دوسرا بڑا کارنامہ حضرت غازی پوری کا اس فرقۂ لامذہبیہ سے نمٹنے کے لیے ایک دوماہی رسالہ ''زمزم'' کا اجرا ہے۔ یعنی قارئین اچھی طرح محسوس کر سکتے ہیں کہ حضرت کے دل و دماغ میں کس طرح اس فتنے کی شدت کا احساس تھا کہ اس مذکورہ رسالے کے پہلے ہی شمارے کے اداریے میں لکھتے ہیں:

> ''اس رسالے کا مقصد ہی باطل فرقے کا ردّ و ابطال ہے، اس بارے میں کسی طرح کا تساہل برتنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اس لیے ہمیں وحدت کلمہ، اتحاد ملت جیسے خوش کن عنوانات سے اپنے موقف میں لچک پیدا کرنے کا مشورہ نہ دیا جائے۔''

حالانکہ یہی ہوا جس کا مولانا کو گمان تھا۔ رسالہ جب علما اور عوام کے ہاتھوں پہنچا تو چند مشاہیر علما نے ''زمزم'' کو دیکھ کر ملت کے حق میں غیر مناسب سمجھا۔ چنانچہ حضرت مولانا علی میاں ندوی نے حضرت غازی پوری کے نام ایک خط میں مشورہ دیا کہ ''اس سے ملت میں غلط اثر پڑ جائے گا''، لیکن جب حضرت مولانا علی میاں ندوی نے ''الدیوبندیہ'' جیسی غلاظت سے پُر

کتاب دیکھی اور خود حضرت ندوی کے خلاف غیر مقلد علما نے کتاب لکھی۔ پھر حضرت ندوی کا قلم غیر مقلدین کے خلاف چلنے لگا اور ایک کتاب عربی میں ''الاضواء'' نام سے لکھی اور حضرت مولانا غازی پوری کے کام کو، ان کے برمحل اقدام کو دیکھ کر حضرت علی میاں ندوی دوسرے خط میں تحریر فرماتے ہیں کہ: ''آپ نے جس داخلی فتنے کی طرف اشارہ کیا ہے، اس میں شدت ہوگئی ہے۔ خود ہمارے خلاف ایک ضخیم کتاب عربی میں لکھی گئی ہے۔ ہم سے جو کچھ ہوسکتا ہے اپنے انداز پر اس فتنے کے ازالے کے لیے کررہے ہیں اور آپ کے احساسات وجذبات قابلِ قدر ہیں اور اس سے مکمل اتفاق ہے۔''

بہر حال حضرت غازی پوری کا دوسرا بڑا کارنامہ غیر مقلدیت کی تاریخ اور مستقل ان کی تردید میں ایک انقلابی رسالہ ''زمزم'' کا اجرا ہے، جو محرم ۱۴۱۸ھ سے شروع ہوکر تاحال جاری و ساری رہا، اور کم وبیش پانچ سو عنوانات پر قرآن وسنت اور سلف کے اقوال کی روشنی میں مسلک اہل سنت والجماعت کا موقف پیش کیا۔ مزید اس فرقے کی اساسی وتاریخی کتب پر تنقید وتبصرہ اور علمی گرفت پر مشتمل ذخیرہ جو آئندہ نسل کے لیے حضرت مولانا چھوڑ کر گئے ہیں۔ اور یہ اٹل بات ہے کہ کوئی بھی شخص جب غیر مقلدیت پر کام کرے گا تو حضرت مولانا کو فراموش نہیں کرسکے گا۔



خمارِ سلفیت
ایک مختصر تعارف

مولانا ضیاء الحق خیرآبادی رمدیر مجلّہ رشد وہدایت سہ ماہی
ومدرس مدرسہ تحفیظ القرآن، سکٹھی، مبارک پور، اعظم گڈھ

برصغیر ہندوپاک میں غیر مقلدیت ایک ایسا فتنہ بن گیا ہے جو اپنے علاوہ ہر نظریہ اور فکر کی تغلیط کے درپے ہے، اور ادھر کئی سالوں سے اس کی یہ لے اتنی تیز اور بلند ہوگئی ہے کہ نہ چاہتے ہوئے بھی علمائے حق اس کے سدباب کے لیے قلم اٹھانے پر مجبور ہیں۔ سلفیت کا لبادہ اوڑھ کر احادیث رسول ﷺ کی من پسند تشریح اور تضعیف وتحسین کے ذریعہ سیدھے سادے مسلمانوں کے اذہان وقلوب کو انتشار وپراگندگی میں مبتلا کرنا اور اہل سنت والجماعت کے نظریۂ تقلید کی آڑ میں ائمہ اربعہ بالخصوص امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ والرضوان کو طعن وتشنیع بلکہ تجہیل وتحمیق کا نشانہ بنانا اس فرقہ کے بعض افراد کا پسندیدہ عمل بن چکا ہے۔ جس کے نتیجے میں ملت میں تفریق وانتشار روزافزوں ہے۔ صحیح احادیث کا حوالہ دے دے کر فقہ کے مسلمہ مسائل میں شکوک وشبہات پیدا کرکے عامۃ الناس کے ذہن کو خراب کرنے کا سلسلہ برابر جاری ہے۔ اس طرح تو احادیث کا بیشتر سرمایہ بے روح وبے اعتبار ہوکر رہ جائے گا۔ اتباع سنت (جو درحقیقت اتباع ہویٰ ہے) کے نام پر ہر شخص من مانے طریقے پر دین کی تشریح اور اس کے مطابق عمل کرے گا اور دین کو بازیچۂ اطفال بنائے گا۔ چنانچہ کھلی آنکھوں اس کا مشاہدہ ہورہا ہے۔

مولانا محمد ابوبکر صاحب غازی پوری کی ذات گرامی اس دورِ اخیر میں سنت رسول کی

محافظ و پاسبان اور مسلک سلف کی شارح وترجمان تھی۔ انھوں نے اپنے قلم اور زبان کے ذریعہ فتنۂ غیر مقلدیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کا رخ پھیر دیا اور تنِ تنہا مسلک اہل سنت کے دفاع کا وہ عظیم کارنامہ انجام دیا جو بڑی بڑی اکیڈمیوں اور اداروں کے لیے بھی مشکل تھا۔

یہ واقعہ ہے کہ جب طغیان وعدوان کا سیلاب حد سے گزر جاتا ہے تو من جانب اللہ اس کے سدباب کے لیے اسباب پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں۔ آج سے پندرہ بیس سال پہلے جب غیر مقلدین کی جانب سے علمائے دیوبند کے خلاف ریشہ دوانیوں اور دجل وتلبیس کی انتہا ہوگئی اور 'الـديـوبـنـدية' جیسی کذب وافترا اور بددیانتی وخبث باطن سے لبریز کتاب منظر عام پر آئی تو قدرت حق کو جلال آیا اور مولانا ابوبکر صاحب کی ذات ایک مردِ غیب کی صورت میں ظاہر ہوئی، اور انھوں نے دیوبند اور علمائے دیوبند کی طرف سے دفاع کا بیڑا اٹھایا اور چند ماہ کی جدوجہد کے بعد ''الدیوبندیہ'' کے جواب میں ''وقـفـة مع اللامذهبيه'' اور اس کے کچھ ہی عرصہ بعد ''وقفة مع مـعـارضـى شيـخ الاسـلام .... '' نامی کتاب لکھ ڈالی۔ جس میں غیر مقلدین کو دکھایا کہ جن مسائل کو لے کر تم غیر مقلدین بزبان خویش سلفیوں نے علمائے دیوبند کو مشرک قرار دیا ہے، وہ کل کے کل بلکہ اس سے بھی زیادہ، جیسے: نظریۂ وحدۃ الوجود، قبروں پر طواف، سجدے، غیر اللہ سے توسل، انبیا وصلحا سے استغاثہ، عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے تسلیم نہ کرنا، اور بہت سارے امور میں شیعہ سے مطابقت وغیرہ، تمہارے اندر موجود ہیں۔ اور شیخ محمد عبدالوہاب کے بارے میں تمہارے اکابرین کے یہ خیالات ہیں۔ جب یہ کتاب منظر عام پر آئی اور وہ سارے عقائد ونظریات طشت از بام ہوگئے جن کو سعودی کی ہمنوائی میں یہ چھپائے ہوئے تھے، تو پھر شور مچایا کہ اس کتاب میں حوالے غلط ہیں۔ تو اس کے جواب میں حضرت مولانا غازی پوری نے ''صـور تنطق '' نامی کتاب لکھی، جس میں ان عبارتوں کا عکس دکھایا گیا جن پر یہ شک کرتے تھے۔ پھر ان سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ اتنے ہی پر مولانا نے اکتفا نہ کیا بلکہ درجنوں کتابیں ان کی اس کے بعد شائع ہوئیں اور غیر مقلدیت کے تابوت کی کیل ثابت ہوئیں۔

سب سے بڑھ کر ان کا دوماہی رسالہ ''زمزم'' تھا جو محرم ۱۴۱۸ھ سے ان کی وفات تک بلاناغہ نکلتا رہا تھا، اور ابتدا سے انتہا تک انھی کے قلم کا رہین منت تھا۔ غیر مقلدیت سے چوٹ

کھائے افراد مولانا سے مختلف موضوعات پر سوال کرتے اور مولانا ان موضوعات پر عالمانہ و محدثانہ انداز میں سیر حاصل اور تشفی بخش بحث کرتے جس سے سائل پوری طرح مطمئن ہو جاتا۔

اس وقت ہمارے سامنے مولانا مرحوم کی کتاب ''خمار سلفیت'' ہے جو ان کے رسالہ زمزم کا ایک مقبول ترین کالم تھا، اور ان کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے مولوی عبید الرحمان صاحب کی سعی و کاوش سے کتابی شکل میں منظر عام پر آیا۔ اس میں مولانا غازی پوری نے غیر مقلدین کے افکار و نظریات اور ان کی تدلیس و تحریف کو نہایت واشگاف انداز میں بیان کیا ہے۔ طنز و مزاح پر مشتمل، ہنسی ہنسی میں غیر مقلدین کی کمزوریوں کو ان ہی کی زبان سے بیان کرایا گیا ہے۔ مکالمہ کے طرز پر لکھے گئے یہ مضامین عامۃ المسلمین میں تو مقبول تھے ہی، علمائے حق بھی ان کی معنویت و افادیت کا برملا اعتراف کرتے تھے۔ یہ اپنے موضوع پر ایک جامع کتاب ہے کہ اس میں ان تمام اہم موضوعات پر گفتگو کی گئی ہے جن کو لے کر غیر مقلدین، حضرات ائمہ اور تقلید پر اعتراض کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں ان کا سب سے پسندیدہ ہتھیار یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، مرتبہ استناد سے فروتر ہے، موضوع ہے، ایسی حدیثوں پر عمل جائز نہیں ہے۔ جب کہ خود اسی درجہ کی حدیثوں سے یہ لوگ اپنے مسلک کا اثبات کرتے ہیں۔ اس کی سیکڑوں مثالیں ساڑھے سو صفحات کی اس کتاب میں مل جائیں گی۔ اسی طرح ان کا ایک ہتھیار ''رکعات تراویح'' کا مسئلہ ہے۔ سہولت پسند نئی نسل اسے بہت آسانی سے قبول کر لیتی ہے۔ اسی طرح رفع یدین، قرأت خلف الامام اور آمین بالجہر وغیرہ کے مسئلے پر بلاوجہ کا ہنگامہ برپا رہتا ہے۔ ان سب پر مولانا مرحوم نے سیر حاصل بحث کی ہے اور خود انھیں کی کتابوں سے ان کے عقائد و نظریات کا رد کیا ہے۔ اس کا انداز یہ ہے کہ کسی ایک مسئلہ کو لے کر غیر مقلد باپ بیٹے کی زبان سے ادا کروایا گیا ہے۔ اخیر میں جب کوئی جواب نہیں بن پڑتا ہے اور بیٹا سوال پر سوال کیے جا رہا ہے کہ 'ابو ایسا کیوں ہے؟ ہم واضح دلائل اور صحیح احادیث کی موجودگی میں ایسا کیوں کرتے ہیں؟' تو باپ کا جواب ہوتا ہے کہ 'معلوم نہیں بیٹا! پتہ نہیں بیٹا!' ....

''خمار سلفیت'' کا پہلا ہی مضمون ''صحیح حدیث پر عمل سے گریز'' ہے، ملاحظہ فرمائیں:

صحیح حدیث پر عمل سے گریز:

بیٹا: ابا جی!

باپ: جی بیٹا!

بیٹا: یہ شیخ ناصرالدین البانی کون ہیں؟

باپ: یہ بہت بڑے سلفی محدث ہیں۔

بیٹا: ابا جی! کیا آپ بھی ان کو بہت بڑا سلفی محدث سمجھتے ہیں؟

باپ: میں ہی نہیں بلکہ جماعت اہل حدیث کے تمام لوگ ان کو بہت بڑا محدث سمجھتے ہیں۔ ہماری جماعت کے بہت بڑے عالم ''مولانا اصغر علی بن امام مہدی سلفی'' ان کا نام یوں لیتے ہیں:

''علامہ زماں محدث عصر امام البانی جن کی حدیث شریف میں خدمات کا لوہا دنیا مانتی ہے۔''

(محدث کا شیخ الحدیث نمبر ص ۱۷۸) اور اسی نمبر میں مولانا فرماتے ہیں:

''دنیائے اسلام کے سب سے عظیم محدث علامہ ناصرالدین البانی'' (ص ۱۸۲)

بیٹا: ابا جی! شیخ ناصرالدین البانی جو اتنے بڑے علامہ اور محدث ہیں۔ دیکھئے! یہ اس حدیث کے بارے میں کیا فرماتے ہیں۔

باپ: کون سی حدیث بیٹا!

بیٹا: وہی حدیث جس کو امام ترمذی نے عدم رفع یدین کے بارے میں ذکر کی ہے اور جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے:

عن علقمة قال عبدالله بن مسعود الااصلی بکم صلوٰة رسول اللهصلی اللهعلیه وسلم فلم یرفع یدیه الااول مرة.

یعنی حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں حضور ﷺ جیسی نماز پڑھ کر نہ دکھاؤں؟ چنانچہ آپ ﷺ نے نماز پڑھی اور پہلی مرتبہ یعنی تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرنے کے علاوہ کسی اور جگہ رفع یدین نہیں کیا۔

باپ: بیٹا! اس حدیث کو امام ترمذی اور حافظ ابن حزم نے اگرچہ حسن اور صحیح کہا ہے، مگر یہ حدیث ہمارے علما کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔

بیٹا: مگر علامہ زماں محدثِ دوراں ناصر الدین البانی تو فرماتے ہیں:

والحق انہ حدیث صحیح اسنادہ صحیح علی شرط مسلم ولم نجد لمن اعلہ حجۃ یصلح التعلیق بھا ورد الحدیث من اجلھا. (مشکوٰۃ المصابیح محقق بتحقیق ناصر الدین البانی ج۵ص۲۵۴)

یعنی حق بات یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور اس کی سند مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے اور جن لوگوں نے اس کو معلول قرار دیا ہے، ہمیں ان کی کوئی ایسی دلیل نہیں ملی جس سے استدلال صحیح ہو اور اس کی وجہ سے اس حدیث کو رد کر دیا جائے۔

باپ: بیٹا! اس کتاب کی اس عبارت پر کاغذ چپکا دو اور دیکھو ہرگز ہرگز کسی حنفی مقلد کو اس کی ہوا بھی نہ لگے۔

بیٹا: ابا جی! جب یہ حدیث صحیح ہے تو ہم اس کو مانتے کیوں نہیں۔ صحیح حدیث کو ضعیف قرار دینا تو بہت بڑا گناہ ہے۔

باپ: جی ہاں بیٹا! بات تو ایسی ہی ہے۔

بیٹا: تو ہمارے علمائے کرام اس صحیح حدیث کو محض احناف کی ضد میں ضعیف کہتے ہیں؟

باپ: پتہ نہیں بیٹا! (خمار سلفیت ص:۲۵/۲۶/۲۷)

غیر مقلدیت کا ایک مشن صحابہ کرام کو غیر معتبر ثابت کرنا ہے۔ اس موضوع پر مولانا مرحوم کا مستقل ایک رسالہ بھی ہے ''صحابہ کرام کے بارے میں غیر مقلدین کا نقطۂ نظر''۔ اس کتاب میں ''صحابہ کرام نے غصہ میں غلط فتویٰ دیا'' کے عنوان پر لکھتے ہیں:

صحابہ کرام نے غصہ میں غلط فتویٰ دیا:

بیٹا: ابا جی!

باپ: جی بیٹا!

بیٹا: ابا جی! ہمارے محققین کو صحابہ کرام سے کیوں چڑھ ہے؟

باپ: نہیں بیٹا! ہم لوگ تمام صحابہ کرام کی بڑی عزت کرتے ہیں۔ ہمارے مولانا حکیم صادق سیالکوٹی فرماتے ہیں:

''تمام صحابہ صرف حدیث اور سنت پر چلتے تھے۔'' (سبیل الرسول ص ۴۸)

اور دیکھو فرماتے ہیں کہ:

''ناجی (یعنی نجات پانے والی) جماعت وہ ہے جو رسول اور صحابہ کے طریقہ پر ہوگی۔''

(ایضا: ص ۴۶)

بیٹا: مگر اباجی! صحابہ کرام تو غصہ میں شریعت کا غلط مسئلہ بتلاتے تھے، ان کی راہ پر چلنے والا ناجی کیسے ہوگا؟ دیکھئے جامعہ سلفیہ بنارس کے محقق صاحب فرماتے ہیں:

''یہی غصہ والی بات ان صحابہ کرام کے فتاویٰ میں بھی کارفرما تھی جنھوں نے ایک وقت میں ایک سے زیادہ دی ہوئی طلاق کو واقع بتلادیا۔'' (تنویر الآفاق ص ۱۰۳)

یعنی ہمارے محقق صاحب کا کہنا یہ ہے کہ جن صحابہ کرام نے ایک دفعہ میں دی گئی تین طلاق کو واقع ہوجانے کا فتویٰ دیا، ان کا یہ فتویٰ غلط تھا۔ انھوں نے غصہ میں آکر خلاف شریعت یہ فتویٰ دیا تھا۔

باپ: بیٹا! ہمارے محقق صاحب کی اس قسم کی تحقیقات سے ہمارے مخالفین ہمارے خلاف طوفان برپا کرتے ہیں۔ خدا کے لیے محقق صاحب کی اس کتاب کو چھپا کر رکھ دو، کسی حنفی دیوبندی کے ہاتھ نہ لگ جائے۔

بیٹا: اباجی! تو ہمارے محقق صاحب کی یہ بات غلط ہے؟

باپ: ہاں بیٹا! بالکل غلط، ورنہ صحابہ کرام کی کسی بات پر اعتماد ہی باقی نہیں رہے گا۔ شیعوں کی بن آئے گی کہ دیکھو صحابہ کے بارے میں جو ہمارا عقیدہ ہے وہی ہمارے بھائی اہل حدیثوں کا بھی ہے۔

بیٹا: تو اباجی! صحابہ کرام نے جو ایک وقت میں دی گئی تین طلاق کے واقع ہوجانے کا فتویٰ دیا تھا، وہ صحیح تھا؟

باپ: ذرا آہستہ بولو! دیکھو غازی پوری دیوبندی مولوی ابھی ادھر ہی ہے۔ کہیں وہ ہماری بات نہ سن لے۔

بیٹا: اباجی! اہل حق تو ڈنکے کی چوٹ پر اور علی الاعلان باتیں کرتے ہیں۔ ہم اہل حدیث

لوگ چھپ چھپ کر کیوں باتیں کرتے ہیں؟

باپ: پتہ نہیں بیٹا! (ص:۸۷/۸۸)

غیر مقلدین ہر منفرد و مقتدی کے لیے ہر ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض قرار دیتے ہیں، جب کہ ان کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ اس ضمن میں مولانا ص:۹۳ پر لکھتے ہیں:

بیٹا: ابا جی!

باپ: جی بیٹا!

بیٹا: ہم لوگ اہل حدیث ہیں نا؟ یعنی حدیث ہی پر عمل کرنے والے لوگ؟

باپ: جی بیٹا! ہم لوگ اہل حدیث ہیں۔ ہم لوگ جو بات حدیث سے ثابت ہوتی ہے اسی پر عمل کرتے ہیں۔

بیٹا: ہم اہل حدیث لوگ سورہ فاتحہ نماز کی ہر ہر رکعت میں بطور فرض پڑھتے ہیں۔

باپ: جی بیٹا! نماز کی ہر ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے۔

بیٹا: ابا جی! نماز کی ہر ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا کس حدیث سے ثابت ہے؟

باپ: بیٹا! حدیث میں ہے ''لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب''، یعنی جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز ہی نہیں ہوتی ہے۔ اس لیے نماز کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔

بیٹا: ابا جی! اگر کسی نے نماز میں ایک دفعہ سورہ فاتحہ پڑھ لیا تو فاتحہ کا پڑھنا نماز میں ثابت ہو گیا۔ وہ حدیث سنایئے جس سے معلوم ہو کہ دو رکعت والی نماز میں سورہ فاتحہ دو دفعہ پڑھی جائے گی اور تین رکعت والی نماز میں تین دفعہ اور چار رکعت والی نماز میں چار دفعہ۔

باپ: بیٹا! ایسی صحیح حدیث تو ہمیں یاد نہیں ہے جس سے دو رکعت والی نماز میں دو دفعہ اور تین رکعت والی نماز میں تین دفعہ اور چار رکعت والی نماز میں چار دفعہ سورہ فاتحہ کا پڑھنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

ابن حبان اور امام احمد کی ایک روایت سے اس کا پتہ چلتا ہے مگر اس کی صحت کی ہمیں تحقیق نہیں۔

بیٹا: ہمارے اہل حدیث علما کی کتابوں میں تو ایسی صحیح حدیث ضرور ہوگی۔

باپ: پتہ نہیں بیٹا! (ص:۹۳/۹۴)

شیخ الکل فی الکل حضرت میاں نذیر حسین نے فتاویٰ نذیریہ میں لکھا ہے کہ تقلید نہ کسی آیت قرآنیہ سے ثابت ہے اور نہ ہی کسی حدیث سے۔اس پر مولانا غازی پوری پلٹ وار کرتے ہوئے خود انھیں کے ایک بڑے امام نواب بھوپالی کے فرمان سے جواب دیتے ہیں:

بیٹا: ابا جی!

باپ: جی بیٹا!

بیٹا: ابا جی! تقلید کے بارے میں ہمارے علما کی واضح بات بتلائیں کہ تقلید جائز ہے کہ ناجائز؟

باپ: بیٹا! فتاویٰ نذیریہ ہمارے فتاویٰ کی کتابوں میں سب سے معتبر کتاب ہے۔اس میں لکھا ہے کہ تقلید نہ کسی آیت قرآنیہ سے ثابت ہے اور نہ کسی حدیث سے۔اور نہ کسی امام نے اپنی تقلید کرنے کی اجازت دی ہے۔تقلید کے بطلان پر بہت اچھے اچھے رسالے تصنیف ہو چکے ہیں۔ (ج اص ۱۶۴)

اس سے معلوم ہوا کہ تقلید جس کا ثبوت نہ قرآن سے ہے اور نہ حدیث سے۔یہ باطل چیز ہے۔

بیٹا: مگر ابا جی! ہمارے نواب بھوپالی صاحب تو فرماتے ہیں:

"ووجب علی العامی تقلیده" (لفظة العجلان ص۱۳۷)

یعنی عامی آدمی پر مجتہد کی تقلید واجب ہے۔

اور اس پر حضرت معاذ والی حدیث سے استدلال کیا ہے، یعنی تقلید کا وجوب حدیث سے ثابت کیا ہے۔اور شیخ الکل فی الکل حضرت میاں صاحب نے اپنی مایہ ناز کتاب 'معیار الحق' میں فرماتے ہیں "تقلید کی چار قسم ہے" اول واجب ہے اور ایک قسم مباح لکھی ہے۔

باپ: واجب کون تقلید ہے؟ اور مباح کون سی ہے؟

بیٹا: ابا جی! میاں صاحب فرماتے ہیں کہ عوام کے لیے بلا تعیین کسی بھی امام کی تقلید واجب ہے اور تعیین کے ساتھ مباح ہے۔یعنی تقلید غیر شخصی واجب ہے اور تقلید شخصی مباح ہے۔

ابا: بیٹا! دیکھو نواب صاحب اور میاں صاحب کی یہ بات آؤٹ نہ ہو کہ تقلید واجب اور مباح ہے۔ اس ماہ کی ۱۵؍ تاریخ کو صوفی غمگین حنفی کو محدث شکن جبین حفظہ اللہ نے تقلید کے بارے میں مناظرہ کا چیلنج دیا ہے۔ اگر یہ بات آؤٹ ہوگئی تو صوفی غمگین کا مناظرہ جیت جانا یقینی ہے۔

بیٹا: مگر ابا جی! جب تقلید قرآن سے ثابت ہے اور نہ حدیث سے تو تقلید واجب یا مباح کیسے ہوگئی؟ ابا جی! میاں صاحب والی کتاب معیار الحق میں یہ بھی لکھا ہے کہ ''جو کوئی مجتہد کے قول پر عمل کرے گا وہ دونوں جہاں میں ثواب پائے گا۔ (ص ۶۹)

ابا جی! گر تقلید حرام اور شرک ہے تو مجتہد کی تقلید کرنے والے کو دونوں جہاں میں ثواب کیوں ملے گا؟

باپ: بیٹا! اپنے علما کی ان گورکھ دھندھوں والی تحریروں کو دیکھ کر میرا دماغ چکرانے لگا ہے۔

بیٹا: ابا جی! ہمارے علما علمی میدان میں گورکھ دھندھا کیوں چلاتے ہیں؟

باپ: پتہ نہیں بیٹا! (ص ۳۵۹۔۳۶۰)

غیر مقلدین بڑے طنطنے سے ہمیں اندھی تقلید کا طعنہ دیتے ہیں۔ اس پر مولانا لکھتے ہیں:

اندھی تقلید:

بیٹا: ابا جی!

باپ: جی بیٹا!

بیٹا: ابا جی! آج کے درس میں شیخ جمن حفظہ اللہ مقلدین کے بارے میں بار بار فرمارہے تھے کہ مقلدین ائمہ کی اندھی تقلید کرتے ہیں۔ اندھی تقلید کا کیا مطلب ہے؟

باپ: اندھی تقلید کا مطلب ہے کہ آدمی اپنی عقل کو استعمال نہ کرے اور دوسروں کی پیروی میں لگ جائے اور اس کو صحیح و غلط کا پتہ نہ لگے۔

بیٹا: ابا جی! اگر اندھی تقلید کا یہی معنی ہے تو مقلدین اپنے ائمہ کی اندھی تقلید نہیں کرتے۔ یہ تو سراسر جھوٹ ہے۔

باپ: تمھیں کیسے پتہ کہ وہ اندھی تقلید نہیں کرتے؟

بیٹا: میں نے جس مقلد سے بات کی تو وہ یہی کہتا ہے کہ ہم جس آدمی کو کتاب وسنت کا ماہر اور دیانت وتقویٰ میں ممتاز اور کتاب وسنت کا عاشق سمجھتے ہیں اور جس کی فہم، جس کے علم پر ہمیں اعتماد ہوتا ہے،ہم اس کو اپنا امام بناتے ہیں اور اس کی رہنمائی میں شریعت کے مسائل پر عمل کرتے ہیں۔ یہ تو سمجھ بوجھ کر تقلید ہوئی اندھی تقلید کہاں ہوئی؟ تقلید تو ہوئی مگر اندھی نہیں۔

باپ: بیٹا! تو تمہاری بات صحیح ہے تو پھر اندھی تقلید کیا ہوتی ہے؟

بیٹا: ابا جی! اندھی تقلید کا مفہوم تو وہی ہے جو آپ نے فرمایا ہے مگر یہ تقلید مقلدین کے یہاں نہیں ہے۔اس کی مثال ہمارے علما کے یہاں ملتی ہے۔

باپ: تم کیا کہہ رہے ہو بیٹا! اہل حدیث اور تقلید اور وہ بھی اندھی تقلید! تمہارا دماغ تو صحیح ہے؟

بیٹا: ابا جی! میرا دماغ بالکل صحیح ہے۔ میں اندھی تقلید کی مثال آپ کے سامنے اپنے مشہور عالم مولانا داؤد راز کی کتاب 'ترجمہ صحیح' اور اس کے حاشیہ سے نکال کر دکھاتا ہوں۔ بخاری شریف جلد اول میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک باب قائم کیا ہے جس کا عنوان ہے ''**باب الاذان بعد الفجر**'' اس میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث نقل کی ہے: ''**ان رسول اللہ کان اذا اعتکف المؤذن للصبح وبدا الصبح صلی رکعتین خفیفتین.**'' اور اس کا ترجمہ کیا ہے: حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے خبر دی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ جب مؤذن صبح کی اذان صبح صادق کے طلوع ہونے کے بعد دے چکا ہوتا تو اذان اور تکبیر کے بیچ نماز قائم ہونے سے پہلے دو ہلکی سی رکعتیں پڑھتے۔ (ج اص ۵۹۶/ترجمہ داؤد راز)

آپ خود فرمائیں ابا جی! کہ حدیث کے الفاظ میں اذان کا کہیں ذکر نہیں ہے، مگر چونکہ امام بخاری نے اذان کا باب قائم کیا ہے، اس لیے داؤد راز صاحب نے بلا عقل کا استعمال کیے ہوئے **اعتکف** کا ترجمہ اذان کر دیا ہے، اور قطعاً غور نہیں کیا کہ **اعتکف** کا ترجمہ اذان ہرگز نہیں ہوتا ہے۔

باپ: بیٹا! داؤد راز صاحب تو ہماری جماعت کے بہت بڑے عالم ہیں، ان سے ایسی بے عقلی کی بات کیسے صادر ہوئی؟

بیٹا: ابا جی! چونکہ ہم لوگوں کو امام بخاری سے غایت درجہ عقیدت ہے، اس لیے ہم ان کی تقلید

میں گرفتار ہیں۔ بخاری جو کہہ دیں گے وہی حق ہوگا، خواہ وہ بات ناحق ہی کیوں نہ ہو۔ اس کا نام اندھی تقلید ہے۔

دوسری بات جو اندھی تقلید کی ہے وہ یہ ہے کہ داؤد راز صاحب نے بلا سوچے سمجھے امام بخاری کی اس غلط حدیث کو ان کی اندھی تقلید کے نتیجہ میں صحیح سمجھ کر نقل کر دیا۔ بخاری نے **اعتکف** لفظ غلط نقل کیا ہے۔ یہ **سکت** کا محرف ہے، یعنی اصل حدیث کا لفظ یہ ہے: **اذا سکت المؤذن** امام بخاری نے سکت کو اعتـــــکف نقل کیا ہے اور بخاری کی اندھی تقلید میں راز صاحب نے بھی بخاری ہی کا لفظ دہرایا ہے۔

باپ: بیٹا! خیر اس کا تذکرہ دیکھو کسی حنفی دیوبندی سے مت کر دینا۔

بیٹا: مجھے کیا غرض ہے ابا جی! کہ اپنی جماعت کے مشہور عالموں میں سے کسی عالم کی ہنسی اڑواؤں۔ مگر بات چھپتی کہاں ہے چھپانے سے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ طٰہٰ شیرازی خمار سلفیت والے کے ہاتھ داؤد راز کا ترجمہ لگ گیا ہے۔

باپ: یہ تو بہت برا ہوا بیٹا!

بیٹا: ابا جی! کیا داؤد راز کو پتہ نہیں چل سکا کہ اصل حدیث کا لفظ کیا ہے؟

باپ: پتہ نہیں بیٹا!

حکیم صادق سیالکوٹی کی کتاب ''صلوٰۃ الرسول'' کو دنیائے غیر مقلدیت میں بڑا اعتبار حاصل ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ یہ بلند بانگ دعویٰ بھی کہ ہم صرف صحیح احادیث پر ہی عمل کرتے ہیں۔ اس پر یہ تحریر پڑھئے اور سر دھنئے:

حکیم صادق صاحب کی کتاب صلوۃ الرسول ایک غیر مقلد کی نگاہ میں:

بیٹا: ابا جی!

باپ: جی بیٹا!

بیٹا: ایک مقلد لڑکے نے بڑی اودھم مچا رکھی ہے۔

باپ: کیا ہوا بیٹا!

بیٹا: ابا جی! وہ ہماری مسجد کے مصلیوں سے کہہ رہا ہے کہ تم لوگوں کی نمازیں ضعیف احادیث والی ہیں۔تمہارے علما نے آج تک ایک کتاب بھی صحیح احادیث والی نماز کی نہیں لکھی ہے اور نہ قیامت تک لکھ سکتے ہیں، جس میں نماز کا مفصل بیان صحیح احادیث سے ثابت کریں۔

باپ: بیٹا! صلوۃ الرسول مولانا حکیم صادق سیالکوٹی کی اس کو دکھاؤ۔اس میں صحیح احادیث کی روشنی میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کا طریقہ بیان کیا گیا ہے۔

بیٹا: ابا جی! وہ لڑکا پڑھا لکھا ہے۔اس نے صلوۃ الرسول کو ضرور پڑھا ہوگا۔صلوۃ الرسول کتاب پر غازی پوری مولانا نے جو نقد کیا ہے اس کو بھی پڑھا ہوگا، تبھی تو وہ اتنا بڑا دعوی کر رہا ہے۔

باپ: بیٹا! کیا صلوۃ الرسول حکیم صادق صاحب کی کتاب میں بھی ضعیف احادیث ہیں؟

بیٹا: ابا جی! وہ کتاب تو ضعیف کا بھنڈار ہے۔چوراسی احادیث کا نقشہ اس کتاب میں پیش کیا گیا ہے۔

باپ: بیٹا! ہمارے گھر میں جو صلوۃ الرسول ہے اس میں تو کوئی نقشہ نہیں ہے۔مولانا صادق رحمۃ اللہ علیہ نے کس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔

بیٹا: ابا جی! یہی تو المیہ ہے۔مولانا صادق صاحب نے ہماری جماعت کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔اپنی کتاب کو ضعیف احادیث سے بھر رکھا ہے، مگر کسی حدیث کے بارے میں واضح نہیں کیا کہ وہ ضعیف حدیث ہے۔

باپ: بیٹا! تم کو کیسے معلوم ہوا کہ اس کتاب میں چوراسی ضعیف احادیث ہیں؟

بیٹا: ابا جی! اس کا بھانڈا تو خود ہماری جماعت کے ایک عالم نے جن کا نام عبدالرؤف بن عبدالحنان ہے اور وہ مدینہ یونیورسٹی کے فارغ ہیں، انھوں نے پھوڑا ہے۔انھوں نے اس کتاب کی تحقیق کی ہے تو ان کو معلوم ہوا کہ یہ کتاب ضعیف احادیث کا بھنڈار ہے۔اور ان احادیث کو مولانا صادق صاحب نے صحیح بنا کر کے پیش کیا ہے۔ابا جی! اس کتاب میں بعض احادیث تو ضعیف ہی نہیں بہت سخت ضعیف ہیں۔

باپ: بیٹا! ذرا دو ایک مثالیں دو۔مجھے اس کتاب سے غایت درجہ عقیدت ہے۔

بیٹا: ابا جی! مثالیں جاننے سے پہلے کتاب کے محقق جناب عبدالرؤف بن عبدالحنان کی اس

کتاب کے بارے میں جو رائے ہے وہ تو معلوم کرلیں۔ وہ فرماتے ہیں:

''مولف نے بعض مسائل میں تحقیق کا التزام نہیں کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کچھ مسائل میں ان سے عجیب تساہل ہوا ہے۔''

پھر اس کو تین مثالوں سے واضح کیا ہے۔ مزید لکھتے ہیں:

''مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب میں کئی ایک ضعیف احادیث بھی ذکر کی ہیں۔ ان ضعیف احادیث کے لیے درج ذیل نمبر دیکھیں۔''

پھر انھوں نے چوراسی ضعیف احادیث کو شمار کرایا ہے۔

مزید فرماتے ہیں کہ'' واضح رہے کہ یہ احادیث ان احادیث کے علاوہ ہیں جو اپنے طرق وشواہد کی بنا پر صحیح یا حسن درجہ کی ہیں۔''

اس کا مطلب یہ ہے کہ مصنف نے یعنی حکیم صاحب نے جو حدیث ذکر کی ہے وہ تو اصلاً ہیں ضعیف مگر شواہد یا متعدد سندوں سے مروی ہونے کی وجہ سے ان کو حسن یا صحیح کا درجہ دیا گیا ہے۔ مزید لکھتے ہیں:

''اس مقام پر جو بات قابل مواخذہ ہے وہ یہ ہے کہ ان ضعیف احادیث میں سے ایسی بھی احادیث ہیں جن کے ضعیف ہونے کی صراحت خود ان کتابوں میں موجود ہے جن کے حوالے سے مصنف نے انھیں ذکر کیا ہے۔ لیکن انھوں نے ان احادیث کو ذکر کرتے وقت ان کے ضعف کی طرف اشارہ تک نہیں کیا ہے۔''

باپ: توبہ استغفر اللہ، بیٹا! اب اس سلسلہ کو بند کرو۔ اس کتاب کی ضعیف احادیث کی نشاندہی کرو۔

بیٹا: ابا جی! چوراسی کی چوراسی احادیث کو ذکر کروں یا دو ایک بطور مثال کافی ہوں گی؟

بیٹا: اچھا سنئے ابا جی! مولانا نے یہ حدیث ذکر کی ہے: ''حضور اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص نماز کی ایک رکعت پائے تو اس کو دوسری رکعت اس کے ساتھ ملا لینی چاہئے اور جس کو دونوں رکعتیں نہ ملیں تو اس کو چار رکعت نماز ظہر پڑھنی چاہئے۔'' اور حوالہ دیا ہے دارقطنی کا۔ اس حدیث کے بارے میں محقق صاحب فرماتے ہیں: ''یہ سند سخت ضعیف ہے۔ ابو حاتم فرماتے ہیں کہ اس کی کوئی اصل

نہیں۔''

مصنف نے ابوداؤد کے حوالہ سے یہ حدیث ذکر کی ہے: ''امام کو بیچ میں رکھو اور شگافوں کو بند کرو۔'' محقق فرماتا ہے کہ حدیث ضعیف ہے۔

حکیم صاحب نے سینہ پر ہاتھ باندھنے والی حدیث صحیح ابن خزیمہ کے حوالہ سے ذکر کی ہے۔ محقق صاحب فرماتے ہیں کہ ''یہ سند ضعیف ہے۔ کیوں کہ اس کا راوی مؤمل بن اسماعیل 'سیئ الحفظ' (برے حافظہ والا) ہے۔ ابوزرعہ نے کہا کہ یہ بہت غلطیاں کرتا ہے۔ امام بخاری نے اس کو منکر الحدیث کہا ہے۔'' (یہ امام بخاری کی کسی راوی کے بارے میں بہت سخت جرح ہے۔)

باپ: بیٹا! میرے سر میں سخت درد ہو رہا ہے۔ مجھے اس کتاب سے بڑی عقیدت تھی مگر اب معلوم ہوا کہ حکیم صادق نام کے ہمارے عالم بھی بڑے غیر صادق ہوتے ہیں۔ **لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم**.

بیٹا: ابا جی! اب یہ کتاب ہماری جماعت کی طرف سے تقسیم نہیں ہوتی۔ کیا اس کی حقیقت معلوم ہو جانے کے بعد ہماری جماعت نے اس کو تقسیم کرنا بند کر دیا ہے؟

باپ: پتہ نہیں بیٹا!

اس کتاب کا آخری مضمون پڑھئے اور دیکھئے کہ تائید مسلک میں کتنے بڑے بڑے حضرات قلابازیاں کھا جاتے ہیں۔ وہی چیز جو دوسروں کے حق میں عیب تھی، کس طرح اپنے حق میں ہنر بن جاتی ہے۔ مولانا لکھتے ہیں:

خمار سلفیت:

بیٹا: ابا جی!

باپ: جی بیٹا!

بیٹا: ابا جی! یہ زہری صاحب کون ہیں؟

باپ: بیٹا! تم تو حدیث کی کتابیں پڑھتے ہو، تم کو معلوم نہیں کہ زہری صاحب کون تھے؟ تم ان کو زہری صاحب کہہ رہے ہو۔ یہ حضرت امام زہری رحمۃ اللہ علیہ جلیل القدر محدث تھے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ امام اہل مدینہ کے شیخ تھے۔ اپنے زمانہ کے **اعلم بالسنۃ** یعنی سنت کے سب سے

بڑے عالم اور جانکار تھے۔''تحفۃ الاحوذی'' میں ان کے بارے میں لکھا ہے''المتفق علی جلالتہ و امامتہ''یعنی ان کی جلالت شان اور امامت فی الحدیث پر علما کا اتفاق ہے۔ بخاری شریف اور مسلم شریف ان کی حدیثوں سے بھری ہیں۔ ایسے امام سے تم ناواقف ہو اور ان کو''زہری صاحب'' کہہ رہے ہو!

بیٹا: آپ امام زہری کے بارے میں یہ کہہ رہے ہیں اور ان کی اتنی تعریف کر رہے ہیں اور یہ بتلا رہے ہیں کہ مولانا مبارک پوری صاحب نے ان کی'تحفۃ الاحوذی' میں بڑی تعریف کی ہے مگر مبارک پوری صاحب تو ان کی روایتوں کو جو امام زہری''عن'' سے روایت کرتے ہیں، ان کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں، اور کہتے ہیں کہ وہ''مدلس'' تھے۔ (مدلس اس راوی کو کہتے ہیں کہ وہ اپنے زمانہ کے کسی راوی سے روایت کرے، جس سے اس کی ملاقات نہ رہی ہو، مگر اس سے روایت کرنے سے یہ وہم پیدا ہو کہ اس نے اس سے ملاقات کی ہے اور اس سے اس حدیث کو سنا ہے)

باپ: نہیں بیٹا! حضرت مبارک پوری صاحب تو بڑے زبردست محدث تھے، وہ امام زہری کے بارے میں ایسی بات کیوں کہیں گے؟ مجھے یقین نہیں آتا۔

بیٹا: ابا جی! بات وہی ہے جو میں کہہ رہا ہوں۔ یہ بات مجھے شیخ کلو حفظہ اللہ سے معلوم ہوئی اور ان کو ایک دیوبندی سے معلوم ہوئی اور اس دیوبندی مولوی کو''ابکار المنن''کتاب مؤلفہ مبارک پوری سے معلوم ہوئی۔ میں نے جامعہ سے'ابکار المنن' کتاب نکال کر اپنی دونوں آنکھوں سے دیکھا ہے۔ میں ابکار المنن کتاب کو لے کر آیا ہوں............ دیکھئے یہ ابکار المنن کا ایک سو ستانوے صفحہ ہے۔ اس میں حضرت ابن عمرؓ کی حدیث جو مصنف عبدالرزاق میں زہری کی سند سے ہے اور بالکل صحیح ہے اس کو رد کرتے ہوئے مولانا مبارکپوری فرماتے ہیں:

''فی اسنادہ الزھری ورواہ عن سالم بالعنعنۃ فیکف یکون صحیحاً.''

یعنی اس حدیث کی سند میں زہری ہیں اور انھوں نے حدیث کو سالم سے'عن' سے روایت کیا ہے۔ اس لیے اس کی سند صحیح کیسے ہوگی؟

اور ابا جی! یہ دیکھئے ابکار المنن صفحہ ایک سو اٹھارہ......اس میں حضرت ابوہریرہؓ کی یہ حدیث ہے: وہ فرماتے ہیں کہ''اگر میرے کپڑے میں منی لگی ہوتی ہے اور مجھے لگنے کی جگہ نظر آتی

ہے تو میں اس جگہ کو دھوتا ہوں، ورنہ پورا کپڑا دھوتا ہوں۔'' علامہ نیموی نے جب یہ کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے تو مبارک پوری صاحب فرماتے ہیں:

''قلت فی سندہٖ الزھری وھو مدلس وراوہ عن طلحۃ ابن عبد اللہ بالعنعۃ فکیف یکون اسنادہ صحیحاً.''

یعنی میں کہتا ہوں کہ اس کی سند میں زہری ہیں اور وہ مدلس تھے۔انھوں نے اس راویت کو طلحہ بن عبداللہ سے 'عن' سے روایت کیا ہے۔اس لیے اس کی سند کیسے صحیح ہوگی؟

باپ: اناللہ وانا الیہ راجعون۔

بیٹا: ابا جی! آپ بار بار یہ اناللہ کیوں پڑھ رہے ہیں؟

باپ: بیٹا! اناللہ نہ پڑھوں تو کیا کروں! مولانا مبارک پوری نے نیموی کی ضد میں اہل حدیث کا بیڑا ہی غرق کردیا۔

بیٹا: کیا ہوا ابا جی؟

باپ: بیٹا! تم کو معلوم نہیں کہ ہم لوگوں کی قرأت خلف الامام والی جو حدیث بخاری شریف میں ہے اس کو بھی تو امام زہری روایت کرنے والے ہیں اور اس حدیث کو انھوں نے محمود بن ربیع سے 'عن' سے روایت کیا ہے۔تو مبارک پوری صاحب کے الفاظ میں'' **کیف یکون اسنادہ صحیحاً**'' اس کی سند کیسے صحیح ہوگی؟ جب سند صحیح نہیں ہوگی تو حدیث کیسے صحیح ہوگی؟ اور جب حدیث صحیح نہیں ہوگی تو سورہ فاتحہ پڑھنا صحیح نہیں ہوگا تو نماز کیسے صحیح ہوگی؟ اور جب نماز صحیح نہ ہوگی تو ہم متبع رسول کیسے کہلائیں گے؟ اور جب متبع رسول نہیں ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ہم سے راضی کیسے ہوگا؟ اور جب اللہ راضی نہیں ہوگا تو ہم جنت میں کیسے جائیں گے؟ میں اناللہ وانا الیہ راجعون نہ پڑھوں تو کیا کروں؟

بیٹا: ابا جی! جب ہم جنت میں نہیں جائیں گے تو کہاں جائیں گے؟

باپ: پتہ نہیں بیٹا!

یہ چند اقتباسات بطور نمونے کے قارئین کے سامنے پیش کردیے گئے۔پوری کتاب کا یہی طرز و اسلوب اور انداز ہے۔ہر بات مدلل، مسکت اور غیر مقلدیت کے بے لگام گھوڑے کو

لگام دینے والی اور اس فتنہ کے خدوخال واضح کرنے والی اور اس فتنہ سے محفوظ رکھنے والی ہے۔اس سے ان عام مسلمانوں کو بطور خاص فائدہ ہوگا جو غیر مقلدین کے نشانے پر رہتے ہیں۔اس وقت غیر مقلدین کا زیادہ زور دیہات وقصبات کے سادہ لوح عوام، کالج کے نوجوان اور دوسرے کم علم لوگوں پر ہوتا ہے۔وہاں یہ جاکر مسئلہ تقلید، رفع یدین[ا] قرأت خلف الامام، آمین بالجہر اور تعداد رکعات تراویح وغیرہ جیسے موضوعات پر لوگوں کے ذہن ودماغ کو مسموم کرتے ہیں اور بخاری ومسلم کا حوالہ دے دے کر بہت آسانی سے اختلاف وشقاق کا بیج بوکر چلے جاتے ہیں۔اور بات مسائل سے گزر کر توہین ائمہ واستخفاف صحابہ تک جا پہنچی ہے، ورنہ یہ مسائل تو صدیوں سے مختلف فیہ چلے آرہے ہیں لیکن جوتم پیزار کا یہ ماحول کبھی نہ تھا۔اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے۔



ا) رفع یدین وآمین بالجہر اور بھی بہت سے مسائل کا تعلق اولیٰ وغیر اولیٰ سے ہے۔اس جگہ مجھے دوواقعات یاد آرہے ہیں جو استاذی مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی نے اپنی کتاب ''چاند شاہ صاحب...'' میں نقل کیا ہے، جی چاہتا ہے کہ اسے یہاں حاشیہ میں نقل کردوں:

''سلطان شاہ صاحب کے منجھلے صاحبزادے حضرت مولانا دین محمد صاحب نے مشہور غیر مقلد عالم مولانا حافظ عبداللہ صاحب غازی پوری کی خدمت میں حدیث کا درس لیا تھا۔وہاں سے فارغ ہوکر گھر آئے تو استاذ کے اثر سے نمازوں میں رفع یدین کرنے لگے۔شاہ صاحب نے انہیں پہلی دفعہ رفع یدین کرتے دیکھا تھا، جب نماز سے فارغ ہوئے تو شاہ صاحب نے انھیں اپنے پاس بلایا اور اپنے سادہ دیہاتی لہجہ میں مخاطب کیا کہ'اے ڈِنُّو یہ نماز میں ہاتھ کیوں اٹھا رہے تھے؟' مولانا نے عرض کیا کہ بابا! نماز میں ہاتھ اٹھانا سنت ہے۔فرمایا اچھا ہم کو تو معلوم ہی نہ تھا کہ یہ سنت ہے۔ہماری اتنی لمبی عمر ہوگئی اور کتنے عالم علما سے ملاقات ہوئی مگر کسی نے نہ بتایا کہ یہ بھی سنت ہے۔پھر کہنے لگے کہ گھر کا عالم بنانے میں کتنا فائدہ ہے۔اب معلوم ہوا کہ یہ سنت ہے لیکن بھیا! یہ تو بتاؤ کہ اتنی عمر ہوگئی اور ہم نے اب تک نماز بغیر ہاتھ اٹھائے پڑھی ہے تو وہ سب نماز تو خلاف سنت ہوئی، اب کیا کریں؟ مولانا نے عرض کیا نہیں بابا! وہ خلاف

سنت نہیں ہوئی، ہاتھ کا نہ اٹھانا بھی حدیث سے ثابت ہے۔ شاہ صاحب نے تب جھٹک کر فرمایا جب وہ بھی سنت ہے تب اسے چھوڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ ابھی لوگوں میں اختلاف شروع ہوجائے گا۔ مولانا دین محمد صاحب سمجھ گئے اور انھوں نے رفع یدین ترک کردیا۔''

''اسی طرح کا واقعہ حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہید کے ساتھ بھی پیش آیا تھا۔ یہ واقعہ علمائے دیوبند کے مشہور راوی امیر شاہ خاں صاحب نے بیان کیا ہے جسے ارواح ثلثہ میں نقل کیا گیا ہے۔ وہ یہ کہ ایک بار مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے نمازوں میں رفع یدین شروع کردیا اس کے متعلق حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی سے عرض کیا گیا۔ انھوں نے اپنے چھوٹے بھائی، قرآن کریم کے مشہور مترجم ومفسر حضرت شاہ عبدالقادر صاحب سے فرمایا کہ تم مولوی اسمٰعیل سے بات کرو، حضرت شاہ عبدالقادر صاحب نے حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب کے واسطے سے کہلوایا کہ تم رفع یدین چھوڑ دو، اس سے خواہ مخواہ فتنہ ہوگا۔ مولانا اسمٰعیل صاحب نے جواب دیا کہ اگر عوام کے فتنے کا خیال کیا جائے تو اس حدیث کے کیا معنی ہوں گے: **من تمسک بسنتی عند فساد امتی فله اجر مائة شهيدٍ** (جس نے میری امت کے بگاڑ کے وقت میری سنت کو مضبوطی کے ساتھ تھاما، اس کے لیے سو شہیدوں کا اجر ہے) کیوں کہ جو کوئی سنت متروکہ کو اختیار کرے گا عوام میں ضرور شورش ہوگی۔ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب سے جب یہ جواب نقل کیا گیا تو فرمایا'' ہم تو سمجھے تھے کہ اسمٰعیل عالم ہوگیا ہے۔ مگر وہ تو ایک حدیث کا معنی نہ سمجھا۔ یہ حکم تو اس وقت ہے جب سنت کے مقابل خلاف سنت ہو۔ اور یہاں سنت کا مقابل خلاف سنت نہیں، بلکہ دوسری سنت ہے۔ کیوں کہ جس طرح رفع یدین سنت ہے، یوں ہی ارسال (ترک رفع یدین) بھی سنت ہے۔'' مولانا محمد اسمٰعیل صاحب اس پر خاموش رہے۔'' (ص:۸۱/۸۲)

بس ان مسائل کی حقیقت اتنی ہی ہے جتنی ان دونوں واقعات میں نظر آرہی ہے، جب ایک طرف سے اس میں شدت پیدا ہوئی اور اسے دین وایمان کا مسئلہ بنادیا گیا تو دوسری طرف سے جواب میں شدت کا پیدا ہونا ایک فطری بات تھی۔ جس کے نتیجے میں اختلاف کی یہ گرم بازاری سامنے ہے۔



''ارمغان حق'' (جلد اول) ایک تفصیلی مطالعہ

مفتی شرف الدین عظیم قاسمی
امام وخطیب مسجد انوار شیواجی نگر گونڈی۔ممبئی

اٹھارہ سوستاون کے ناکام انقلاب کے بعد ہندوستان کے طول وعرض کے آفاق پر پھیلنے والی سیاسی تاریکیوں کے بطن سے بے شمار خارجی وداخلی فتنوں نے جنم لیا اور پوری طاقت و قوت سے اسلامی تہذیب وثقافت اور اس کی روشن تعلیمات پر ان فتنوں نے حملہ شروع کیا۔ اسلامی تمدن کو داغدار کرنے کے لیے عیسائی مشنریاں حرکت میں آ گئیں۔مستشرقین کے دماغ وقلم قرآن وحدیث کے محکمات میں خروج وبغاوت اور تشکیک وتعریض کی راہ ہموار کرنے میں سرگرم ہو گئے۔ ہندومت کی تنظیموں نے بے ہنگم طریقہ سے نظام اسلام اور دستور قرآن وحدیث کو برسر عام نشانہ بنانا شروع کر دیا تو نظام قدرت کے مطابق اس خاردار صحرا کی طوفانی ہواؤں میں اسلامی شمع کی حفاظت وصیانت میں ایمان وعمل اور استقلال وعزیمت کی داستان رقم کرنے والی صاحب عزیمت شخصیات بھی رونما ہوئیں، جن کی ایمانی وروحانی نسبتیں شاہراہ دیوبند اور دبستان ولی اللہ وابوحنیفہ سے ہوکر محسن انسانیت رسول عربی ﷺ تک پہنچتی ہیں۔دشمنان اسلام کی ہرزہ سرائیوں کے خلاف ان کے مجاہدانہ کارنامے مناظرانہ سرگرمیاں اور علمی وتحقیقی جولانیاں اس قدر جرأت مندانہ اور بے باکانہ انداز میں ظہور پذیر ہوئیں کہ مذکورہ فتنے خوف زدہ ہوکر جاں بلب ہو گئے۔اور ان کی خودساختہ مفروضات کی بنیاد پر قائم ہونے والی اعتراضات کی عمارتیں زمین بوس ہو گئیں۔کذب وافترا کی بدلیاں چھٹ گئیں اور اندھیرے قافلۂ اسلامی کے قدموں کی آہٹوں

کوسن کر راستے بدلنے پر مجبور ہوگئے۔

اسلام اور دیگر مذاہب کے مابین علمی تصادم اور تہذیبی کشمکش کے نتیجے میں دم توڑنے والے خارجی فتنوں سے ابھی امت مسلمہ مکمل طور پر آزاد نہیں ہونے پائی تھی کہ حطام دنیا کے حصول کے ناپاک جذبات اور ہوائے نفس کے زیر اثر اور اسلامی تعلیم وعقائد کی علم برداری کے نام نہاد نعرے کے ساتھ نیا فتنہ ظہور پذیر ہوا۔فرنگی استعماریت کے ظلم واستبداد کے نتیجے میں جب ہندوستان کی علمی و مذہبی فضائیں زخم زخم اور لہولہو تھیں اور وقت کا کارواں اتحاد اسلامی کے تقاضوں کی اہمیت سے لوگوں کو روشناس کرا رہا تھا،عین اسی وقت ملت اسلامیہ کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے والے برطانوی استعمار کے خاکوں میں فکری آزادی کے خوشنما لباس میں غیر مقلدیت کی بیمار ذہنیت اختلاف وانتشار کا زہر آلود رنگ بھرنے میں مصروف تھی اور اسلامی شریعت کے اجماعی احکامات کے متوازی نئی فکر،نئی سوچ اور نامانوس نظریات وخیالات کی ترویج واشاعت کے ذریعہ مذکورہ جماعت کے عناصر ملت اسلامیہ کی بنیادوں کو کھوکھلی کرنے میں سرگرم عمل تھے۔مغربی تہذیب کی فکری آوارگی کی کوکھ سے پیدا ہوئے اس فرقے کے اساسی رہنماؤں،نذیر حسین دہلوی اور عبدالحق بنارسی نے اسلامی نظام وشریعت کے اہم ستون،اعتماد ویقین کی اہم اور عظیم شناخت وعلامت،تقلید ائمہ کو گمراہی قرار دے کر ہر کس وناکس کو ذہنی آوارگی اور نفس پرستی کی کلی اجازت دیدی۔ائمہ کے اجتہادات جس پر صدیوں سے اسلامی زعما صلحا،علما،محدثین نے اعتماد کیا ہے اسے فرسودہ، باطل اور شریعت کے خلاف قرار دیا۔انا پسندی وخود پسندی کے سرطان میں مبتلا اس گروہ کے تمام افراد نے روئے زمین کی سب سے مقدس جماعت صحابہ کرام،تابعین،تبع تابعین اور ائمہ ہدیٰ خصوصاً امام اعظم ابوحنیفہ کی شان میں گستاخیاں،ان کی ذات پر رکیک حملے،ان کے متعلق نازیبا کلمات،ان کے اجتہادات وارشادات اور قرآن وحدیث سے مستنبط مسائل وقوانین کو باطل قرار دینے کی سعی نامسعود اپنا سب سے اہم فریضہ سمجھا۔چونکہ فکر وعمل کی آزادی جب آوارگی کی صورت اختیار کر لیتی ہے تو پھر اس کی کوئی انتہا اور حد نہیں ہوتی ہے۔نتیجتاً نقد وجرح کے تیشے اور ہرزہ سرائیوں اور بدگمانیوں کے تیر علماء اسلام سے گزر کر نبوت ورسالت پر حملہ آور ہوتے ہیں اور پھر قادیانیت،مرزائیت، چکڑالویت اور نیچریت ولادینیت ظہور پذیر ہوتی ہے۔لیکن باوجود اس

کے ہوائے نفس اور کبر وتعلّی کے جراثیم سے آلودہ طبیعتیں دنیائے افکار پر رونما ہونے والے متذکرہ بالا مکروہ نتائج اور ایمان کش اثرات کی علتوں سے پردہ نہیں اٹھاتیں۔یہی وجہ ہے کہ مذکورہ فرق باطلہ کے ظہور کے اسباب وعوامل آج بھی ترک تقلید کے علم برداروں کی نگاہوں میں مستور ہیں کہ راہ اعتدال سے متجاوز خود پسندی اور ملحدانہ مزاج سے ہم آہنگ نفس پرستی ذہن ودماغ کو مخصوص فکری دائرے سے نکل کر غیر جانب دارانہ طور پر غور وفکر کی اجازت نہیں دیتی ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اس مقام پر تدبر وتفکر کی صلاحیتیں بے جا تشدد کی وجہ سے زنگ آلود، بے جان اور مردہ ہوجایا کرتی ہیں۔

ائمہ اربعہ خصوصاً امام اعظم کے مقلدین کو مشرک وبدعتی کہنا، حنفی نمازوں کو شریعت کے خلاف کہنا، تقلید ائمہ کو حرام قرار دینا، اولیا واکابر کی شان میں بدزبانیاں اور یاوہ گوئیاں کرنا، یہ اور اس طرح کے جزئی مسائل کو لے کر اختلاف وانشقاق کا جب طوفان کھڑا کردیا گیا، مسجدیں تنازعات کی آماجگاہ اور اسٹیج وعام مجلسیں منافرت کا بازار بن گئیں تو اس گمراہ بددین فرقہ کے رہنماؤں کو اقرار کرنا پڑا کہ:

''پچیس برس کے تجربے سے ہمیں یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جو لوگ بھی بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق اور تقلید مطلق کے تارک بن جاتے ہیں وہ بالآخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں۔ان میں بعض عیسائی ہوجاتے ہیں اور بعض لا مذہب جو کسی دین ومذہب کے پابند نہیں رہتے۔اور احکام شریعت سے فسق وخروج تو آزادی کا ایک ادنی کرشمہ ہے، ان فاسقوں میں بعض تو کھلم کھلا جمعہ، جماعت اور نماز، روزہ چھوڑ بیٹھتے ہیں۔سود شراب سے پرہیز نہیں کرتے اور بعض جو کسی مصلحت دنیاوی کے باعث فسق ظاہری سے بچتے ہیں، وہ فسق خفی میں سرگرم رہتے ہیں۔ناجائز طور پر عورتوں کو نکاح میں پھنسا لیتے ہیں۔'' (مولانا حسین احمد بٹالوی، اشاعت السنہ ج ۱۱ ص ۲۱۱ بحوالہ تقلید ائمہ اور امام ابوحنیفہ۔مولانا محمد اسماعیل سنبھلی: ص ۱۴)

صراط مستقیم سے منحرف اس جماعت کے فتنہ وفساد ان کی تکفیر وتفسیق اور تحقیر وتوہین کی گرم بازاری اور الحاد وزندقہ اور انکار اجماع صحابہ وتابعین کی بیمار فکر کی طرف سے ترویج وبیان بازی اور انتشار وافتراق کو ہوا دینے والی شعلہ بار تقریروں کے ذریعہ شجر اسلام پر خشت باری جیسے

مکروہ وغیر انسانی کردار کو دیکھ کر اس جماعت کے اساسی رہنما اور عظیم مجدد نواب صدیق حسن خان بھوپالی نے بڑے رنج وافسوس کے عالم میں ان کے متعلق لکھا ہے:

''آج کل جاہلوں کا ایک گروہ ہے،جس کی حدیث دانی کا بیشتر حصہ اس سے عبارت ہے کہ حضرات محدثین ومجتہدین کے اختلافی مسائل میں عبادات پر زیادہ زور دیتے ہیں لیکن روز مرہ زندگی کے معالات کو یکسر نظر انداز کیے ہوئے ہیں۔ان کی اتباع کا دارومدار ان اختلافی مسائل کو ہوا دینے پر ہے۔اسی لیے یہ لوگ اہل حدیث کے اصل رستے سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ انھیں معاملات سے متعلق احادیث کا کچھ فہم نہیں ہے۔ان کی علمی استعداد کا یہ عالم ہے کہ قواعد حدیث کے مطابق وہ حدیث سے ایک مسئلہ کا استنباط بھی نہیں کر سکتے۔اسی لیے ان کو حدیث پر عمل کرنے کی توفیق نہیں ہوتی اور توفیق کیوں کر ہو؟ وہ شیطان کے مکروفریب کے سبب حدیث پر عمل کرنے اور اس کی اتباع کے بجائے زبانی دعوی پر اکتفا کرتے ہیں (کہ ہم اہل حدیث ہیں) ان کے خیال میں دین کا خلاصہ یہی ہے۔گویا وہ مسلمانوں میں پیچھے رہ جانے والے طبقہ کے ساتھ رہ جانا چاہتے ہیں۔میں نے ان کو بارہا آزمایا ہے،ان کے چھوٹے بڑے کا یہی وطیرہ ہے۔میں نے ان میں سے کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ مخلص مسلمانوں کے رستہ پر چلتا ہو یا نیک لوگوں کی پیروی کا خواہاں ہو بلکہ ان کو دیکھا ہے کہ کمینی دنیا کو جمع کرنے میں مگن ہیں۔مال وجاہ کے لالچی ہیں،اس سلسلے میں انھیں حلال وحرام کی بھی کوئی تمیز نہیں ہے۔ان کا دل اسلام کی چاشنی سے محروم ہے۔مسلمانوں کے مسائل ومعاملات میں پتھر دل واقع ہوئے ہیں جیسے کوئی کم عقل سرکش ہوتا ہے۔املتهم ثم تاملتهم فلاح لی ان لیس فیهم فلاح. میں نے ان سے بہت سی امیدیں وابستہ کی تھیں پھر غور وخوض کے بعد واضح ہوگیا کہ ان میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔اور جس قوم کے قول وعمل میں تضاد ہو وہ کیوں کر کامیاب ہوسکتی ہے؟ یہ مخلوق کی بہترین ہستی کی باتیں کرتے ہیں لیکن یہ مخلوق کے بدترین لوگ ہیں۔جب ان سے کوئی مسئلہ پوچھا جائے تو ٹھیک جواب دیتے ہیں لیکن جب خود انھیں وہ کام کرنے پر قدرت ہوجاتی ہے تو پھر کسی چیز کی پرواہ کیے بغیر دل کھول کر وہ کام کرتے ہیں۔

........مجھے حیرت ہوتی ہے کہ یہ لوگ کیسے اپنے آپ کو موحد (توحیدی) کہتے ہیں اور

دوسروں کومشرک وبدعتی قرار دیتے ہیں۔ نیز یہ بہت متعصب ہیں اور دینی امور میں غلو سے کام لیتے ہیں۔ان کی ساری محنت اور وقت بے مقصد کاموں میں ضائع ہورہا ہے۔انھوں نے رسالت سے اعراض کیا ہے،لہٰذا گمراہی کے گہرے گڈھے میں جاگرے ہیں........ان کے دل الٹے ہیں ان کا مقصد ان کی نظروں سے اوجھل ہے۔ یہ خیالات کی دنیا میں رہتے ہیں،اسی لیے محروم رہتے ہیں۔ یہ اپنی علمی گہرائی کے بلند و بانگ دعوے کرتے ہیں حتی کہ کثرت ہذیان کے سبب ان کے منھ سے جھاگ بہنے لگتی ہے۔ بخدا ان کے پاؤں بھی علم کے قطرہ سے تر نہیں ہوئے، نہ ہی ان کی عقل ان سے صیقل ہوئی ہے۔ نہ علم کی روشنی سے ان کی اندھیری راہیں منور ہوئی ہیں، نہ ہی علم کے نور سے ان کے دل چمکے ہیں۔ کاپیوں کی پیشانی ان کے علمی رشد و ہدایت پر خوش ہونے کے بجائے ان کے قلم کی سیاہی سے روئی ہے۔ یہ جو کچھ کر رہے ہیں وہ دین نہیں بلکہ زمین پر ایک بہت بڑا فتنہ وفساد ہے۔'' (الحطۃ فی ذکر صحاح الستۃ :ص۱۵۳۔۱۵۵/نواب صدیق حسن خان بھوپالی بحوالہ نماز پیمبر ﷺ :ص۴۸۔مولانا الیاس فیصل مدینہ منورہ)

اسلامی تعلیمات کونفسانی خواہشات کے پسندیدہ سانچوں اور اصولوں میں ڈھال کر عمل بالحدیث کا نعرہ لگانے والے اور اسلاف وائمہ ہدی کی روشن شاہراہ کو چھوڑ کر شیطانی راستہ کو اختیار کرنے والے توفیق الٰہی سے محروم اور اخلاص وللّٰہیت کے گرانمایہ سرمایہ سے تہی دست اس گمراہ فرقہ کی فتنہ پردازیوں اور اسلام کی بنیادوں کو کمزور کرنے والی زمین دوز کارروائیوں کے بارے میں مذکورہ شہادت اس فرد کی ہے جسے غیر مقلدین کی دنیا میں مقتدائے اعلی اور مجتہد اعظم کا مقام حاصل ہے۔ یقیناً اس گروہ کے علمی افلاس ،فکری تنگ نظری اور افعال وکردار کی پستی کے بارے میں مذکورہ اقتباس سے زیادہ روشن اور واضح گواہی اور شہادت نہیں ہوسکتی کہ اندرون خانہ کی رازدارانہ سرگرمیوں سے کما حقہ وہی واقف ہوتا ہے جو گھر کے مکینوں کا ایک فرد ہوتا ہے۔

شاہراہ اسلام پر جابجا اٹھنے والے فتنوں کی سرکوبی کرنے والے اسلامی قلعہ دارالعلوم دیوبند کے عظیم المرتبت اور جبال العلم فرزندوں نے بڑے طمطراق سے اٹھنے والے غیر مقلدیت کے اس فتنہ کا بھی تعاقب کیا۔اشتہار بازیوں کی زینت بننے والے بیجا سوالوں کے علمی جوابات دیے۔حنفی قوانین پر سطحی اعتراضات کے مسکت جوابات سے معمور رسائل وجرائد لکھے۔ دلائل و

براہین کی روشنی میں اس گروہ کے فکری ونظری انحراف کی نشان دہی کی۔ کتاب وسنت سے تقلید کی اہمیت اور اتباع سلف کی حقیقت ثابت کی اور ترک تقلید کی غلطیوں کو واضح کیا۔ مگر چونکہ اکابرین امت کی مذکورہ تمام کوششیں مدافعانہ طرز ادا اور سنجیدہ رویے پر مبنی تھیں جو اس بازاری گروہ کے مزاج ومذاق سے قطعی ہم آہنگ نہیں تھیں، جس کی وجہ سے ان کی شرانگیزیوں اور فتنہ پردازیوں کا سلسلہ درازتر ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ ۱۹۴۷ء کے بعد افتراق وانتشار کی روش میں وسعت اور برصغیر میں صحیح اسلامی فکر وذہن کے ترجمان قلعہ دارالعلوم پر شرک وبدعت کی سنگ باریوں میں شدت پیدا ہوگئی۔ لہٰذا دستور زمانہ کے مطابق جب تاریکیاں گہری اور دبیز ہوجاتی ہیں تو ان مہیب تاریکیوں میں سحر بھی روشنی کا پیغام لاتی ہے۔

طول غم حیات سے گھبرا نہ اے جگر
ایسی بھی کوئی شام ہے جس کی سحر نہ ہو

تعصب ونفرت، عناد وہوس پرستی وانا پرستی کے ضمیر فروش ماحول میں پھر مشرقی یوپی کے ضلع غازی پور کے مطلع علم سے ایک درخشاں ستارہ طلوع ہوتا ہے جس کی فرحت بخش شعاؤں نے جہالت کی تاریکیوں کو نہ صرف راستہ بدلنے پر مجبور کیا بلکہ علم وتحقیق کی جولانیوں نے غیر مقلدیت کی ہوسناک فضاؤں میں ارتعاش پیدا کردیا۔ حق وصداقت کے زلزلہ افگن اسلوب سے خودساختہ تصورات کی بنیادوں پر قائم لامذہبیت کے ایوانوں کے در وبام ہل گئے۔ نہیں بلکہ حق اور صحیح یہ ہے کہ شبستان قاسمی کے اس گل سرسبد کے نئے طرز ومنہاج اور جدید رنگ وآہنگ میں دلائل وبراہین کے ذریعہ احقاق حق اور ابطال باطل کی وجہ سے خانہ ساز نظریات کے اس شیش محل کے پرخچے اڑ گئے، جس میں بیٹھ کر خیالات کی دنیا میں مگن اس نامراد طبقہ کے اخلاق وکردار سے عاری افراد زعمائے ملت اور صلحائے امت کے کارناموں پر طعن وتشنیع کے تیشے چلایا کرتے تھے۔ مگر کردارکشی کے اس سیاہ عمل کے وقت مفروضات ومزعومات کے نتیجے میں وجود میں آنے والی عقائد واعمال کی عمارت کی پوزیشن بھول جایا کرتے تھے، جس کی حیثیت تارعنکبوت سے زیادہ نہیں ہے۔

یوں پھر رہا ہے کانچ کا پیکر لیے ہوئے
غافل کو یہ گماں ہے کہ پتھر نہ آئے گا

رزم گاہ حق و باطل کی اس کشمکش میں حق وصداقت اور صحیح فکر وعمل کے تاریخ ساز نقیب نے اپنے خون جگر سے کیسی کیسی گل کاریاں کی ہیں اور کس انداز سے علمی وتحقیقی نقوش بکھیرے ہیں اور کس شان سے مکہ میں نازل ہونے والے اور ہر عہد میں ملت اسلامیہ کا دستور قرار پانے والے اسلام کے خلاف ایک نئے اور متوازی اسلام کے مکر وفریب کو طشت از بام کیا اس کی کچھ جھلک آیئے ایک عہد ساز جامع الکمالات اور نابغہ روزگار شخصیت استاذ محترم حضرت مولانا اعجاز احمد اعظمی علیہ الرحمہ کی صورت گری میں دیکھتے ہیں:

''عرب ممالک کی آمد ورفت میں ان پر فرقۂ غیر مقلدین کی جارحیت، ان کی عصبیت، فروعی مسائل میں ان کے بے جا تشدد نیز تقلید اور بالخصوص احناف کے حق میں ان کی ناروا مخالفت وعناد کا انکشاف ہوا۔ انھوں نے محسوس کیا کہ عربوں کے بے تحاشا دولت پر نگاہِ حرص و طمع جمانے والا یہ فرقہ حق وصداقت کے خلاف بہت دور نکل چکا ہے۔ اس نے ہندوستان کے علماء حق یعنی علماء دیوبند کے خلاف ایک وسیع وعریض محاذ کھول رکھا ہے۔ دیوبند کی سند فضیلت رکھنے والے ان اسلامی ممالک میں پہونچتے ہیں تو ان کی راہ بند کرنے کی ہر ممکن کوشش اس فرقہ کے افراد کرتے ہیں اور کسی بھی تہمت اور بہتان کے ان پر چسپاں کرنے سے خواہ کتنے ہی شرمناک اور غلط ہوں، گریز نہیں کرتے۔ انھیں دنوں کسی پاکستانی غیر مقلد کے نام سے عرب ممالک میں ایک کتاب ''الدیوبندیة'' نامی خاص طور سے پھیلائی جارہی تھی اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جارہی تھی کہ علماء دیوبند ایمان واسلام کے سپاہی اور محافظ نہیں بلکہ شرک و بدعت اور خرافی اعتقادات کے بانی اور داعی ہیں۔ یہ اس صدی کا بدترین جھوٹ تھا جو بڑے منظّم طریقے سے اہل عرب میں پھیلایا جارہا تھا۔ دیوبند کی نسبت رکھنے والے اصحاب پر سرزمین عرب تنگ ہورہی تھی اور یہ ساری کاوش اس لیے ہورہی تھی کہ عربوں کی دولت کا بہاؤ علمائے حق یعنی علماء دیوبند کی طرف نہ ہونے لگے۔ چنانچہ اس فرقہ نے اس راہ سے بہت کچھ دولت سمیٹی لیکن حق، حق ہے اور باطل، باطل ہے۔ حق کے چہرے سے باطل کا اڑایا ہوا گرد وغبار چھٹتا ہے تو اس کی نورانیت اور باطل کی سیاہی واضح ہوجاتی ہے۔'' (ماہنامہ ضیاء الاسلام اپریل ۲۰۱۶ء)

اسلامی افکار ونظریات کا ایک ایسا ترجمان جس کے دل میں علم وحکمت کی شمع ایمان و یقین کے ساتھ ساتھ عزیمت واستقامت کی بے پناہ قوتوں سے روشن تھی، وہ شفاف چشمۂ اسلام پر نفس پرستوں کی اڑائی ہوئی کذب وافترا کی گرد کو کب برداشت کرسکتا تھا؟ سو اس نے فکر وتحقیق کے کاروان شوق کی تیز گامی کی سمت کو موڑ دیا، یہاں تک کہ علمی وتحقیقی خزانوں کے ذریعہ سطح غیر مقلدیت پر بے تاب صاعقۂ آسمانی بن کر ظاہر ہوا۔ استاذ محترم حضرت مولانا اعجاز احمد اعظمی علیہ الرحمہ نے فتح وظفریابی کی داستان کی یوں منظرکشی کی ہے:

''ان کے سامنے اس فرقہ کا مکروہ چہرہ کھلا تو ان کی طبیعت اور ان کے قلم کا رخ غیر مقلدوں کی طرف چل پڑا۔ انھوں نے ''وقفة مع اللامذهبية'' کے نام سے عربی میں ایک بڑی طاقتور اور مدلل کتاب لکھی، جس سے کتاب ''الديوبندية'' کا منہ توڑ جواب بھی ہوا، اور فرقۂ غیر مقلدین کی اصل شکل وصورت بھی واضح ہوگئی، اس کتاب نے غیر مقلدین میں کھلبلی پیدا کردی۔

علماء دیوبند نے اسے ایک خوشگوار حیرت سے دیکھا کہ ان کی صلح پسند صف سے ایک ایسا مرد آہن نکل آیا جس نے غیر مقلدین کو حواس باختہ کردیا، ورنہ اس سے پہلے اس فرقہ کے مولوی اپنی دھن میں حنفیت کو موقع بے موقع نشتر لگایا کرتے تھے اور ہمارے جو علماء ان کا جواب دیتے تھے، ان کا لب ولہجہ بہت کم کہیں ترکی بہ ترکی جارحانہ ہوتا تھا۔ علمی اعتبار سے علماء دیوبند کی پوزیشن مضبوط تھی مگر اس کے پیش کرنے کا انداز اتنا متواضع اور متوازن ہوتا کہ اس فرقہ کو اس کی اہمیت کا احساس ہی نہ ہوتا۔ مولانا ابوبکر صاحب کے قلم نے نرم ونازک انداز چھوڑ کر جواب ترکی بہ ترکی کے طور پر مسلسل اقدامی حملے کرنے شروع کئے تو اس فرقہ کو اندازہ ہوا کہ نشتر کا گھاؤ کیسا ہوتا ہے؟

''وقفة مع اللامذهبية'' کے معاً بعد ان کی دوسری کتاب ''مسائل غیر مقلدین'' کے نام سے اردو میں منظر عام پر آئی، جس کی وجہ سے اس فرقہ میں صف ماتم بچھ گئی۔ ابھی اس فرقہ کے مولوی ان دونوں کتابوں کے لگائے ہوئے زخموں پر مرہم رکھنا ہی چاہ رہے تھے کہ مسلسل اس موضوع پر ان کی اور کتابیں بھی یکے بعد دیگرے آنے لگیں۔ ''غیر مقلدین کی ڈائری''، ''غیر

مقلدین کے لمحۂ فکریہ''، '' کچھ دیر غیر مقلدین کے ساتھ''، ''سبیل الرسول پر ایک نظر''، ''صلوٰۃ الرسول پر ایک نظر''، اردو میں۔اور ''**وقفة مع معارضی شیخ الاسلام محمد بن عبد الوهاب**''، ''**صور تنطق**''، ''**هل الشیخ ابن تیمیة من اهل السنة و الجماعة**'' عربی میں۔

ان کتابوں کے دلائل نے اور جرأت مندانہ لب ولہجہ نے غیر مقلدیت کو احساس شکست میں مبتلا کر دیا۔ پھر اتنے ہی پر بس نہیں، مولانا نے ''زمزم'' کے نام سے دو ماہی رسالہ جاری کیا جو از اول تا آخر مولانا ہی کی تحریروں اور ان کے مضامین سے لبریز ہوتا۔ غیر مقلدیت کی چوٹ کھائے ہوئے لوگ مولانا سے سوال کرتے، غیر مقلدین کے اٹھائے ہوئے معقول و نامعقول اعتراضات کا جواب پوچھتے اور مولانا کا قلم محوخرام ہوتا اور میدان صاف ہوتا چلا جاتا۔ وہ تمام مسائل جن پر غیر مقلدین گرد وغبار اڑایا کرتے تھے اور چیلنج دیتے رہتے تھے، مولانا نے ایک ایک سوال کا تشفی بخش جواب دیا اور ایسا دلچسپ اور مدلل کہ ہر پڑھنے والا احسنت وآفریں پکار اٹھتا۔'' (ماہنامہ ضیاء الاسلام اپریل ۲۰۱۶ء)

حضرت مولانا غازی پوری ان باکمال اور عبقری ہستیوں میں سے تھے جو خداداد ذکاوت وذہانت، عرفانی حقیقتوں کے کلی ادراک اور حق وصداقت کے اظہار کی تخلیقی قوتوں کے ذریعہ صحرائے فکر وفن میں عازم سفر ہوتے ہیں تو جا بجا علم وفن کے گلہائے رنگا رنگ سے گلستان کو معمور و آباد کرتے چلے جاتے ہیں۔ لاریب مولانائے محترم ایک بصیرت مند اور دیدہ ور عالم، حقیقت آشنا محقق، بافیض مدرس ومعلم، اردو وعربی زبان کے قدآور اہل قلم، سچائی کی تلاش وجستجو اور غیر جانب دارانہ انداز میں تلبیسی پردوں کے چاک کرنے کی غیر معمولی مہارت ولیاقت سے متصف مبصر ونقاد اور موضوع کے تنوعاتی جہاں کو سمیٹ لینے کی صلاحیت سے معمور عظیم مصنف تھے۔ مبدا فیاض نے انھیں علم وحکمت کی دولت کے ساتھ ساتھ عزم واستقلال، ہمت وشجاعت، غیرت وحمیت، عمل پیہم میں بے نظیر استقامت اور شکست ویاس ناآشنا جہد مسلسل کی بے پناہ قوت سے نوازا تھا، جس کے صحیح سمت میں استعمال ہونے کی وجہ سے منزلوں نے ہر گام پر آپ کے قدم چومے۔ تحقیق وجستجو کے بحر ناپیدا کنار میں اترے تو مذکورہ خوبیوں کی بدولت حقائق ومعانی اور حکم ومعرفت کی ایک دنیا

بھی اپنے ہمراہ لے کر آئے۔فکر اسلامی اور منہج اجماعی کے خلاف ہوائے نفس کے متبعین کی چیرہ دستیوں کے باعث ملی، سماجی اور اصلاحی میدانوں میں فنی خدمات میں مصروف آپ کے علم ریز قلم نے زاویے بدلے، سمت سفر تبدیل کی اور حالات کے تیور اور طوفانوں کے چیلنج کے مطابق اپنے رخ بدلے تو حقائق ومعانی کی اظہار اور اس کی روشنی میں ابطال باطل کا وہ سلسلہ شروع کیا کہ رافضی افکار سے ہم آہنگ بلکہ اسی فکر کی بنیادوں پر قائم غیر مقلدیت کے قصر ضلالت میں خاک اڑنے لگی۔خودساختہ تصورات کی قلعی کھل جانے کی وجہ سے ان کے ذہنوں کی تخیلاتی فضائیں ماتمی کیفیت میں تبدیل ہوگئیں۔دنیا والوں پر فکری لحاظ سے برتری اور فوقیت کا دعوی کرنے والوں کو آج اپنی حیثیت کا اندازہ ہوا اور عقائد وایمان میں صحیح راستہ سے انحراف کا علم ہوا۔

ردغیر مقلدیت کے تمام واقعاتی وامکانی موضوعات پر محیط حضرت مولانا کی تحریریں جو نہ صرف ضخیم تصنیفات وتالیفات بلکہ رسائل وجرائد میں مقالات ومضامین کی صورت میں منظر عام پر آئیں اور مکمل تسلسل کے ساتھ پورے اعتماد ویقین اور احساس برتری وجرأت مندانہ لب ولہجہ میں میں جلوہ گر ہوئیں۔ظاہر ہے کہ اس میں علوم وفنون پر بصیرت مندانہ عمق کے ساتھ ساتھ مذکورہ خداداد صفات، فولادی عزم، جہد مسلسل اور شجاعت وجواں مردی کا کافی حد تک نہیں بلکہ مکمل دخل اور کامل کردار ہے کہ مولانا ئے مرحوم عزائم کو عملی جامہ پہنانے میں جنون کی حد تک سرگرم ہوجاتے تھے۔اس راہ ہی میں کیا؟ زندگی کے تمام نشیب وفراز میں طوفانوں سے گھبرانا، حوادث روزگار سے پیچھے ہٹنا ان کا مسلک اور مصائب ومشکلات کی خوفناک تاریکیوں سے ڈرنا ان کا مشرب نہیں بلکہ طوفانوں سے باتیں کرنا اور سیلاب وحوادث میں ثابت قدمی ان کا طرۂ امتیاز ہے۔ان کے خیال میں منزل مقصود اور شی مقصود کے تمام راستے انھیں خارزاروں اور سنگلاخ کوہ ساروں سے ہوکر گزرتے ہیں:

حادثات زندگی میں ہے پیام زندگی
برق سے کھیلیں گے طوفانوں سے ٹکرائیں گے ہم

شہرت وناموری کے اس مادہ پرستانہ عہد میں جہاں کردار وافعال کے پیچھے خودنمائی، خود ستائی اور حصول معاش ومفاد کی پست قوت کارفرما رہتی ہے اور انھیں حقیر جذبات کی زمینوں سے

نمودار ہونے والے پودوں کی قدر دانی وحکمرانی ہوتی ہے، ایسے حوصلہ شکن اور ایمان کش ماحول میں حطام دنیا سے بے نیاز ہوکر اور نمود وریا کے جذبات سے یکسر پاک ہوکر محض رضائے الٰہی اور ملت کے درد وغم میں ڈوب کر دماغ سوزی کرنا اور صحیح منہج کی تعلیم واشاعت میں اپنے وجود کو وقف کر دینا درحقیقت انتہائی دشوار گزار اور سخت آزمائش کا مرحلہ ہوتا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ مولانائے محترم انھیں قافلہ اسلامی کے ایک فرد یگانہ ہیں جنھوں نے بے سروسامانی کے عالم میں مادیت سے بے پرواہ ہوکر گوشۂ گمنامی میں بیٹھ کر علمی وتحقیقی کینوس پر متنوع خدمات کے ساتھ اخلاص ووفا اور توکل واعتماد کی روشن داستان رقم کی ہے۔ خصوصاً فکری واعتقادی بے راہ روی اور شدومد سے اس کی تبلیغ وترغیب نیز کتاب وسنت کے نام پر حقیقی کتاب وسنت سے ذہن ودماغ کو دور کرنے کی غیر انسانی روش پر اس طرح مکمل تعاقب اور کامیاب نقد وجرح کا کارنامہ انجام دیا ہے کہ ان کے انتقاد واسترداد پر مبنی ہزاروں صفحات پر پھیلی ہوئی تخلیقات کی کہکشائیں علمی افق پر بے پناہ تابانیوں کے ساتھ جلوہ گر ہوگئیں۔ نتیجتاً مولانا غازی پوری کی شخصیت آسمان علم وادب پر انھیں روشن پہلوؤں کی وجہ سے عروج وارتقا کی تمام منزلوں کو عبور کرگئی۔ یہاں تک کہ تحقیق وجستجو کے حوالہ سے غیر مقلدین کے افکار ونظریات کے اندرونی جہاں کی بازیافت اور ان پر بے لاگ تنقیدی تحریریں ان کی واضح شناخت بن گئیں۔ آپ کے کارناموں پر نظر ڈالنے کے بعد بلا تامل یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ مذکورہ علمی وتحقیقی خدمات کی وسعتوں کا چند صفحات میں سمیٹنا اور انھیں اجاگر کرنا ناممکن نہیں تو ازحد مشکل ضرور ہے۔ اس عمل زریں کے لیے تو پوری ایک کتاب درکار ہے، نیز ان سطور کے لکھنے والے کی دسترس سے بھی باہر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ راقم کے نزدیک فکری بے راہ روی، عقائد کا فساد اور اعمال کی کج ادائی کے ایمان کش اثرات کو صحیح اسلامی تصور کے ذریعہ زیروزبر کرنے والی آپ کی ان تحریروں کا محاکمہ وجائزہ بہت بڑی جسارت ہے جو کامل تین جلدوں میں پھیلی ہوئی ''ارمغان حق'' کی صورت میں غیر مقلدین کے حواس واعصاب پر تاہنوز برہنہ تلوار بن کر لٹک رہی ہے۔ پس تمام تر علمی وفنی شعور کے نقص کے شدید احساس کے باوجود خاکسار نے جلد اول کے مطالعاتی تاثرات کو سفینۂ قرطاس پر منتقل کرنے کا عزم وارادہ کیا ہے۔ یہاں اس بات کی وضاحت بھی مناسب ہے کہ ارمغان حق کہنے کو تو عقائد وافکار کے موضوعات پر مشتمل مضطرب سوالوں کے

تسلی بخش جوابات کا مجموعہ ہے جس کے متعلق عموماً اذہان وقلوب میں ہوسکتا ہے کہ علمی گہرائی وگیرائی کا یقین نہ پیدا ہوسکے کہ اس طرح کے مجموعے ادبی، لسانی اور اصلاحی خوبیوں سے متصف تو ہوتے ہیں لیکن علم خذف ریزے اس میں عام طور سے جگہ نہیں پاتے۔ بایں ہمہ ارمغان کا معاملہ مذکورہ تناظر میں بالکل مختلف اور برعکس ہے۔ موضوع کی جامعیت اور مضامین کی ندرت کے حوالے سے کہا جاسکتا ہے کہ دبستان حنفی کے افکار وخیالات اور اس کے مجموعی تصورات کے صواب وصحت کے ناقابل انکار ثبوت وشواہد کی بنیاد پر فتح وظفر کی خوشگوار داستان اور مذہب ومسلک سے راہ فرار اختیار کرنے والوں کے عقائد ونظریات کی شکست وریخت پر مشتمل ایک اہم علمی وتحقیقی دستاویز ہے جو رہروانِ راہِ عمل کے قیمتی سرمایہ پر شب خون مارنے والے رہزنوں سے حفاظت کا سامان اور صحیح اسلامی فکر پر مبنی حقائق ومعارف کا وسیع ذخیرہ بھی ہے۔ یوں تو رافضی فکر وخیال کی روشنی میں ذہنی وفکری آزادی اور اجتہاد کی وسعت کے نام پر زعمائے اسلام کی زندگیوں کو مجروح کرنے والے بے ہنگم نعروں اور ابلیسی یلغاروں کے خلاف عقائد صحیحہ کے ترجمانوں اور محافظوں نے اپنی تقریروں، تحریروں کے ذریعہ ہر دور میں اس فسوں کے پردے کو چاک کیا ہے۔ بایں ہمہ اس دور رستاخیز میں مذکورہ فکری طوفان اور ضلالت غیر مقلدیت کے طلسم کو توڑنے والی اس تحریر کو بھی دیکھئے جس کے اندر عقائد صحیحہ کی تمام شرحوں نے مخصوص ترنگ کے ساتھ ناقابل انکار جمالیاتی دلائل کا لباس پہن رکھا ہے۔

''اس وقت غیر مقلدین سخت احساس کمتری کا شکار ہیں اسی وجہ سے وہ اس قسم کے بے ہودہ ولایعنی باتیں عوام میں پھیلاتے ہیں اور اکابر دیوبند سے جاہلوں کو برگشتہ کرنے کی مقدس خدمات انجام دیتے ہیں۔ کرامات کے جزئی واقعات کو بنیاد بنا کر کسی کے بارے میں یہ کہنا کہ اس کا عقیدہ اپنے اکابر کے بارے میں مارنے اور جلانے کا ہے اور یہ کہ ان کے اکابر کو اس پر قدرت حاصل ہے، اس کا ہلکا سے ہلکا نام شرارت رکھا جاسکتا ہے۔ غیر مقلدین شرارت کا یہی کام انجام دے رہے ہیں۔ معجزہ اور کرامت کے حق ہونے پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے اور اس کا منکر اہل سنت والجماعت سے خارج ہے۔ معجزہ نام ہے خرق عادت امر کا، انبیاء علیہم السلام کے ہاتھوں پر ظاہر ہوتا ہے۔ خرق عادت ہی کی ایک قسم کا نام کرامت ہے۔ کرامت اللہ والوں

کے ہاتھ پر ظاہر ہوتی ہے۔ نبی جس طرح ہر وقت معجزہ دکھانے پر قادر نہیں ہوتا اسی طرح ولی کے ہاتھ پر ہر وقت کرامت ظاہر نہیں ہوتی۔ اور جس طرح معجزہ اصلاً خدا کا فعل ہوتا ہے اسی کرامت بھی اللہ ہی کا فعل ہوتا ہے۔ حضرت عیسی علیہ السلام کی دعا سے مردہ زندہ ہوجاتا ہے اور اندھا بینا ہوجاتا ہے اور کوڑھی اچھا ہوجاتا ہے اور آسمان سے کھانوں کا سجا دسترخوان اتر آتا تھا۔ حضرت عیسی علیہ السلام کے ان معجزات کو دیکھ کر یہ کہنا کہ مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ عیسی علیہ السلام مارنے جلانے اور بیماروں کو شفا دینے اور آسمان سے روزی برسانے پر قادر تھے، بالکل خلاف واقعہ اور خلاف حقیقت بات ہوگی، کسی مسلمان کا یہ عقیدہ نہیں ہے۔ مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ تمام امور اللہ کی قدرت سے ظاہر ہوتے تھے۔ آں حضور ﷺ کے زمانے میں ایک شخص بائیں ہاتھ سے پانی پیتا تھا۔ آپ ﷺ نے اس سے کہا کہ دائیں ہاتھ سے پانی پیو! اس نے شرارتاً کہا "مجھ کو اس پر قدرت نہیں ہے۔" آپ نے اس سے کہا کہ اگر تجھ کو اس پر قدرت نہیں ہے تو اب سچ مچ تجھے اس پر قدرت نہیں رہے گی۔ آپ کی بددعا کا اثر یہ ہوا کہ ساری زندگی اس کا دایاں ہاتھ کام کا نہیں رہا۔ آں حضور ﷺ کا یہ معجزہ تھا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ کے بارے میں مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ آپ نفع ونقصان کے مالک تھے۔ کرامت از قسم معجزات ہے جو اللہ کے نیک وصالحین بندوں سے ظاہر ہوتی ہے۔ کرامات کے واقعات سے عقیدہ مستنبط نہیں کیا جاسکتا ہے اور نہ ایسا کرنا جائز ہوگا۔ جس طرح معجزہ انبیا کے حق ہونے پر دلیل ہوا کرتا ہے اسی طرح کرامت سے بزرگوں کا اللہ سے قرب ظاہر ہوتا ہے۔ کرامت اس کی دلیل ہوتی ہے کہ اس بندہ کا مقام ومرتبہ اللہ کے یہاں بہت بلند ہے۔" (دیکھئے ارمغان حق: ج ۱: ص ۳۴۷)

علوم اسلامی کے مزاج وروح سے ناآشنا اور اسرار شریعت سے غافل ظاہر پرست بندگان ہوا وہوس نے اکابر امت کے صفائے قلب کے نتیجے میں ان کے ہاتھوں ظاہر ہونے والی خرق عادت کرامات کی بنیاد پر مسلک اہل سنت اور اکابر دیو بند پر شرک وبدعت اور عالم الغیب کے مدعی ہونے کا الزام لگا کر فکر دیو بند کو مجروح کرنا چاہا لیکن دجل وفریب کے اس مکروہ پروپیگنڈہ کے وقت اس حقیقت کو فراموش کر بیٹھے کہ خود ساختہ نظریات کا فسوں دیر تک قائم نہیں رہتا۔ مذکورہ

اقتباس بقید ہوش وحواس پڑھنے کے بعد میں نہیں سمجھتا کہ ایک عامی شخص کی نگاہوں میں کرامات و معجزات کی ایسی دلنشیں تشریح کے بعد علم الغیب اور عالم الغیب کی حقیقت مستور رہ جائے، شرط یہ ہے کہ ذہن مخصوص خیالات سے خالی ہو۔ دوسرے مقام پر غیر مقلدین کی نگاہوں میں کھٹکنے والے واقعہ کرامت کی تشریح اس انداز میں حضرت نے کی ہے کہ خرق عادت امور میں جو صالحین کے ہاتھوں ظہور پذیر ہوتے ہیں اس کی حقیقت وحیثیت کے ساتھ ساتھ نام نہاد عقیدہ توحید کے علم برداروں کے علمی افلاس اور فقہی بصیرت سے محرومی پر بھی روشنی پڑتی ہے:

''کشف وکرامت کے کسی جزئی واقعہ سے کوئی عقیدہ مستنبط کرنا غیر مقلدین حضرات کا نیا نیا چودھویں صدی کا اجتہاد ہے۔ اگر عقیدہ کی بنیاد اس قسم کے جزئی واقعات سے ہوں تو پھر اللہ کے سوا بندوں میں غیب دانی کی ایک طویل فہرست تیار ہو جائے گی اور غیر مقلدین کی جماعت کے بھی ایسے غیب دان بڑی تعداد میں سرفہرست نظر آئیں گے۔ ہاں یہ حقیقت ہے کہ ایمان کامل اور تقوی کا نور کبھی انسان میں ایک ایسی کشفی حالت پیدا کر دیتا ہے کہ اس کے لیے بہت سے مظنونات یقین بن جاتے ہیں اور بہت سی وہ چیزیں جو دوسروں کے لیے مخفی ہوتی ہیں وہ اس کے لیے مشاہد ہو جاتی ہیں۔ مثلاً ہم کبھی آسمان کی طرف نگاہ کرتے ہیں تو کسی جھلملاتی چیز کے بارے میں وہم وخیال ہوتا ہے کہ وہ ستارہ ہے مگر اس کے ستارہ ہونے کا یقین نہیں ہوتا صرف وہم وخیال کے درجہ کی چیز ہوتی ہے۔ مگر دوربین سے دیکھنے والا قطعی فیصلہ کر دیتا ہے کہ وہ ستارہ ہے کوئی دوسری چیز نہیں ہے۔ یا مثلاً ایٹمی ذرات نگاہ سے نظر نہیں آتے مگر طاقت ور دوربینوں سے ان کا نظر آنا کوئی محال نہیں رہ گیا ہے۔ یہی حال اہل ایمان اور اہل تقوی اور عامیوں کا ہے۔ تقوی اور ایمان کے کمال کی وجہ سے انسان کی باطنی طاقت اور معنوی بصارت بہت بڑھ جاتی ہے جیسے دوربین لگانے سے انسان کی بصارت بڑھ جاتی ہے۔ اس لیے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ارباب تقوی اور اہل ایمان کامل وخالص کو ان چیزوں کا مشاہدہ ہو جاتا ہے جو عام آدمیوں کے حد ادراک سے دور ہوتی ہیں مگر ایسا ہونا ہر وقت ضروری بھی نہیں، کبھی یہ ادراک ہوگا کبھی نہیں ہوگا۔ جیسے دوربین ہر وقت کام نہیں کرتی ہے کسی عارض کی وجہ سے اس کی قوت کمزور یا بالکل ختم ہو جاتی ہے۔ جیسے دوربین کے شیشہ پر دھول جم جائے یا اس کے محاذات میں کوئی آڑ آ جائے۔

پہلی صورت میں دوبین صاف دیکھے گی نہیں، اور دوسری شکل میں بالکل نہیں دیکھے گی۔اسی طرح اللہ والوں پر بھی مختلف حالتیں طاری ہوتی ہیں کبھی وہ عالم بالا تک پہنچ جاتے ہیں اور اس عالم کا غیب ان کے لیے مشاہد بن جاتا ہے اور کبھی عالم اسفل کی چیزوں کا بھی انھیں ادراک نہیں ہوتا:

گہے بر طارم اعلی نشینم
گہے برپشت پائے خود نہ بینم

بہرحال کشفی واقعات کو بنیاد بنا کر کسی کے بارے میں یہ کہنا کہ انھیں علم غیب حاصل ہے یا ان کا عقیدہ علم غیب کا ہے حقائق سے بےخبری کا نتیجہ ہے اور جہالت کی بات ہے۔'' (دیکھئے ارمغان حق: ج۱:ص۳۲۵)

ایسا نہیں ہے کہ حقائق کرامت کی متذکرہ تشریح مولانائے محترم کی ذہنی اختراع اور ذاتی خیالات ہیں بلکہ یہ اس نظریہ کی ترجمانی ہے جو ہر زمانہ کے جمہور علما و محدثین کا مسلک رہا ہے۔لہٰذا اس فکر کی صحت کے لیے بجائے خود بہت بڑی دلیل ہے مگر چوں کہ اس فرقہ باطلہ کے نزدیک سوائے علامہ ابن تیمیہ علیہ الرحمہ کے تمام اسلاف کے اقوال واعمال چنداں حیثیت نہیں رکھتے خاص طور سے جب ان کے مزعومہ عقائد کے مخالف اور متصادم ہوں۔پس مولانائے محترم نے مذکورہ جماعت باطلہ کے مزاج کے مطابق علامہ ابن تیمیہ ہی کے اقوال وارشادات سے اپنی تحریر کو آراستہ کیا تاکہ نفس پرستوں کے لیے حرف گیری کی راہیں بالکل مسدود ہو جائیں:

''واذا کان القلب معموراً بالتقوی انجلت له الامور والکشف'' یعنی جب تقوی سے دل آباد ہو جاتا ہے تو آدمی کے لیے معاملات بالکل واضح اور کھل جاتے ہیں۔'' (فتاوی ابن تیمیہ: ج۲۰:ص۴۵)

نیز فرماتے ہیں:

''وکلما قوی الایمان فی القلب قوی الکشاف الامور له وعرف حقائقها من بواطلها وکلما ضعف الایمان ضعف الکشف له'' یعنی جب دل میں ایمان قوی ہو جاتا ہے تو اس کا کشف بھی بڑھ جاتا ہے اور چیزیں اس کے لیے کھل جاتی ہیں وہ حقیقتوں کو پالیتا ہے۔اور جب ایمان کمزور ہوتا ہے تو دل کا کشف بھی کمزور ہو جاتا ہے۔'' (ایضاً)

نیز فرماتے ہیں:

’’وایضا فاذا کانت الامور الکونیة قد تنکشف للعبد المومن لقوة ایمانیة یقیناً وظناً فالامور الدینیة کشفها له بطریق الاولی‘‘ یعنی جب بندوں کے لیےاس کے ایمان کی قوت کے مطابق عالم کون یعنی دنیا وآخرت کے امور کبھی یقین اور کبھی ظن کی شکل میں کھل جاتے ہیں تو دینی امور کا کشف تو ان کو بدرجہ اولی آسان ہے۔‘‘(ایضاً)

اور اب آخری بات بھی اسی فتاوی سے سن لیں:

’’یعنی بہت سے اہل ایمان اور اہل کشف کے دل میں اللہ یہ ڈالتا ہے کہ یہ کھانا حرام ہے یہ آدمی کافر ہے، یہ آدمی فاسق ہے، یہ آدمی دیوث ہے، یہ آدمی لوطی ہے، یہ آدمی شرابی ہے، یہ آدمی گوَیا ہے، یہ آدمی جھوٹا ہے۔ان باتوں کو بتلانے کے لیےاس کے پاس کوئی ظاہری اور کھلی دلیل نہیں ہوتی ہے محض اللہ کے دل میں ڈالنے سے اللہ والے ان باتوں سے باخبر ہوتے ہیں۔‘‘(ایضاً:ص۴۷)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی ان عبارتوں کا واضح مطلب یہ ہے کہ عام آدمی کی قوت علم اور ہے اور خاصان خدا کی قوت علم اور ہے۔عام آدمی کے وسائل علم ومعرفت اتنے نہیں جتنے سے مقربان بارگاہ الٰہی کو نوازا گیا ہے۔عام آدمی کی حد ادراک صرف اسی عالم تک ہے جب کہ خاصان خدا اور اہل ایمان وتقوی کی حد ادراک اس عالم کو پار کر کے اس عالم تک بھی ہے۔مگر اس کی وجہ سے ان کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ انھیں علم غیب حاصل ہے، یہ غیب دان ہیں ، یہ جہالت اور بد دینی ہے......بزرگوں سے کشف وکرامات کے واقعات کا منقول ہونا تواتر سے ثابت ہے اور اہل صلاح وتقوی سے کشف وکرامات کا صادر ہونا عین ممکن ہے۔تمام اہل سنت والجماعت کا اس پر اتفاق ہے اسی طرح بزرگان دیوبند کا معاملہ ہے۔‘‘(ارمغان حق: ج۱:ص۳۴۷)

سلف صالحین اور اولیائے کاملین کی ذات سے متعلق خرق عادت امور اور ان کی عظمت و شان اور ان کی برتری وبزرگی کا انکار اس شیعیت زدہ اور نیچری مزاج فرقہ باطلہ کی نہ صرف شیطانی خصلت اور فطرت ہے بلکہ سلف صالحین پر باطل جرح وتنقید اور طعن تشنیع اور ان کی کردار کشی اس

طبقۂ نامسعود کی مجبوری بھی ہے کہ اس مکروہ عمل کے بغیر نفس کی بے محابا آزادی اور شریعت الٰہیہ کے جسم پر عمل جراحی اور اجتہاد کی اتھارٹی کا حاصل ہونا متصور نہیں ہے۔یہی وجہ ہے کہ اسلام کی جمہوری، اجماعی اور تقلیدی شاہراہ کو چھوڑ کر نفس کے راستہ پر جب کوئی نامراد قدم رکھتا ہے تو منزل مقصود کے حصول میں ناکام رہتا ہے۔ہاں اسلام سے منحرف راستہ میں موجود مختلف گھاٹیوں میں گرتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ اپنے ذہن وعقل کی برتری کے زعم میں نجوم اسلام کی روشن شاہراہ سے ہٹ کر عقائد کی نئی راہ دریافت کرنے میں سکون واطمینان سے محروم سرگرداں زندگی زخم زخم افکار وخیالات کے ساتھ بے نیل ومرام اس دنیا سے رخصت ہوجاتی ہے۔اگر غور کیا جائے تو واضح ہوگا کہ عقائد واعمال میں تمام فتنوں کا سرچشمہ اور خسران کا سبب یہی نفس کی آزادی اور اسلاف سے بیزاری کا عمل ہے جو قدم قدم پر نئے فتنوں کے دروازے کھولتا رہتا ہے۔سلف صالحین اور ائمہ مجتہدین کا راستہ اور طریقہ نہ صرف **صراط الذین انعمت علیھم** کا مصداق ہے بلکہ ان حضرات کی پیروی وہ بابرکت قلعہ ہے جس کے اندر رہنے والا اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے نئے نئے فتنوں سے محفوظ ومامون رہتا ہے۔اور جب کوئی شخص ان حفاظتی حدود کو پھلانگ جاتا ہے تو نہیں کہا جاسکتا ہے کہ کس گڈھے میں جا گرے گا۔غیر مقلدین نے اتباع ائمہ کی رسی اپنی گردن سے کیا اتاری کہ جو شخص جس شکاری کی زد میں آیا اسی کے جال میں گرفتار ہوا۔غیر مقلد عالم قاضی عبدالاحد خان پوری لکھتے ہیں:

> ’’پس اس زمانہ کے جھوٹے اہل حدیث، مبتدعین، مخالف سلف صالحین جو حقیقت ماجاء به الرسول سے جاہل ہیں وہ صفت میں وارث اور خلیفہ ہوئے ہیں شیعہ اور روافض کے یعنی جس طرح شیعہ پہلے زمانوں میں باب اور دہلیز کفر ونفاق کے تھے اور مدخل ملاحدہ وزنادقہ تھے اسلام کی طرف سے یہ جاہل بدعتی اہل حدیث اس زمانہ میں باب اور دہلیز اور مدخل ہیں ملاحدہ اور زنادقہ منافقین کے بعینہ مثل اہل تشیع۔‘‘(غیر مقلدین اپنے اکابر کی نظر میں:ص۳۰۔بحوالہ فرقہ اہل حدیث پاک وہند کا تحقیقی جائزہ:ص۸۴۔مولانا الیاس گھمن پاکستان)

ایک انصاف پسند اور اعتدال پسند طبیعت کے انشراح کے لیے اثبات کرامت کی

متذکرہ بالاتحریریں اور دلائل ہر لحاظ سے کافی وشافی ہیں مگر چوں کہ الحاد وزندقہ کی فکر میں پرورش والے اصول وقوانین جو ہر مقام پر تمام آفاقی افکار کو اپنے عقل نارسا کی میزان پر تولتے ہیں اور اسی معیار پر ردوقبول کا فیصلہ بھی کرتے ہیں، اس لیے ممدوح محترم نے امور عجیبہ اور کرامات کی حقانیت کو ثابت کرنے کے لیے محض نرے منطقی استدلالات سے کام نہیں لیا بلکہ اثبات مدعا میں انھوں نے انتہائی تسلسل کے ساتھ چالیس حیرت انگیز واقعات وکرامات کا ذکر کیا ہے۔ لطف یہ ہے کہ یہ تمام واقعات طبقۂ غیر مقلدین اور کرامت کے منکرین کے حلقہ کی سب سے معتبر شخصیت علامہ ابن تیمیہ کی کتاب سے نقل کیا ہے۔ حد یہ ہے کہ غیر مقلد بزرگ کی کرامت بھی استشہاداً ذکر کر کے فکر و عمل کے تضاد کی حقیقت پر سوالیہ نشان قائم کر کے اس انداز سے بیان کیا ہے کہ منکرین کے بغض و عناد اور جہالت پر مبنی اعتراض کی دھجیاں بکھرتی ہوئی نظر آتی ہیں جو انھوں نے حجۃ الاسلام حضرت مولانا قاسم نانوتوی علیہ الرحمہ کی باکمال ولایت وبزرگی پر قائم کیا ہے:

''دارالعلوم دیوبند کے بانی حضرت مولانا قاسم نانوتوی علیہ الرحمہ کا ولایت بزرگی میں مقام بہت بلند تھا ان کی زندگی تقوی وپرہیزگاری عبادت وعبدیت کا کامل ومکمل نمونہ تھی، ان کے تقوی وبزرگی کی شہادت ان کے تمام معاصرین نے دی ہے۔ شیعوں سے آپ کی مناظرانہ گفتگو ہا کرتی تھی اسی طرح کی ایک گفتگو میں شیعوں کے بڑے بڑے علما کو منھ کی کھانی پڑی تھی اور عوام میں ان کی کافی بےعزتی وبدنامی ہوئی تھی۔ شیعوں نے حضرت نانوتوی سے بدلہ لینے کی سازش رچی۔ انھوں نے ایک چھوٹا سا جنازہ تیار کیا اور ایک نوجوان کو اس پر سلایا اور اسے سکھلایا کہ ہم جنازہ کی نماز مولانا قاسم نانوتوی سے پڑھوائیں گے، وہ جب دوسری یا تیسری تکبیر کہیں تو تم کود کر بھاگنا۔ اس طرح حضرت نانوتوی کا تماشہ بنے گا اور ہم ان سے اپنی بدنامی اور اپنے علما کی بےعزتی کا بدلہ لیں گے۔ چنانچہ حسب پروگرام شیعہ جنازہ تیار کر کے حضرت نانوتوی کے پاس گئے اور ان سے مصنوعی جنازہ پڑھانے پر اصرار کیا۔ حصرت نانوتوی تیار نہیں تھے، انھوں نے بہت ضد کی تو حضرت تیار ہوگئے۔ جب جنازہ کے قریب پہنچے تو ان کے قلب میں یہ ڈالا گیا کہ یہ سب شیعوں کی شرارت ہے اور آپ سے انتقام لینے کی سازش ہے۔ حضرت کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو رہا تھا مگر آپ نے نماز جنازہ پڑھائی اور غصہ کی حالت میں فرمایا کہ اب

یہ شخص قیامت تک اٹھ نہیں سکے گا۔نوجوان مر چکا تھا اور شیعوں میں آہ و بکا مچ گیا۔حضرت کی یہ کرامت دیکھ کر بہت سے شیعہ خاندان نے شیعیت سے توبہ کر لی اور صحیح العقیدہ سنی مسلمان بن گئے.........غیر مقلدین نے اس واقعہ کو بہت اچھالا اور اسی واقعہ کو بنیاد بنا کر یہ پروپیگنڈہ شروع کیا ہے کہ دیوبندیوں کا اپنے اکابر کے بارے میں یہ عقیدہ ہے کہ انھیں مارنے اور جلانے پر قدرت حاصل تھی۔ہم دیوبندی کیا عقیدہ رکھتے ہیں غیر مقلدین کو ہم سے پوچھنا چاہئے نہ کہ اپنی طرف سے گڑھ کر جو عقیدہ چاہیں ہماری طرف منسوب کر دیں۔اس کا نام شرارت ہی رکھا جاسکتا ہے۔کرامات کا انکار کرنا یا اس کا استہزا اور مذاق کرنا بدعقیدگی کی دلیل ہے.....صحابہ و تابعین اور بزرگوں کی کرامات کے بے شمار واقعات ہیں۔شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے ان میں کچھ کا ذکر کیا ہے۔مثلاً اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ 'وہ جب سورہ کہف پڑھتے تو آسمان میں چھتری نما بادل پیدا ہوجاتا اور اس میں چراغوں کی طرح روشنی ہوتی۔یہ فرشتے ہوتے جو ان کی تلاوت سننے کے لیے آسمان سے آتے'......'حضرت عبادہ بن بشیر اور حضرت اسید بن حضیر ایک دفعہ اندھیری رات میں آپ ﷺ کے پاس سے اپنے گھر جارہے تھے تو ان کے لیے روشنی پیدا ہوگئی اور جب ایک موڑ پر دونوں الگ ہوئے تو دونوں کے ساتھ الگ الگ روشنی ہوگئی'۔'حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آں حضور ﷺ کے تین مہمانوں کو اپنے گھر لے گئے۔کھانا کم تھا، چراغ کو حیلے سے بجھا دیا، مہمانوں نے آسودہ ہوکر کھانا کھایا۔حضرت ابوبکر نے کچھ نہیں کھایا، بعد میں دیکھا تو بچا ہوا کھانا پہلے سے زیادہ تھا۔پھر اس کھانے کو آپ ﷺ کے بہت سے اصحاب نے کھایا اور سب آسودہ ہوئے'۔'حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ایک قلعہ کا محاصرہ کیا۔قلعہ والوں نے کہا کہ ہم قلعہ کو تمہارے حوالے اس وقت کریں گے جب تم یہ زہر پی لو۔انھوں نے زہر پی لیا اور انھیں کچھ نہیں ہوا'۔'آں حضور ﷺ کے غلام حضرت سفینہ راستہ بھول گئے۔راستہ میں ایک شیر ملا، انھوں نے شیر سے کہا کہ وہ آں حضور ﷺ کے قاصد ہیں تو شیر ان کو صحیح راستے کی رہنمائی کر دی'۔'حضرت عمر نے مسجد نبوی کے منبر سے یا ساریہ! الجبل کی آواز لگائی اور حضرت ساریہ کو یہ آواز ملک شام میں سنائی دی'......'صحابہ کرام سمندر پار کرنا چاہتے تھے سمندر کا پار کرنا مشکل تھا۔حضرت علاء نے دعا کی، تمام اصحاب رسول گھوڑوں کے ساتھ سمندر

میں کود گئے اور سمندر پار کرلیا اور گھوڑوں کی زین تک نہیں بھیگی‘۔’اپنے لیے انھوں نے دعا کی کہ مرنے کے بعد ان کا بدن لوگ نہ دیکھیں، قبر میں جب ان کو اتارا گیا تو ان کا بدن قبر سے غائب تھا‘۔’حضرت ابو مسلم خولانی اپنے اصحاب کو لے کر دجلہ چلتے ہوئے پار کرگئے‘۔’اسود عنسی جو نبوت کا دعوی کرتا تھا، اس نے ابو مسلم خولانی سے اپنی رسالت کا اقرار لینا چاہا تو انھوں نے انکار کیا۔ اس نے کہا کہ تم محمد کو اللہ کا رسول سمجھتے ہو؟ انھوں نے کہا ہاں، میں آپ ﷺ کے رسول ہونے کی گواہی دیتا ہوں۔ اس پر اسے غصہ آیا اور ان کو آگ میں ڈال دیا۔ لوگوں نے دیکھا کہ وہ آگ میں کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں اور آگ ان کے لیے برد و سلام بن گئی‘..........’حسن بصری کو حجاج تلاش کررہا تھا، وہ انھیں سزا دینا چاہتا تھا۔ اس کے سپاہی چھ دفعہ ان کے گھر گئے۔ انھوں نے اللہ سے دعا کی تھی کہ وہ اس کے سپاہیوں کو نظر نہ آئیں۔ چنانچہ وہ موجود رہتے مگر حجاج کے سپاہی ان کو دیکھ نہیں پاتے‘۔’انھیں کا واقعہ ہے کہ ایک خارجی ان کو ستاتا تھا انھوں نے بددعا کردی، وہ اسی وقت گرا اور مرگیا‘۔’مطرف بن عبداللہ جب گھر میں داخل ہوتے تو ان کے برتن بھی ان کے ساتھ تسبیح پڑھتے‘۔’عبدالواحد بن زید کو فالج کا اثر ہوگیا تھا۔ انھوں نے اللہ سے دعا کی تھی کہ وضو کے وقت ان کے اعضا اصلی حالت پر ہوجایا کریں۔ چنانچہ جب وہ وضو کرتے تو ان کے اعضا ٹھیک ہوجاتے اور وضو کے بعد پھر فالج زدہ ہوجاتے‘۔ ان کی کرامت کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:”ھذا باب واسع“ (ج:۱۱:ص۲۸۲) یعنی اس طرح کے واقعات بے شمار ہیں۔“ (ارمغان حق: ج۱:ص۳۵۴)

صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین اور دیگر صلحائے امت کے ذریعہ وقوع پذیر ہونے والے حیرت انگیز واقعات و کرامات جو تاریخ کے اوراق میں جابجا بکھرے ہوئے ہیں ان کا ذکر کرکے مولانائے محترم نے یہ ثابت کیا ہے کہ تواتر سے ثابت ان واقعات کا انکار اس شخص کے لیے ممکن نہیں جو روح اسلام سے ذرا بھی آشنائی اور قدرت خداوندی پر یقین رکھتا ہو۔ پس کتاب و سنت کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کے لیے نام نہاد مدعی غیر مقلدین کے گروہ کے لیے دعوائے اتباع اسلاف کے علی الرغم قرن اول میں رونما ہونے والے امور عجیبہ کے تسلیم اور اعتراف حق سے راہ فرار کسی طرح ممکن نہیں ہے۔ اور یہ واقعہ ہے کہ بندگان ہوا و ہوس اور عبادِ خواہشات نفس کی

نگاہوں میں ان کے گھر کے افراد کے لیے یہی خرق عادت امور عین بزرگی کا ثبوت اور کامل ایمان ہے۔ظاہر ہے کہ حق و باطل کی پیمائش کے متعلق غیر مقلدین کا دہرا پیمانہ ان کے عقیدے کے فساد و تضاد کی چغلی نہیں بلکہ وضاحت اور بانگ دہل اعلان کر رہا ہے کہ کشف وکرامت کے متعلق اکابرین دیوبند پر عموماً اور حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی پر خصوصاً جو دعویٰ عالم الغیب کے الزامات واتہامات چسپاں کیے گئے ہیں تمام تر بغض وعناد اور تعصب وجہالت پر مبنی ہیں۔حضرت مولانا علیہ الرحمہ نے گروہ باطل کے اسی اعتبار معیار کی قلعی ان کے رہنماؤں کی کرامت کا ذکر کر کے کھولی ہے۔چنانچہ لکھتے ہیں:

''بزرگوں سے کرامات کا ظہور تواتر سے ثابت ہے۔اس کا انکار کرنا مشاہد ومحسوس چیز کا انکار کرنا ہے۔اب اگر اسی طرح کی کوئی کرامت دارالعلوم دیوبند کے اکابر سے ظاہر ہوجائے تو غیر مقلدین کو اس پر تعجب کیوں ہے؟ اور اگر حضرت نانوتوی کے ہاتھ پر کرامت ظاہر ہوجائے کہ ان کی بددعا سے ان کا کوئی دشمن مرجائے اور اس کا فائدہ یہ ہو کہ بہت سے گمراہ راہ حق پر آجائیں اور بدعقیدہ صحیح العقیدہ بن جائیں تو آخر غیر مقلدین کی پیشانی پر شکن کیوں پڑجاتی ہے؟ مولانا عبداللہ غزنوی مشہور بزرگ صوفی غیر مقلد اہل حدیث عالم تھے۔انھوں نے ایک مرتبہ اپنے شاگرد میاں غلام رسول سے غصہ میں فرمایا کہ 'مولوی رسول! تو مولوی شدی، محدث شدی، عالم شدی، واعظ شدی، واللہ ہنوز مسلمان نہ شدی۔' یعنی مولوی رسول! تم مولوی ہو گئے، محدث بن گئے، عالم بن گئے، واعظ بن گئے، مگر خدا کی قسم ابھی مسلمان نہیں بنے۔' یہ کہنا تھا کہ مولوی غلام رسول میاں فرش پر گر گئے اور تڑپنے لگے۔پھر مولانا عبداللہ غزنوی نے ان سے کہا کہ' بگو لا الہ الا اللہ۔' یعنی لا الہ الا اللہ کہو۔یہ کہنا تھا کہ مسجد کے در ودیوار سے لا الہ الا اللہ کی آواز آنے لگی۔'' (داؤد غزنوی ص:۱۶ بحوالہ ارمغان حق ج۱:ص ۳۵۵)

اسلامی نظام کے تمام شعبہ ہائے حیات میں جذبات دل کی صداقت کو اساسی درجہ حاصل ہے جسے ہم نیتوں کی پاکیزگی سے تعبیر کرتے ہیں۔یہ عنصر گراں مایہ جب کسی شخصیت میں درجہ کمال پر ہوتا ہے تو ایمان ویقین اور اخلاص ووفا اور عمل صالح کے صفحۂ قرطاس پر اخلاص وللّٰہیت، امانت ودیانت، اخلاقی اقدار کی بلندی اور روح وقلب کی پاکیزگی کی ایمان افروز ودلربا داستان رقم

کر جاتا ہے۔ بصورت دیگر یعنی مذکورہ جنس گراں مایہ کے بغیر زندگی اپنی تخلیق کے اغراض ومقاصد سے اس طرح غافل ہوجاتی ہے کہ تعلیمات الٰہیہ میں تہدیدی ارشادات وفرامین بھی زنگ آلود قلوب پر اثر انداز نہیں ہو پاتے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے علم ظاہری کے پندار میں انسان خود کو مافوق البشر تصور کرنے لگتا ہے۔ علمی ودینی اور ایمانی افلاس کے باعث خدا باغیانہ تہذیب کی ذہنی وفکری غلامی کو آزادی، ترقی اور روشن ضمیری کا نام دے کر مطمئن ہوجاتا ہے۔ بالآخر اسی ذہنی آوارگی اور روحانیت ناآشنا سطحی علوم کے بطن سے بداخلاقی، بدکرداری، مفاد پرستی، تعصب پرستی، اباحیت پسندی اور مذہب بیزاری جنم لیتی ہے۔ مصلحت کی خون آشام تلواریں صداقت کے خون کے لیے برہنہ ہوجاتی ہیں، حق وانصاف کے پیمانے بدل جاتے ہیں۔ سلف صالحین کے افکار ونظریات فرسودہ اور ان کے اجتہادات وتشریحات غیر معتبر قرار پاتی ہیں۔ خلاصہ یہ کہ زندگی مکمل خواہشات نفس کی تکمیل کی خوگر اور آوارگی میں شتر بے مہار ہوجاتی ہے۔ ظاہر ہے یہ صورت حال رہروانِ قافلۂ اسلام کے قلوب کے لیے سخت اضطراب کا سبب اور سوہان روح ہے لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ متذکرہ تمام امکانی صورتیں ترک تقلید کے پلیٹ فارم سے کتاب وسنت کی تحقیق کے نام پر انتہائی طنطنہ اور زور وشور کے ساتھ رونما ہوئیں۔ طبقۂ غیر مقلدین کے اعاظم تحریف وتلبیس کے نقش قدم پر چلنے والے مولانا یوسف جے پوری نے امانت ودیانت کا خون کر کے اسلامی قانون کی اہم اور معتبر کتاب ''ہدایہ'' کے مندرجات کو اپنے سطحی علم کی روشنی میں غلط ثابت کرنا چاہا اور اسے کلام الٰہی کے ہم رتبہ قرار دینے کا الزام فقہائے احناف کی مقدس ذات پر قائم کرنے کی ناکام کوشش کی۔ علمائے صالحین کے وقار کو مجروح کرنے کی اس ناپاک مہم اور گھناؤنے طرز عمل پر مولانا غازی پوری علیہ الرحمہ جیسی جری، نڈر اور علوم واتقان سے معمور ذات کیوں کر خاموش رہ سکتی تھی۔ سو مولانائے معظم نے اس باطل ریمارک کا پوسٹ مارٹم کر کے نہ صرف ان کی عصبیت کا پردہ فاش کیا ہے بلکہ ان کے علمی افلاس اور فکری امراض کو بھی آشکار کر دیا ہے۔ بے غبار عبارتوں میں تحریف وترمیم کے ذریعہ کارخانۂ شرع میں فساد عظیم پیدا کرنے والے ''صاحب حقیقۃ الفقہ'' کے اعمال خبیثہ پر حضرت مولانا کی گرفت ان کی دقیقہ رسی، ان کی ژرف نگاہی اور قوت استدلال کا اندازہ ذیل کے اقتباس سے بخوبی آپ لگا سکتے ہیں:

''میرا خیال ہے جس غیر مقلد نے یہ بات اڑائی ہے کہ ''ہدایہ'' میں لکھا ہے کہ ہدایہ قرآن کی طرح ہے، اس نے غالبًا حکیم صادق سیالکوٹی غیر مقلد کی کتاب ''سبیل الرسول'' سے یہ بات نقل کی ہے۔ اس لیے کہ یہ جھوٹ سبیل الرسول والے نے ہی بولا ہے کہ وہ لکھتا ہے ''جس طرح قرآن کے بعد اصح الکتاب صحیح بخاری ہے اسی طرح احناف میں ہدایہ کا درجہ ہے کہ ہدایہ ہی میں لکھا ہے کہ '' ان الھدایہ کالقرآن'' کہ ہدایہ مثل قرآن کے ہے۔'' (ص ۲۲۸) حکیم صادق سیالکوٹی سبیل الرسول کے مصنف نے خدا کا ادنی سا خوف رکھے بغیر اتنا بڑا جھوٹ گڑھا ہے۔ ہدایہ کوئی نایاب کتاب نہیں ہے، ہر عربی مدرسہ میں اس کا ایک نہیں کئی نسخہ موجود ملے گا۔ کسی غیر مقلد کا آپ ہاتھ پکڑیے اور کسی بھی آس پاس کے مدرسہ میں لے جا کر اس کے ہاتھ میں ہدایہ دیدیجئے اور اس کہئے کہ دکھلاؤ! ہدایہ میں یہ بات کہاں لکھی ہے؟ وہ ہدایہ کے اوراق ساری زندگی الٹتا پلٹتا رہے گا مگر ہدایہ میں اسے یہ بات نظر نہیں آئے گی۔ غیر مقلد علما خود تو جھوٹ بولتے ہی ہیں، افسوس یہ ہے کہ وہ اپنے عوام کو بھی جھوٹ کی راہ پر لگا رہے ہیں۔ حکیم صادق سیالکوٹی نے اپنی کتاب سبیل الرسول میں مولانا یوسف جے پوری کی کتاب ''حقیقۃ الفقہ'' سے بہت زیادہ استفادہ کیا ہے۔ حقیقۃ الفقہ کی باتیں کبھی حوالہ دے کر اور کبھی بلا حوالہ دیے ہوئے اس کتاب میں نقل کرتے رہتے ہیں۔ یہ بات بھی انھوں نے غالبًا حقیقۃ الفقہ سے اڑائی ہے مگر حقیقۃ الفقہ والے نے ہدایہ کا نہیں مقدمۂ ہدایہ کا حوالہ دیا ہے۔ ہمارے پاس جو ہدایہ ہے ہم نے اس کا مقدمہ دیکھا ہے۔ ہمیں یہ بات ہدایہ کے مقدمہ میں بھی نظر نہیں آئی۔ یقیناً یوسف جے پوری نے بھی جھوٹ بولا ہے، یا معلوم نہیں اس کے نزدیک ہدایہ کے مقدمہ سے کیا مراد ہے؟ بہر حال یوسف جے پوری کی پوری بات سنئے فرماتے ہیں: ''یہ ہدایہ ہے جس کی شان میں یہ شعر مقدمہ ہدایہ میں منقول ہے:

ان الہدایہ کالقرآن قد نسخت
ما صنفوا قبلہا فی الشرع من کتب

ہدایہ یہ قرآن کی طرح ہے جس نے تمام پہلی کتابوں کو جو شروع میں لکھی گئیں منسوخ کر دیا ہے۔'' (حقیقۃ الفقہ ص ۵۴)

''........قطع نظر اس کے کہ یہ شعر کس کا ہے اور کہاں لکھا ہے؟ آیئے ہم دیکھیں کہ اس شعر کے ترجمہ میں غیر مقلدین کے مجتہدین علما کیسا غچہ کھا رہے ہیں۔ نہ تو حکیم صادق سیالکوٹی نے شعر سمجھا اور نہ ہی مولانا یوسف جے پوری نے شعر کا مفہوم ومطلب جانا۔ شعر کا صحیح اور بامحاورہ ترجمہ یہ ہے ''بے شک ہدایہ نے قرآن کی طرح پہلے کی تمام فقہی کتابوں کو منسوخ کر دیا ہے۔'' شعر کہنے والے کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح قرآن نے گزشتہ تمام آسمانی کتابوں کو اپنی فصاحت و بلاغت اور اسرار وحِکَم اور آخری کتاب ہونے کی وجہ سے منسوخ کر دیا ہے اسی طرح ہدایہ اپنے عمدہ اسلوب تحریر، عبارت کی جامعیت و بلاغت و جزالت کی وجہ سے پہلے کی تمام فقہی کتابوں سے فائق ہے۔ اگر صرف ہدایہ کو پڑھ لیا جائے تو فقہ کی کسی اور کتاب کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔'' (ارمغان حق ج ۱ ص ۲۶۰)

زبان وادب کی فنی باریکیوں کے حوالے سے مولانائے محترم کی استدلالی کیفیت اور اس کی اہمیت ومعنویت کا اندازہ اسی وقت ممکن ہے جب عبارتیں سامنے آجائیں۔ اور ان کے مطالعہ کے بعد ذہن یہ اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ آپ کو اردو وعربی دونوں زبانوں پر یکساں عبور حاصل ہے اور آپ دونوں زبانوں کی دریاؤں سے یکساں سیراب ہوئے ہیں۔

''اہل علم جان رہے ہیں کہ شعر میں 'الہدایۃ' 'اِنّ' کا اسم ہے اور 'کالقرآن' سے آخر تک سب مل ملا کر 'اِنّ' کی خبر ہے۔ اور پورے شعر کا صحیح ترجمہ وہ ہے جو میں نے کیا ہے مگر غیر مقلدین کے قابل لوگ 'اِنّ الہدایۃ' کو مبتدا بنا کر 'کالقرآن' کو خبر بنا دیتے ہیں اور یہیں بات کو پوری کر رہے ہیں اور ترجمہ کرتے ہیں کہ 'ہدایہ قرآن کی طرح ہے۔' واہ رے قابلیت! اگر جملہ یہیں پر مکمل ہوتا تو پھر ضروری تھا کہ 'کالقرآن' کے بعد 'الذی' یا 'التی' اسم موصول لایا جاتا، بلا اس کے عبارت درست نہیں ہو سکتی تھی۔ اور کمال تو مولانا یوسف جے پوری کا ہے۔ 'فی الشرع' کا ترجمہ آپ کرتے ہیں 'شروع میں' ایسے پاگلوں کو جے پور سے لاکر آگرہ کے پاگل خانہ میں کیوں نہیں رکھ دیا گیا۔ بھلا بتائے جس کو عربی کے ایک معمولی شعر کا ترجمہ کرنے کا سلیقہ نہ ہو، جو عربی کی معمولی عبارت کا صحیح ترجمہ نہ کر سکتا ہو اور نہ سمجھ سکتا ہو اس کو شوق ہوتا ہے ہدایہ کے خلاف منھ زوری دکھلانے کا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون (ایضاً ص ۶۱)

ان بے مایگان علم کے تحریف وترمیم اور دجل وفریب کے بے شمار نمونے حضرت مولانا کی نگاہِ نقد میں آئے۔متعدد مثالیں اس باب میں بھی ذکر کی ہیں جن سے غیر مقلدین کی فکری سطح اور علمی افلاس کی وضاحت ہوتی ہے۔بہتر ہے کہ داستان تحریف وجہل کا ایک ٹکڑا مزید نقل کر دوں:

''چوں کہ غیر مقلدین کو'حقیقۃ الفقہ' پر بڑا ناز ہے اور اس کا مولف جو جاہل محقق تھا اس کو یہ لوگ بڑا محقق سمجھتے ہیں۔اس لیے ذرا اس کی قابلیت کا ایک نمونہ اور اہل علم ملاحظہ فرمائیں مگر شرط یہ ہے کہ قہقہہ نہ لگائیں۔تدریب الراوی سے امام شافعی کا یہ قول نقل کیا ہے:''وکان یقول: ایاکم والاخذ بالحدیث الذی اتاکم من بلاد اهل الرائی الا بعد التفتیش'' اور اس کا ترجمہ یہ کیا ہے:''کوئی حدیث بھی عراق سے آوے اور اس کی اصل حجاز سے نہ ہو تو نہ قبول کی جائے اگر چہ صحیح ہو۔نہیں چاہتا ہوں مگر خیر خواہی تیری۔''(۱۳۴) یہ ہے 'الا بعد التفتیش' کا شاندار،شاہ کار ترجمہ!متنبّی ہوتا تو یوسف جے پوری کی قابلیت پر پورا ایک قصیدہ کہہ دیتا۔میں کیا بتاؤں جب میں غیر مقلدین مجتہدین کی قابلیتوں کے نمونے دیکھتا ہوں تو حیران ہوکر سوچتا ہوں کہ جہل مرکب کے یہ گرفتار آخر کب اپنی اوقات پہچانیں گے؟ایسے لوگ امت کو گمراہی کی کس خندق وکھائی میں ڈالیں گے؟آقائے دو جہاں ﷺ کی پیشین گوئی آج ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔جاہل دین کے ٹھیکے دار بن گئے ہیں،انھوں نے حرام وحلال کی تمیز اٹھا دی ہے۔ضلّوا فاضلّوا کا پورا نقشہ آج نگاہوں کے سامنے ہے۔''

(ارمغان حق:ج۲:ص۲۶۲)

مذکورہ اقتباس میں امام شافعی کی عبارت کا نفس کے مطابق ترجمہ کر کے یوسف جے پوری نے جو اپنی جہالت اور خیانت کا بدترین ثبوت پیش کیا اس کا ادراک ایک معمولی بلکہ مبتدی عربی کی طالب علم کے لیے مشکل نہیں۔لہٰذا عام اردو داں قارئین کے لیے حضرت مولانا نے اس کا حقیقی اور صحیح ترجمہ اس طرح کیا ہے۔''امام شافعی فرماتے تھے کہ اہل الرائے شہروں سے جو حدیث آئے اس کو چھان بین کر کے ہی لینا۔''(حاشیہ ارمغان ۲۶۲)

دین اسلام کی سب سے اہم بنیاد اور اعلی ستون ایمان ہے جس کا تعلق دل سے ہے۔یہ داخلی کیفیت کا نام ہے۔اللہ اور اس کے رسول سے سچی محبت والفت میں ڈوبے ہوئے جذبات اور

اسی رب العالمین ورحمۃ للعالمین کی صدق دل سے اطاعت وسرافگندگی کا نام ہے۔ یہ شریعت حقہ کے آگے ہزار جان سے سر تسلیم خم کرنے کی قوت اور نفس وشیطان کی فریب انگیزیوں کے خلاف مجاہدات وریاضات کی روحانی طاقتوں کا سرچشمہ ہے۔اس کے برخلاف دلوں کی دنیا جب متذکرہ سچے ایمانی سرمائے سے محروم ہوتی ہے تو کردار وافعال پر خواہشات کا غلبہ وحکمرانی ہوجاتی ہے۔ شرعی احکام وقوانین خود ساختہ پرداختہ افکار وخیالات کے سانچے میں ڈھل جاتے ہیں مکروفریب کا بازار گرم ہوجاتا ہے۔عبادات خدا ورسول کے لیے نہیں بلکہ نفس کے اطمینان کے لیے ادا کی جاتی ہیں اور یہ حقیقت اظہر من الشّمس ہے۔

روح ایمانی کے خلاف صفحات وعقائد پر ابھرنے والی متذکرہ بالا تمام تصویریں طائفہ بوالہوس غیر مقلدین پر صادق آتی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اسلام کے تمام احکام ومسائل میں، فروعی ہوں یا اصولی، جمہور کے خلاف انھوں نے اپنی الگ متوازی راہ نکالی ہے اور صداقت وعدالت اور امانت ودیانت کو بالائے طاق رکھ کر جمہور علمائے اسلام خصوصاً علمائے احناف کے خلاف ایک ہنگامۂ محشر قائم کر رکھا ہے۔متفقہ مسائل کو ہوا دینا، انھیں باطل ٹھہرا کر پرامن فضاؤں کو مسموم کرنا، حنفی افکار کے خلاف ان کے مقررین کی شعلہ بیانی، اہل قلم کی محاذ آرائی وبدزبانی نیز باطل نظریات کا پروپیگنڈہ ان کا محبوب مشغلہ اور ناپاک مشن ہے۔صاف بات ہے کہ ایسے لوگوں کے ساتھ جو دیدہ ودانستہ اسلامی احکام وقوانین کا مذاق اڑاتے ہوں، دین کی متفق علیہ باتوں کو طنز وتعریض کا نشانہ بناتے ہوں، جمہور علما کے متفقہ موقف کے خلاف اپنا ایک اعلانیہ موقف رکھتے ہوں اور اپنی تحریروں تقریروں اور دوسرے ذرائع ابلاغ کے ذریعہ امت مسلمہ میں فتنہ انگیزی کرتے ہوں، ان سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی۔ایمانی غیرت کا تقاضہ ہے کہ اسلام کے پردے میں چھپے ہوئے اس سنگین جرم کا پردہ فاش کیا جائے ،اسلام اور اس کے خلاف متضاد نظریات کو واضح کیا جائے کہ اجتماع ضدین جس طرح ممکن نہیں اسی طرح یہ بھی محال ہے کہ رات اور دن جمع ہوجائیں، روشنی اور تاریکی ایک ہوجائیں، خیر وشر ہم آغوش ہوجائیں اور دھوپ وسایہ ہم دوش ہوجائیں۔سو مولانائے محترم نے اس اہم تقاضہ کی آواز پر بہت سے فروعی واصولی مسائل جو باطل کی محاذ آرائی کے نشانے پر ہیں، ان میں معرکۃ الآرا مسئلہ ’فاتحہ خلف الامام‘ کے متعلق شرح وبسط سے روشنی ڈالی

ہے۔اور قرآن وسنت اور آثار صحابہ،اقوال تابعین اور ارشادات تبع تابعین کے ذریعہ وضاحت کی ہے کہ جمہور مسلک کے مطابق امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا اسلامی تعلیمات کے منافی عمل ہے۔ واضح رہے کہ اس مسئلہ کے متعلق قرآن وسنت اور عمل صحابہ کے نقوش اس قدر واضح اور صریح ہیں کہ ایک ایسا شخص جس کے قلب میں دیانت وامانت کی ذرا بھی رمق ہے اسے اس بات کے تسلیم کرنے سے چارۂ کار نہیں کہ حق وہی جو امام ابوحنیفہ کا موقف ومذہب ہے۔مگر براہو نیتوں کے فتور اور عصبیتوں کے فتنہ سامانیوں کا جو باطل کے خلاف حق کی کسی چیز کو قبول کرنے پر انسان کو آمادہ نہیں ہونی دیتی۔حالانکہ مسافران علم میں سے کس کو نہیں معلوم کہ قرآن کی یہ آیت چیخ چیخ کر اعلان کررہی ہے کہ ”فاذا قری القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلکم ترحمون.“ (سورہ اعراف) ”جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔“ اور کون نہیں جانتا کہ قرآنی علوم میں امامت کے درجہ پر فائز حضرت،عبداللہ ابن عباس،حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما اور حضرت مجاہد،حضرت سعید بن مسیّب،حضرت سعید ابن جبیر،حضرت حسن بصری، حضرت عبید بن عمیر،حضرت عطا ابن رباح،حضرت امام احمد بن حنبل کی زبان مبارک نے اس آیت کا سبب نزول نماز کو قرار دیا ہے۔(تفسیر ابن کثیر: ج ۲۔تفسیر ابن جریر: ج ۹ ص ۱۰۳۔کتاب القراۃ: ص ۸۸۔روح المعانی: ج ۹ ص ۱۵۰)

مگر چوں کہ اس تفسیر کے ذریعہ طائفہ بوالہوس کے مزعومہ عقائد کے ہوائی قلعہ مسمار ہورہے تھے،اس لیے ان ارشادات کو پائے استحقار سے ٹھکرادیا اور امام کی اقتدا میں خواہ سری یا جہری ہو،عدم قرأت کے قائلین صحابہ کرام،حضرات خلفائے راشدین،حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت جابر بن عبداللہ،حضرت زید بن ثابت،حضرت عبداللہ بن مسعود،حضرت ابو درداء اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم جیسا کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں: ”زیرا کہ خواندن فاتحہ باامام درصحابہ شائع نبود۔“ (مصفی: ج ۱: ص ۱۳۱) ”چنانچہ امام کے ساتھ سورہ فاتحہ پڑھنا حضرات صحابہ میں شائع نہ تھا۔“ اور تابعین میں بڑی تعداد سوید ابن غفلہ،سعید ابن جبیر،سعید ابن مسیّب،محمد ابن سیرین،اسعد بن یزید،علقمہ ابن قتیس اور ابراہیم نخعی علیہم الرحمۃ والرضوان،نیز تبع تابعین کی ایک بڑی تعداد جو مطلقاً کسی نماز میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کی قائل نہیں تھی،سفیان

ابن عیینہ، سفیان ثوری امام ابوحنیفہ علیہم الرحمۃ والرضوان (عمدۃ القاری) کے افکار ونظریات پر باطل کا حکم لگا کر اسلاف مذکور کے موقف کے خلاف ابلیس خادع کی نئی راہ کھول کر تعصب جہالت خیانت، کذب وبددیانتی اور ایمان فروشی کا بدترین مظاہرہ کیا ہے۔ حد یہ ہے کہ اپنے ریت کے گھروندے کی ناکام حفاظت میں اپنے عظیم رہنماؤں شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور مولانا عبدالرحمان مبارک پوری کی حق گوئی کو بھی نظر انداز کر دیا ہے۔ چنانچہ امام اہل حدیث مولانا عبدالرحمان مبارک پوری نے وضاحت کی ہے مؤطا امام محمد میں ہے:"**لا قرأة خلف الامام فیما جهر فیه و لا فیما لم یجهر بذالک جاء ت عامة الآثار وهو قول ابی حنیفة.**" (تحفۃ الاحوذی: ج۲ ص۲۰۴۔ مؤطا امام محمد ص۹۴) امام کے پیچھے قرأت نہ کرنی چاہئے خواہ امام زور سے قرأت کر رہا ہو یا آہستہ۔ اسی پر عام آثار دلالت کرتے ہیں اور یہی امام ابوحنیفہ کا مسلک ومذہب ہے۔"

(بحوالہ غیر مقلدین کے اعتراضات حقیقت کے آئینے میں: ص۲۴۲۔ مفتی شوکت ثنا قاسمی)

مطلب پرستی خودغرضی اور حقائق کشی کے اس سیاہ کردار کا حضرت غازی پوری کے علم ریز قلم نے اس طرح پوسٹ مارٹم کیا ہے اور کوتہ آستینانِ علوم اور جھوٹے مدعیان علم وتحقیق کی دراز دستیوں پر براہین قاطعہ اور دلائل ساطعہ کے ذریعہ اس طرح کاری ضرب لگائی ہے کہ سمندر کی جھاگ کی طرح ان کے پروپیگنڈے کی اچھلتی کودتی تحریری وتقریری موجیں سرد ہو کر رہ گئیں۔ ہر چند حضرت نے اس باب میں غیر مقلدین کے باطل عقائد کے بنیادی دلائل سے کوئی تعرض نہیں کیا تاہم جمہور کے دلائل خصوصاً اس فرقہ کے عظیم رہنما شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے فرامین واقوال کی روشنی میں اپنی خداداد فنی بصیرت اور قوت استدلال سے مذہب احناف کی حقانیت کی ایسی زبردست تشریح وتوضیح کی ہے کہ احقاق حق کے ساتھ ساتھ ابطال باطل کی تصویر بھی نکھر کر سامنے آجاتی ہے۔ دیگر علمائے امت کی بہ نسبت چوں کہ علامہ ابن تیمیہ کی ذات غیر مقلدین کے یہاں زیادہ معتبر اور مستند ہے اس لیے حضرت غازی پوری نے خاص طور سے حضرت زید ابن ثابت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے ارشادات نقل کرنے کے بعد علامہ ابن تیمیہ کے کلام کو تائید میں پیش کیا ہے۔ تاکہ بغض وعناد کی بنیاد پر انکار وتردید کا راستہ ان کے لیے مسدود ہو جائے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''ابن تیمیہ علیہ الرحمہ جن کی تحقیقات پر غیر مقلدین کو بڑا ناز رہتا ہے حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت زید کا فتویٰ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: **'وابن مسعود وزید بن ثابت هما فقيها اهل المدينة واهل الكوفه من الصحابة وفي كلامهما تنبيه على ان المانع انصاته لقرأة الامام.'** (فتاوی ابن تیمیہ ج ۲۳: ص ۲۷۵) 'یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت زید بن ثابت ان صحابہ کرام میں سے ہیں کہ ان میں کا ایک اہل مدینہ کا فقیہ ہے اور ایک اہل کوفہ کا۔ ان دونوں کے کلام میں یہ تنبیہ ہے کہ قرأت نہ کرنے کی وجہ اور اس سے مانع یہ ہے کہ امام کی قرأت کو سننا اور خاموش رہنا مقتدی کا وظیفہ ہے۔'' اور جو فتویٰ حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت زید بن ثابت کا ہے وہی عبداللہ بن عمر کا بھی ہے۔ مؤطا میں امام مالک حضرت نافع سے روایت کرتے ہیں: **'ان عبدالله بن عمر اذا سئل هل يقرأ خلف الامام؟ يقول اذا صلى احدكم خلف الامام تجزئه قرأته واذا صلى وحده فليقرأ.'** 'یعنی حضرت عبداللہ بن عمر سے جب قرأت خلف الامام کے بارے میں پوچھا جاتا تو فرماتے کہ تم میں کا جب کوئی امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرأت اس کو کافی ہے اور جب تنہا نماز پڑھے تو اسے قرأت کرنی چاہئے۔' حضرت عبداللہ بن عمر کا یہ فتویٰ بھی بتلا رہا ہے کہ صحابہ کرام میں عام طور پر قرأت خلف الامام پر عمل نہیں تھا۔ صحابہ کرام کا عام معمول یہی تھا کہ وہ امام کے پیچھے قرأت نہ کرتے تھے اور **'لا صلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب'** کا مطلب عام طور پر صحابہ کرام یہی سمجھتے تھے کہ اس کا تعلق منفرد سے ہے، مقتدی سے نہیں۔ اور صحابہ کرام کا یہ عمل آں حضور ﷺ کے فرمان اور ارشادات اور آپ کی رہنمائی کی روشنی میں تھا۔ یہ مسئلہ کوئی اجتہادی مسئلہ نہیں ہے کہ صحابہ کرام کے یہ فتاوی ان کے اجتہاد و رائے پر مبنی ہوں۔ نماز تو دن رات میں کم از کم ہر صحابی پانچ مرتبہ با جماعت پڑھتا ہی تھا۔ آں حضور ﷺ کے زمانہ میں آپ کے پیچھے صحابہ کرام نماز پڑھا کرتے تھے اور مقتدی ہوکر وہ کیسے پڑھا کرتے تھے، صحابہ کرام کے ان فتووں کی روشنی ں میں اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے۔ صحابہ کرام اور تابعین بلکہ بعد کے زمانہ میں بھی عام مسلمانوں کے نماز پڑھنے کا یہی طریقہ تھا کہ وہ مقتدی ہوتے تو امام کے پیچھے وہ کچھ نہیں پڑھتے تھے۔ خصوصاً جہری نمازوں میں۔ علامہ ابن تیمیہ کی اس پر یہ شہادت ملاحظہ فرمائیں: **'معلوم ان النهي عن القرأة خلف الامام في الجهر متواتر من الصحابة والتابعين**

ومن بعدهم.' (فتاوی ابن تیمیہ ج:۲۳ص۳۴) 'یہ بات معلوم ہے کہ حالت جہر میں قرأت خلف الامام سے منع کرنا صحابہ تابعین اور بعد کے لوگوں سے متواتر ثابت ہے۔' (ارمغان حق ج اص۲۲)

طبقہ غیر مقلدین میں علما سے لے کر عام افراد تک کا یہ شیوہ ہے کہ کتب حدیث میں جا بجا بکھری ہوئی مستدلات ابی حنیفہ صحت کے اعلی معیار کے باوجود ان پر ضعیف ومنکر کا حکم لگانے میں ذرا بھی نہیں جھجکتے۔ ہاں اگر روایتیں ان کے مخصوص عقائد کے مطابق ہوں تو تمام کمزوریوں کے باوجود قابل اعتنا ہو جاتی ہیں۔ زعمائے احناف سے تو اس فرقہ کو ازل کا بیر اور بغض ہے۔ سو حضرت نے بہت سی بے غبار روایتوں میں حضرت جابر کی اس روایت کو بھی اپنے مدعا کے ثبوت میں پیش کیا ہے جس کی صحت پر علامہ ابن تیمیہ اور غیر مقلد دنیا کی عظیم شخصیت علامہ ناصرالدین البانی کے فرامین شاہد وناطق ہیں بلکہ لطف یہ ہے کہ ابن تیمیہ نے بھی اس روایت کو منع قرأت فاتحہ خلف الامام میں مستدل بنایا ہے۔ حضرت غازی پوری لکھتے ہیں:

''علامہ ابن تیمیہ نے اس بات پر بھی کہ مقتدی کو امام کے پیچھے جب امام قرأت کرے تو کچھ پڑھنا نہیں چاہئے بلکہ خاموش رہنا چاہئے، حضرت جابر کی اس روایت سے استدلال کیا ہے جس کو ابن ماجہ اور بعض دوسرے محدثین نے بھی ذکر کیا ہے۔ ابن ماجہ میں ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث ہے: '**عن جابر قال قال رسول الله ﷺ من كان له امام فقرأة الامام له قرأة.**' حضرت جابر فرماتے ہیں کہ آں حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس مصلی کا امام ہو اور وہ نماز پڑھا رہا ہو تو امام کا پڑھنا مقتدی کے لیے کافی ہے (امام کے پیچھے مقتدی کو پڑھنے کی ضرورت نہیں) یہ حدیث بھی قرأت خلف الامام کے بارے میں فیصلہ کن ہے کہ مقتدی کا فریضہ امام کی قرأت سننا ہے نہ کہ امام کے پیچھے کچھ پڑھنا ہے۔ اور یہ حدیث بھی صحیح ہے۔ علامہ ابن تیمیہ نے اس حدیث کو صحیح بتلایا ہے اور وقت حاضر کے سلفیوں کے امام محمد ناصرالدین البانی نے بھی اس حدیث کو صحیح بتلایا ہے اور اس حدیث کی روشنی میں اس مضمون کی دوسری احادیث کی روشنی میں البانی کا بھی یہی مذہب ہے کہ امام جب قرأت کرے تو مقتدی کو خاموش رہنا واجب ہے۔''
(ارمغان حق: ج ۱: ص ۲۵)

صحیح بخاری میں موجود" لا صلاۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب"،جس شخص نے نماز میں سورہ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں۔حضرت عبادہ بن صامت سے مروی ہے۔اس روایت کو غیر مقلدین نے بہت زور وشور اور طنطنہ کے ساتھ دعوائے باطل کے ثبوت میں پیش کیا ہے اور آج بھی بزعم خویش اسی روایت کی روشنی میں ان کا عمل ہے۔حالاں کہ احادیث کے معنی ومراد کے عالم وامین حضرت جابر کی اس روایت کے متعلق یہ تصریح کہ مذکورہ حدیث کا محمل منفرد ہے نہ کہ مقتدی۔انھیں قابل قابل قبول نہیں ہے، کھلی وجہ ہے کہ یہ صراحت اگر چہ صحابی ہی کی کیوں نہ ہو، ان کے مسلک کے خلاف ہے لہٰذا اس سے آنکھیں بند کرلینا ہی ان کے دستور کی ایک دفعہ ہے۔مولانائے محترم نے بخاری کی اس روایت کے بارے میں علمی بصیرت اور وسعت مطالعہ کے ذریعہ تحقیقات سے وضاحت کیا کہ اس حدیث کا تعلق تنہا نماز پڑھنے والے سے ہے مقتدی اس میں شامل ہی نہیں ہے اور استشہاد میں اس صحیح دعوائے احناف کو کتاب وسنت اور آثار صحابہ اور اقوال تابعین کو پیش کرکے زبردست استحکام عطا کیا ہے۔بخوف طوالت اقتباس نقل کرنے سے ہم معذور ہیں۔لہٰذا تلاش حق کے مسافروں کے لیے ضروری اور لازم ہے کہ'ارمغان' کی صورت میں دستیاب اس گلشن علم کی سیاحت کریں۔اس کے علاوہ حضرت مولانا نے معاشرہ میں اضطراب کی کیفیت پیدا کرنے والے اکثر سلگتے مسائل پر ٹھوس اور مضبوط دلائل کی روشنی میں تفصیلی بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ جمہور اور فقہائے احناف کے افکار ونظریات اسلامی روح ومزاج اور صحابہ وتابعین کی تعلیمات سے مکمل آہنگ رکھتے ہیں۔ہاں اس فکر کے خلاف کوئی منہج کوئی طریقہ کسی ایسے مریض شک وارتیاب کو جو ہوسکتا ہے کہ مدعیان علم وحکمت کی دانش فروشیوں کے ہاتھوں اپنا یقین واطمینان کھو چکا ہو اگر چہ خوبصورت اور بھلا معلوم ہوتا ہو لیکن حقیقت میں اسلام سے اس کا تعلق نہیں ہے۔شک واضطراب کی راہ سے پیش آنے والے مختلف النوع بیالیس موضوعات پر مشتمل تین سو تہتر صفحات پر پھیلی ہوئی علمی وفنی، نحوی، لغوی، تفسیری اور حدیثی تحقیقات کی اہمیت کا اندازہ ممدوح کی شخصیت اور ان کی خدمات پر گہری نظر رکھنے والے دنیائے علم وفضل میں یکتائے روزگار استاذنا المعظم حضرت مولانا اعجاز احمد اعظمی رحمۃ اللہ علیہ واسعۃ کے ایک چھوٹے مگر جامع سے جملہ سے لگایا جاسکتا ہے:''زمزم میں لکھے ہوئے مضامین کو انھوں نے از سر نو مرتب کیا اور

’ارمغان حق‘ کے نام سے تین جلدوں میں ان کا مجموعہ شائع کیا۔ یہ تینوں حصے اگر کسی کے پاس ہوں تو غیر مقلدیت کے ہر اعتراض کا جواب اس کے پاس موجود ہے۔‘‘ (ماہنامہ ضیاء الاسلام :ص ۴۰۔ اپریل ۲۰۱۲)

زبان وادب کے حوالے سے حضرت ممدوح کی تحریریں بھاری بھرکم الفاظ وکنایات و تشبیہ واستعارات کے بوجھ سے روایتی ادیبوں کی طرح اگر چہ خالی اور آزاد ہیں تاہم سادگی و برجستگی عام فہم طرز استدلال احادیث وآثار کی پیچیدہ تعبیروں کی دل کش وروح پرور تشریح کی ایک ایسی دنیا آباد ہے جس کی وجہ سے دقیق علمی بحثوں کی مشکل گرہیں آسانی سے کھلتی چلی جاتی ہیں اور اس کتاب کا مسافر اپنے سفر میں ایمانی سرمایے کی حفاظت کرنے والی علم وآگہی کی شمع سے ذہن ودل کی دنیا کو روشن کرتا چلا جاتا ہے۔ سخن طرازی کے اس مرحلہ میں متانت وسنجیدگی جو اہل حق کا شعار اور شناخت ہے، اس کے باوجود کہیں کہیں لہجہ سخت اور اسلوب تیز محسوس ہوتا ہے۔ اس کی اہم وجہ آپ کے قلب میں سدا فروزاں رہنے والی ایمانی صلابت، ایقانی حرارت، اسلامی حمیت اور دینی غیرت کی روشن شمع ہے جو اسلامی تہذیب وثقافت کو مجروح کرنے والی حرکتوں کے ظہور پر بے چین اور بھڑک اٹھتی ہے۔ چوں کہ آپ نے مخصوص طرز فکر اور اسلام کے مابین جاری معرکوں کو نئی صورت اور نئی شکل میں دیکھا، اس کی چالبازی، سحر کاری اور عقائد صحیحہ کے خلاف شیشہ سازی دیکھی، اسلاف اور امت کے عمائدین کی نسبت بے زاری اور بے اعتمادی دیکھی اور وجدان وروح کی آواز پر قرطاس وقلم کے پلیٹ فارم سے راہ حق اور صراط مستقیم کی رہنمائی میں سرگرم ہو گئے، سو دلوں میں تزلزل پیدا کرنے والی اس فضا میں جہاں امام اعظم ابوحنیفہ کہنا شرک اور برٹش گورمنٹ کی ملکہ کو ’’ملکۂ معظّمہ‘‘ کہنا عین ایمان ہو، اگر آپ کی نگارشات میں شدت تیزی وتندی کی لہریں محسوس ہوں تو یقین کریئے کہ یہ عین ایمانی فطرت کے مطابق تصلب فی الایمان کی صدائے احتجاج ہے جو سرمایۂ ایمان ویقین پر شب خون مارنے والے داخلی وخارجی فتنے کے تمام شیشہ گروں کے مقابلے کے لیے لازم اور ضروری ہے۔



”ارمغان حق“ (جلد دوم) ایک مطالعہ

مفتی محمد روح اللہ قاسمی صاحب
مدرسہ فلاح المسلمین گوا پوکھر بھوارہ مدھوبنی بہار

فقہ حنفی یا دیگر فقہی مکاتب فکر، نو پیش آمدہ مسائل واحکامات کا وہ مجموعہ ہے جن کی پشت پر قرآن وسنت کے نصوص اور مضبوط دلائل ہیں اوراس پر عمل کرنے والا درحقیقت خدائی احکام پر ہی عامل اور منشاء الٰہی کو پورا کرنے والا ہوتا ہے۔ اگر کوئی امام ابوحنیفہ یا دیگر ائمہ ثلاثہ کی اقتدا وتقلید کرتا ہے تو اس کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ ان کے مقلدین براہ راست نصوص شرعی سے اپنے مسائل کا حل نکالنے سے قاصر ہیں اور اپنے اماموں کی قرآن وحدیث پر گہری نظر اور فقہی بصیرت پر اعتماد کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ان حضرات کی راہنمائی میں وہ درحقیقت قرآن وحدیث پر عمل کررہے ہیں۔ اگر خدانخواستہ یہ ائمہ قرآن وحدیث کے خلاف اپنی بات کی دعوت دیتے جو قرآن وحدیث کے نصوص کے خلاف ہوتا تو یہ چار امام کیا ایسے ہزاروں ابوحنیفہ و مالک سے ہم بیزار ہوتے۔

اس صورت حال کی پوری پوری وضاحت کے باوجود بھی ہندستان میں ایک جماعت اہل حدیث نام سے اٹھی اور دعوی کیا کہ وہ قرآن وحدیث پر عمل کرنے والی جماعت ہے۔ دعوی تو بڑا خوبصورت تھا مگر ان کا یہ دعوی محض ہوائی ثابت ہوا۔ حقیقت اور واقعہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ البتہ یہ ہوا کہ توحید وسنت کا نام لے کر اس کا سارا زور احناف کی مخالفت اور فقہ حنفی کو قرآن و حدیث کے خلاف ثابت کرنے میں صرف ہوتا رہا۔

بیاد: وکیل احناف حضرت مولانا محمد ابوبکر صاحب غازی پوری نور اللہ مرقدہ

یہ واقعہ ہے کہ اہل حدیث حضرات جو بزعم خود صرف قرآن وحدیث کی پیروی کے دعویدار ہوتے ہیں، ان کی شناخت چند مختلف فیہ مسائل بن گئے۔ وہ مسائل جس میں دور اول سے اختلاف چلا آرہا ہے اس میں ایک پہلو کو شدت سے اپنا کر دوسری رائے رکھنے والے کو ہر ان الزامات واتہامات سے نوازا جس کی امید کسی سنجیدہ اور قرآن وحدیث پر عامل جماعت سے یقیناً نہیں کی جاسکتی۔ اس فرقہ کی بے وقت کی راگنی پر علماء دیوبند نے عام طور خموشی کو ہی مناسب سمجھا۔ اور اگر کبھی کبھار جواب دیا بھی گیا تو علمی پوزیشن مضبوط ہونے کے باوجود لب ولہجہ اتنا نرم ونازک، طرز استدلال علمی اور ایسا متوازن ہوتا کہ بات صرف علمی حد تک رہ جاتی اور مرغ کی ایک ٹانگ کی ہانک لگانے والے پر اس کا کچھ زیادہ اثر نہیں ہوتا۔

مولانا ابوبکر غازی پوری رحمۃ اللہ علیہ نے جب صورت حال کی سنگینی کو دیکھا تو نرم و نازک طرز کو چھوڑ کر ترکی بہ ترکی زبان استعمال کرنے کی ٹھان لی اور جواب کے چکر میں پڑنے اور دفاعی پوزیشن اپنانے کے بجائے پے بہ پے اقدامی حملہ کرنا شروع کر دیا۔ اس جماعت کے سامنے قدآدم آئینہ رکھ دیا کہ یہ اپنا سراپا بھی دیکھ لیں کہ حدیث حدیث کی رٹ لگانے والے حدیث وقرآن پر کتنا عامل ہیں؟ دوسروں پر شرک وگمراہی کا الزام لگانے والے خود کتنے پانی میں ہیں ؟ واقعہ یہ ہے کہ مولانا غازی پوری کے تیز وتند وار نے اس فرقہ کو چاروں شانے چت کر دیا اور انہیں اس کا احساس دلا دیا کہ شیشے کے گھر میں بیٹھ کر کسی پر پتھر پھینکنے کی حماقت نہیں کرنی چاہئے۔

مولانا غازی پوری پر مطالعہ وتحقیق کے دوران جب اس جماعت کی کتابوں اور تحریروں میں قرآن وسنت کے نام پر پائے جانے والے نت نئے نظریات وتضادات کا انکشاف ہوتا گیا تو انہوں نے پیچھے مڑ کر دیکھنا مناسب نہیں سمجھا اور پنی پیش رفت جاری رکھتے ہوئے جہاں علمی دنیا کو یکے بعد دیگرے بیش قیمت تصانیف کا تحفہ دیا، وہیں ''زمزم'' نام سے ایک دوماہی رسالہ نکالا جس میں موضوع سے متعلق پُر از معلومات مضامین کے علاوہ آنے والے خطوط کے جواب دینے کا سلسلہ بھی شروع فرمایا۔ بقول حضرت مولانا اعجاز احمد اعظمی رحمۃ اللہ علیہ:

''غیر مقلدیت کی چوٹ کھائے ہوئے لوگ مولانا سے سوال کرتے، غیر مقلدین کے اٹھائے ہوئے معقول ونامعقول اعتراضات کا جواب پوچھتے اور مولانا کا قلم محوخرام ہوتا اور

میدان صاف ہوتا چلا جاتا۔ وہ تمام مسائل جن پر غیر مقلدین گرد وغبار اڑایا کرتے تھے اور چیلنج دیتے رہتے تھے، مولانا نے ایک ایک سوال کا تشفی بخش جواب دیا اور ایسا دلچسپ اور مدلل کہ ہر پڑھنے والا احسنت وآفریں پکار اٹھتا۔'' (ماہنامہ ضیاء الاسلام/اپریل ۲۰۱۲ء)

مولانا کو اس سے بیر نہیں تھا کہ کوئی جماعت قرآن وحدیث پر عمل کا دعویٰ کرتی ہے۔ کسی مسلمان کے لئے اس سے بڑی فرحت بخش بات اور کیا ہوگی کہ کوئی قرآن وحدیث پر عمل کرتا ہے یا کم از کم اپنی زبان سے اس کا اظہار ہی کرتا ہے۔ تکلیف دہ بات یہ تھی، اور ہے کہ قرآن وحدیث کا نام لے کر طعن وتشنیع کی زبان اختیار کی جائے۔ ایک صاحب نے ایک سوال بھیجا اور اس میں اس کی صراحت کردی کہ ''میں اہلحدیث یا سلفی ہوں'' یہ جان کر میرے سوال کو نظر انداز نہیں کیا جائے۔ مولانا نے کشادہ قلبی سے اس کا استقبال کیا اور اپنی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ ''سلفی یا اہل حدیث ہونا کوئی عیب نہیں ہے۔ عیب کی بات یہ ہے کہ آدمی اہل حدیث یا سلفی نام رکھ کر ائمہ دین اور اسلاف امت کی شان میں گستاخی کرنے لگے''۔ اور بڑی وضاحت کے ساتھ اس کی صراحت کی کہ ''ہماری لڑائی اسی نوع کے اہل حدیثوں سے ہے۔'' (ارمغان جلد۲/ص۲۸۴)

''ارمغان حق'' نامی کتاب زمزم میں چھپنے والے انہی خطوط اور ان کے جوابات کا مجموعہ ہے، جسے مولانا غازی پوریؒ نے از سرنو ترتیب دیا۔ واقعہ یہ ہے کہ ان حضرات کی طرف سے احناف پر جتنے اعتراضات کئے جاتے ہیں، تقریباً ان تمام ہی پر اس میں خامہ فرسائی کی گئی ہے اور احناف کا موقف انتہائی مدلل اور تشفی بخش انداز میں واضح کیا گیا ہے۔ یہ تین جلدوں میں چھپا ہوا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ''یہ تینوں حصے اگر کسی کے پاس ہوں تو غیر مقلدیت کے ہر اعتراض کا جواب اس کے پاس موجود ہے۔'' (مولانا اعجاز احمد اعظمیؒ/ماہنامہ ضیاء الاسلام/اپریل ۲۰۱۲ء/ص۴۰)

اس وقت اس کتاب کی دوسری جلد میرے پیش نظر ہے۔ اس کے بعض عنوان پر سرسری نظر ڈالتے چلیں۔ ''مذاہب اربعہ سب حق پر ہیں''، ''حالت تشہد میں انگلی ہلانے کا مسئلہ''، ''امام بخاری مقلد تھے یا غیر مقلد تھے''، ''کیا ابن تیمیہ تقلید کے منکر تھے؟''، ''محدثین نے اپنی کتابوں میں ضعیف احادیث کیوں ذکر کی ہیں''؟ ''غیر اللہ سے توسل اور غیر مقلدین کا عقیدہ''، ''کیا مذہب حنفی حکومت کی طاقت سے پھیلا ہے''؟ ''شیخ البانی کی خدمتِ حدیث وسنت ان کی

تحقیقات کی روشنی میں''،'' گردن پر مسح کرنے کا حکم''،'' کیا بخاری میں سینہ پر ہاتھ باندھنے کی روایت ہے''؟'' تراویح کی تعداد کی بحث میں غیر مقلدین کا فریب۔'' یہ اور ان جیسے کل ۳۵ر عنوانات ہیں جن پر اس کتاب میں بحث کی گئی ہے اور مسئلہ کی حقیقت کو منقح کیا گیا ہے۔بعض عنوان کا مختصر جائزہ آپ کے زیر مطالعہ بھی آئے تا کہ کتاب کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ ہو سکے۔

امام ابوحنیفہؒ اور سترہ احادیث اوران پر محدثین کے جرحوں کی حقیقت:

سب سے پہلے حضرت امام ابوحنیفہ کا تذکرہ مناسب معلوم ہوتا ہے، کیونکہ فقہ حنفی کی ان کی طرف نسبت سے ان حضرات کے طعن کا سب سے زیادہ نشانہ یہی بنے ہیں۔ یہ بزرگ تو اپنی پوری زندگی دین حنیف کی عظیم خدمت کر کے اللہ کی جنت میں سدھار گئے اور فقہ کے عظیم ذخیرہ کی شکل میں بیش قیمت صدقہ جاریہ چھوڑا جس کا فائدہ انہیں قیامت تک ملتا رہے گا۔لیکن کچھ لوگ اپنی عاقبت خراب کرنے کے درپے ہیں جو ان کے پیچھے پڑے ہیں۔اچھا ہی ہے ان کی بدگوئی کر کے ان کے مقام ومرتبہ میں مزید اضافہ کا سبب بن رہے ہیں۔

کتاب کے یہ دو عنوان ہیں جو ابھی آپ کی نگاہ سے گذرے۔اسے اتنی بار دہرایا گیا کہ اگر واقعی اس جھوٹ میں کچھ صداقت ہوتی تو لوگ کب کا حنفی فقہ سے بیزار ہو جاتے۔ایک طرف امام ابوحنیفہؒ پر قلت حدیث کا الزام، دوسری طرف یہ شور کہ ان کا مقام بھی محدثین اور ائمہ جرح کی نگاہ میں کچھ خاص نہیں۔گویا دونوں ہاتھ خالی۔بہت شور وغوغا ہوا ہے کہ حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو صرف اور صرف سترہ احادیث ہی یاد تھیں اور ان کے فقہی ذخیرہ کی بنیاد اسی پر تھیں۔قطع نظر اس کے کہ امام ابوحنیفہ مجتہد ہیں اور صرف مجتہد ہی نہیں بلکہ اس میں ان کا اعلی مقام ہے۔ائمہ اربعہ جن کی فقہ کا پوری دنیا میں چلن ہے، ان میں پہلے نمبر پر آپ کا ہی اسم گرامی ہے اور ایک مجتہد کے لئے احادیث کی معرفت کتنا ضروری ہے، یہ ان حضرات سے مخفی نہیں جو اجتہاد کی حقیقت جانتے اور سمجھتے ہیں۔اور قطع نظر اس کے کہ اگر آپ محدث بھی تھے تو آپ کی مرویات کون کون سی ہیں؟ آپ کے ذخیرۂ احادیث کی تعداد کیا تھی؟ آپ نے یا آپ کے شاگردوں نے اسے مرتب کیا یا نہیں؟ اور وہ کہاں ہے؟ ان سب سے اگر صرف نظر بھی کر لیا جائے اور بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ آپ کو صرف سترہ یا اس سے کم وبیش احادیث ہی یاد تھیں تو اس سے عظمت ابوحنیفہ کا پہلو ہی

سامنے آتا ہے کہ ایک شخص نے صرف سترہ احادیث کے بل بوتے پر ہزاروں کی تعداد میں ایسے مسائل کا استنباط کیا جن پر زمانہ دراز تک دنیا کی دنیا عمل پیرا رہی اور ہے۔''یا پھر یہ کہنا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت امام اعظمؒ کا مزاج، مزاج نبوت (اور) مزاج شریعت سے اتنا ہم آہنگ کیا تھا کہ ان کی زبان سے نکلی ہوئی بات کتاب وسنت کے خلاف ہوتی ہی نہیں تھی، یعنی ان کو حدیث کا علم نہیں تھا مگر خدا نے ان کا ذہن ایسا صالح بنایا تھا کہ وہ خلاف حدیث سوچ ہی نہیں سکتے تھے''۔ کیوں کہ جن گنے چنے معدودے مسائل پر احادیث کے خلاف ہونے کا الزام ہے بالفرض اگر ان کے بارے میں یہ تسلیم کرلیا جائے تو بھی اس کے علاوہ ہزاروں کی تعداد میں وہ مسائل ہیں جو احادیث نبویہ سے مطابقت رکھتے ہیں اور جن کا استخراج ایک ایسے شخص نے کیا جن کے پاس ذخیرۂ احادیث کے نام پر کل سترہ احادیث کا سرمایہ تھا۔ ذرا یہی دیکھئے کہ مرکز حدیث مدینہ منورہ میں قیام پذیر امام دارالہجرت کے پاس حضرت امام اعظم کے ساٹھ ہزار مسائل تھے۔''کیا امام مالکؒ کے بارے میں یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ وہ مسائل کی اتنی بڑی تعداد جن کی بنیاد کتاب سنت پر نہ ہوں، اپنے پاس رکھیں گے؟۔'' (ارمغان/۲/ص۱۳۹)

اور اسی امام دارالہجرت سے جب کسی نے امام ابوحنیفہ کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ:

''اس شخص کی قوت استدلال اتنی زبردست ہے کہ اگر اس کھمبا کو (مسجد نبوی کے ایک ستون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) وہ سونا کہہ دیں تو اسے ثابت کر دکھائیں۔''

''رأیت رجلا لو کلمک فی ھذہ الساریة ان یجعلها ذهبا لقام بحجته.''

(سیر اعلام النبلاء / الطبقة الخامسة/ابو حنیفة)

مطلب یہ ہے کہ ان کا اجتہاد بڑی مضبوط بنیادوں پر قائم ہوتا ہے۔

پھر آخر اس الزام کی حقیقت کیا ہے اور اتنا بڑا بہتان کیوں گڑھا گیا ہے۔ مولانا غازی پوری نے جہاں اس پر چڑھائے گئے تعصب کے پردہ کو چاک کیا ہے وہیں بعض ایسے حقائق کا انکشاف کیا ہے جس سے عبرت کی آنکھیں کھلی رہ جاتی ہیں۔ کتاب کا یہ حصہ اس قابل ہے کہ اسے بغور مطالعہ کیا جائے اور حضرت امام ابوحنیفہؒ یا کسی بھی اللہ کے ولی کے بارے میں اپنی زبان

کھولنے سے پہلے ہزار بار سوچا جائے۔

مذاہب اربعہ سب حق پر ہیں:

اس عنوان پر بھی ایک نگاہ دوڑا لیجیے۔ اگر فقہی مسائل کی پشت پر قرآن وحدیث کے دلائل موجود ہوتے ہیں اور فقہا نصوص سے ہی استدلال کرتے ہیں تو بڑا سوال یہ ہے کہ بیک وقت دو متضاد مسئلے قرآن وحدیث کی رو سے کیسے صحیح ہوسکتے ہیں؟ جب فقہ کو درست مان لیا جائے گا تو سارے فقہا و مجتہدین کے مسائل بالخصوص ائمہ اربعہ کے فقہی ذخیرہ کو درست ماننا پڑے گا تو سوال یہ ہے کہ ایک مسئلہ میں ایک امام کی رائے کچھ ہے، جب کہ دوسرے امام بالکل اس کے برعکس حکم دیتے ہیں۔ یہ دونوں بیک وقت کیسے صحیح ہوسکتے ہیں؟ نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنے نہ پڑھنے کے مسئلہ کو ہی لے لیجیے۔ احناف کے یہاں مقتدی کے لئے اس کا پڑھنا حرام ہے، جبکہ بعض ائمہ کے یہاں فرض۔ اس کے بغیر نماز نہیں ہوسکتی۔ اب عند اللہ دونوں میں کوئی ایک بات ہی صحیح ہوگی۔ بظاہر یہ بات بہت باوزن ہے، لیکن جب آپ مولانا غازی پوری کی سنیں گے تو اس اعتراض کا بودہ پن ایسا واضح ہوگا کہ اپنا سر پیٹے بغیر نہیں رہیں گے کہ کھودا پہاڑ نکلا چوہا۔ سوچنے پر مجبور ہوں گے کہ تہی دامان عقل وخرد کو کچھ بولنے سے پہلے کم از کم اتنا شعور تو چاہئے کہ اپنے بول کا وزن کرلے۔ اگر تحقیق کی کسوٹی پر بات بے وزن ٹھہری تو خواہ مخواہ جگ ہنسائی ہوگی۔ خاموش رہنے میں کچھ تو اپنا بھرم باقی رہے گا۔

آسان سی بات ہے۔ اگر چار مقامات پر چار مصلی کو نماز کے لئے قبلہ کے تعین کی ضرورت پڑ جائے اور وہاں صحیح راہنمائی کرنے والا کوئی نہیں تو شریعت کا حکم تحری کا ہے۔ ان چاروں نے تحری کیا اور نماز پڑھی۔ اتفاق سے چاروں کی تحری الگ الگ سمتوں میں واقع ہوگئی اور یہ چاروں چار سمت میں نماز پڑھنے لگے تو کیا آپ تین آدمیوں کی نماز کو قبلہ کی طرف رخ نہ ہونے کی وجہ سے غلط کہیں گے؟ آسمان ابر آلود ہو اور رمضان وعید کے ثبوت کے لئے تحقق رویت کی ضرورت ہو، دو آدمیوں نے قاضی کی عدالت میں رویت کی شہادت دیدی اور ان کی شہادت شرعی معیار پر اترنے کی وجہ سے قاضی نے رویت کا فیصلہ کردیا جب کہ دوسرے علاقہ میں رویت یا شرعی شہادت کے مہیا نہ ہونے کی وجہ سے رویت کا فیصلہ نہیں ہوسکا تو آپ ان دونوں میں کسے غلط کہیں

گے؟ جب کہ واقع کے مطابق کوئی ایک ہی ہوگا۔کسی سے جرم شرعی کا ارتکاب ہوگیا مگر شرعی حد نافذ کرنے کے لئے ثبوت مہیا نہیں ہو سکے اور عدالت نے اسے بے قصور مان کر بری کر دیا تو کیا عدالت کا فیصلہ غلط ہے جبکہ وہ واقعتاً مجرم ہے؟۔

مولانا غازی پوریؒ نے اس طرح کی کئی مثالوں سے اس مسئلے کی حقیقت کو واضح فرمایا ہے اور بنیادی غلطی کی طرف راہنمائی کی ہے۔اصل غلطی یہاں یہ ہے کہ حق کا معنی کیا ہے؟حق جہاں صدق کا ہم معنی لفظ ہے یعنی وہ خبر جو واقعہ کے مطابق ہو، وہیں اس کا معنی یہ بھی ہے کہ ''وہ کام یا خبر شریعت کے حکم اور قانون کے مطابق ہو،خواہ نفس الامر اور واقع اس کی موافقت کر رہا ہو یا نہیں۔''پس جو کام شریعت کے مطابق ہوگا وہ حق ہوگا چاہے واقعہ کے مطابق نہ ہو۔اور اسی معنی میں مذاہب اربعہ کو حق کہا جاتا ہے کہ شریعت نے مجتہد کے ذمہ مسائل شرعیہ کے حل کرنے میں جتنی ذمہ داری سونپی تھی اس نے اسے پورا کرلیا۔اب اگر اس کا اجتہاد واقعہ کے عین مطابق ہوگیا اور اس نے منشاء الٰہی کو پالیا تو نورعلی نور،اس اجتہاد پر اسے دوہرا ثواب ملے گا اور اگر اجتہاد میں غلطی ہوئی تو بھی ایک ثواب کا حق دار ہوا اور اسے بھی برحق ہی مانا جائے گا۔اس کی واضح مثال ادیان سابقہ ہیں۔''تمام مسلمانوں کا یہ مذہب وعقیدہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام برحق تھے اور ان کی شریعتیں برحق تھیں،حالاں کہ گذشتہ شریعتوں کے احکام ایک دوسرے سے مختلف تھے۔''کسی نبی کی شریعت میں ایک چیز جائز تھی اور دوسری شریعت میں بعینہ وہ چیز ناجائز اور حرام تھی۔خود ہمارے مذہب میں بعض چیزیں پہلے حلال تھیں اور اب حرام ہوگئیں۔اس واضح تضاد کے باوجود سابقہ شریعتیں بھی برحق ہیں اور دین اسلام بھی،حرمت والا حکم بھی برحق ہے اور حلت وجواز والا بھی۔کیوں کہ وہ سب قانون الٰہی کے مطابق تھیں۔یہی حال فقہاء کے اجتہادات کا بھی ہے کہ شرعی طور پر ان کی جتنی ذمہ داری بنتی تھی انہوں نے اسے پورا کیا تو اب چاہے دو مجتہد کے اجتہاد کا نتیجہ دو متضاد شکل میں ظاہر ہو، دونوں کو برحق مانا جائے گا۔

ایک دن میں عید وجمعہ کی نماز کا مسئلہ:

یہ بھی ایک بڑا مسئلہ ہے۔عید کے خوشی میں بعض دفعہ یہ مسئلہ رنگ میں بھنگ کا کام کرتا ہے اور عید کی خوشی کو غارت کر دیتا ہے۔صورت حال یہ ہے کہ جب جمعہ اور عید کا اجتماع ایک دن

ہی ہو جائے تو اہل حدیث کے یہاں صرف عید کی نماز ادا کی جائے گی، جمعہ کی نماز ادا نہیں ہوگی۔ بلکہ اس کے بدلے ظہر کی نماز عام دنوں کے معمول کے مطابق پڑھی جائے گی جبکہ احناف کا مسلک جمعہ وعید دونوں کی ادئیگی کا ہے۔ اپنی عادت کے مطابق اس مسئلہ میں بھی اپنے نقطۂ نظر کو قرآن وحدیث کے عین مطابق اور احناف کے عمل کو قرآن وحدیث کے خلاف ہونے کا راگ الاپا گیا۔ اس سلسلے میں مولانا غازی پوری نے دوٹوک لفظوں میں کہا ہے کہ:

''کسی ایک صحیح حدیث سے ان کا بڑا سے بڑا عالم یہ ثابت کردے کہ آں حضور ﷺ نے جمعہ اور عید کے جمع ہونے کی شکل میں صرف عید کی نماز پڑھی ہے، جمعہ کی نہیں پڑھی ہے تو ان کے چہرہ پر ہوائیاں اڑیں گی اور ان کے حصہ میں صرف شرمندگی آئے گی۔'' (ص ۷)

اس تعلق سے غیر مقلدین کی تمام متدلات کا حاصل مضمون یہ ہے کہ آپ ﷺ نے عید کی نماز کے بعد فرمایا جسے جمعہ کی نماز پڑھنا ہے وہ پڑھے اور جسے نہیں پڑھنا ہے وہ جائے، ہم تو جمعہ پڑھیں گے۔ اس طرح آپ ﷺ نے جمعہ کے سلسلہ میں اختیار دیا ہے۔ ان روایات کو بیان کرنے کے بعد مولانا فرماتے ہیں ''یہی وہ حدیثیں ہیں جن کو غیر مقلدین نے عید کے روز جمعہ نہ پڑھنے کی دلیل بنایا ہے مگر آپ دیکھ رہے ہیں کہ کسی حدیث میں یہ نہیں ہے کہ آں حضور ﷺ نے عید اور جمعہ کے جمع ہونے کی شکل میں صرف عید کی نماز پڑھنے پر اکتفا کیا ہو بلکہ آپ نے تو صحابہ کرام کے مجمع میں اعلان کیا تھا کہ ''انا مجمعون''، ہم لوگ جمعہ پڑھیں گے، تو آپ انصاف سے بتلائیں کہ آں حضور ﷺ کی سنت جمعہ کا پڑھنا ہوا یا آپ کی سنت عید کے روز جمعہ کا ترک کرنا ہوا۔ (ص ۸)

اس کے علاوہ یہ بھی دیکھنے کی ضرورت ہے کہ یہ اختیار تمام صحابہ کرام کو تھا یا کچھ مخصوص حضرات تھے جنھیں یہ اختیار ملا تھا۔ صورت حال یہ تھی کہ یہ اجازت صرف ان صحابہ کرام کے لئے تھی جو مدینہ سے باہر سے عید کی نماز پڑھنے کے لئے تشریف لائے تھے کہ اگر وہ چاہیں تو چوں کہ ان پر جمعہ واجب نہیں ہے وہ جاسکتے ہیں۔ اس کی صراحت حضرت عثمان نے اپنے زمانے میں عید وجمعہ کے اجتماع کے دن عید کے خطبہ کے دوران فرمائی تھی کہ:

''آج ایسا دن ہے کہ مسلمانوں کی دو عید اکٹھا ہوگئی ہے پس جو یہاں اہل عوالی میں سے

ہے (یعنی جس نے ہمارے ساتھ اہل عوالی میں سے عید کی نماز پڑھی ہے) ہماری طرف سے اس کو واپس جانے کی اجازت ہے (یعنی ان کو جمعہ کے لئے رکنا ضروری نہیں ہے) اور جو جمعہ کے لئے رکنا چاہیں وہ رکیں۔'' (ص۱۰)

کیا یہ دیکھنے کی چیز نہیں ہے کہ صحابہ کرام جو اس کے اولین مخاطب تھے، اس کا مصداق کسے سمجھتے ہیں اور حدیث میں دئے گئے اختیار کو عام سمجھتے ہیں یا نہیں؟

اور اگر بالفرض ان احادیث پاک کا وہی مطلب ہو جو ہمارے ان بھائیوں نے سمجھا ہے، جب بھی جمعہ کی فرضیت قرآن پاک سے ثابت ہے اور احادیث جو مشہور و متواتر نہ ہوں وہ ظنی ہوتی ہیں۔ اگر قرآن و حدیث میں تعارض وٹکراؤ کی صورت پیدا ہو تو علمائے شریعت قرآن کو مقدم رکھتے ہیں اور احادیث کو چھوڑ دیتے ہیں۔ لہٰذا اگر ان احادیث کا وہی مطلب لیا جائے تو بھی قرآن پاک کے حکم پر عمل کرتے ہوئے جمعہ کی ادائیگی ہی ضروری ہوگی، نہ یہ کہ جمعہ کے بدلے ظہر کی ادائیگی۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے ارمغان حق جلد دوم: ص۶ تا ۱۷)

مولانا غازی پوری نے اس طرح کے دسیوں مسائل پر اس جلد میں سیر حاصل بحث کی ہے۔ بقیہ دو جلدوں کی تعداد الگ ہے۔ نمونہ کے طور پر یہ چند حروف پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس آڑی ترچھی لکیروں میں وہ وسعت و طاقت کہاں کہ مولانا کی علمی شخصیت اور ان کی اس بیش قیمت تصنیف کا تعارف سما سکے۔ قدرت نے مولانا غازی پوریؒ کو بڑی فیاضی کے ساتھ ذہانت کی دولت سے مالا مال کیا تھا، ساتھ ہی انہیں علم وتحقیق کی پرخار وادیوں کی آبلہ پائی میں فرحت بخش لذت ملتی تھی۔ تکان کا کوئی سوال ہی نہیں تھا اس لئے دقت نظر اور مطالعہ کی وسعت کی وجہ سے ان کے حاصل مطالعہ اور تالیفات وتصنیفات میں خوب گہرائی ہوتی تھی۔ جو لکھتے ٹھوک بجا کر لکھتے، مدلل تحریر کرتے، تمام گوشوں کو سامنے رکھتے اور بحث کے کسی زاویہ کو تشنہ نہیں چھوڑتے۔ اسلوب بیان اتنا سادہ کہ ہر ایک کہ ومہ کے لئے سمجھنا آسان، اور ایسی چاشنی ودلآویزی کہ خالص علمی مباحث اور خشک مضامین بھی پڑھنے میں کسی دم اکتاہٹ کا احساس تک نہیں۔ اختصار کے پیش نظر اسی پر بس کرتے ہیں مزید عنوانات کی سیر کے لئے براہ راست کتاب کا مطالعہ کیجیے اور ''چور بولے زور سے'' کا تماشہ دیکھئے۔ ❑❑❑

مولانا ابوبکر غازی پوری صاحب کی ایک فکر انگیز تصنیف
''غیر مقلدین کا صحیح احادیث سے انحراف'' کا تعارف

مولانا قمر الحسن صاحب قاسمی، نوتنواں
صدر المدرسین مدرسہ عربیہ سعیدیہ اشرف العلوم کرتھیا مہراج گنج

ردغیر مقلدیت کے موضوع پر ایک بڑا نام مولانا ابوبکر صاحب غازی پوری کا ہے۔ اس موضوع پر مولانا کا کام کمیت و کیفیت ہر اعتبار سے بہت وقیع اور ناقابل فراموش ہے۔ مولانا کے علم ریز قلم سے اس موضوع پر بیسیوں کتابیں اور کتابچے نکلے ہیں۔ اس سلسلہ کی مولانا کی زندگی میں شائع ہونے والی آخری تصنیف زیر تعارف کتاب ''غیر مقلدین کا صحیح احادیث سے انحراف'' ہے، جس میں ہر صحیح حدیث پر عمل کرنے کا دعوی کرنے والی جماعت غیر مقلدین کے جھوٹے دعوی کو آشکار کیا گیا ہے۔ یہ کتاب تو شائع ہوئی ہے ''غیر مقلدین کا صحیح احادیث سے انحراف'' کے نام سے مگر مولانا غازی پوری نے اس کتاب کے مقدمہ میں کتاب کا ایک اور دلچسپ اور اچھوتا نام تجویز کیا ہے۔ یعنی ''بلبلان نالاں کی احادیث صحیحہ سے بیزاری۔''

مولانا نے نہایت درد کے ساتھ اس کی وجہ تالیف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''آپ جب اس کتاب کو پڑھیں گے تو آپ محسوس کریں گے کہ غیر مقلدوں کے بڑے بڑے علما نے کس بہانے اور کن بودے اعذار کا سہارا لے کر اللہ کے رسول ﷺ کی صحیح احادیث مبارکہ کو (اپنے اس دعوی کے باوجود کہ ان کا سر ہر صحیح حدیث کے لیے جھکا رہتا ہے) کس بے دردی اور ظالمانہ طریقہ پر رد کیا ہے، اورانھوں نے اپنے اس رد و انکار میں بڑے بڑے محدثین کو

مجروح بنایا ہے۔جن محدثین کی ثقاہت وامانت اور حفظ واتقان پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے اور جن کی احادیث سے بخاری ومسلم بھری ہیں۔ان کی روایتوں کوضعیف کہہ کر رد کردیا ہے۔ان کی گمراہی کی انتہا یہ ہے کہ انھوں نے محض اپنے مذہب کی پاسداری میں صحابہ کرام تک کونہیں بخشا اوراپنے اس باطل عقیدہ کا کہ 'صحابہ کرام کا نہ فعل معتبر، نہ قول معتمد اور نہ ہی ان کی فہم ورائے قابل اعتبار ہے' سہارا لے کر بڑے بڑے صحابہ کرام کے بارے میں اپنی کتابوں میں گستاخیاں درج کی ہیں۔''(ص ۱۷)

مولانا غازی پوری کی اس عبارت سے کتاب کی وجہ تالیف روشن ہوجاتی ہے کہ غیر مقلدین کا ایک طرف تو یہ دعوی ہے کہ اہل حدیث کا سر ہر صحیح حدیث کے لیے جھکا رہتا ہے اور ہم صرف قرآن اور صحیح حدیث پر عمل کرتے ہیں۔دوسری طرف صحیح احادیث سے انحراف، محدثین اور صحابہ کرام کی پاکیزہ جماعت سے بغض وعناد۔یہی وجہ ہے جس نے مولانا کے احادیث وصحابہ و تابعین کی محبت سے لبریز دل کو بے چین کردیا اوراس جماعت کے قول وفعل کے تضاد کی پردہ دری میں دوسوبیس صفحات لکھوادیا۔

مولانا نے اس کتاب میں کوئی خاص ترتیب پیش نظر نہیں رکھی ہے کہ پہلے طہارت سے متعلق احادیث لائیں، پھر صلاۃ وصوم سے متعلق۔بلکہ جس صحیح حدیث سے غیر مقلدین کا اعراض و انکار نظر آیا اس کو یکجا کرنے کی کوشش کی ہے،اسی وجہ سے بعض روایتیں مکرر بھی ہوگئی ہیں۔مولانا نے اس سلسلے میں خود ہی تحریر فرمایا ہے کہ:

''اس کتاب میں ایک ہی موضوع کی کئی روایتیں آپ دیکھیں گے،اس تکرار سے آپ گھبرائیں نہیں۔مجھے اس کتاب میں مسئلہ ومسائل پر گفتگو نہیں کرنی تھی۔اس کتاب کا موضوع یہ ہے کہ غیر مقلدین کا یہ دعوی بالکل غلط، جھوٹا، باطل اور نرا پروپیگنڈہ ہے کہ ان کا سر ہر صحیح حدیث کے لیے جھکا ہوا ہے۔اس لیے اگر صحیح حدیث مکرر آگئی ہیں تو اس سے میرے موضوع کو تقویت ملی ہے اور غیر مقلدین کے دعوی کا بطلان مزید واضح ہوا ہے۔''(ص ۱۸)

مولانا نے اپنے مذکورہ دعوی کے ثبوت کے لیے بخاری شریف کی کم وبیش ۷۵ر احادیث اور مسلم شریف کی ۲۵ر روایتیں اور بیس متفق علیہ روایتیں (بخاری ومسلم دونوں کی مشترک

روایتیں) اور حدیث کی دوسری کتابوں سے مثلاً ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، نسائی، طحاوی، بیہقی، طبرانی، مصنف ابن عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ، دارقطنی، مؤطا امام مالک، مؤطا امام محمد اور مسند احمد وغیرہ سے ایسی دوسو احادیث پیش کی ہیں اور ان کی نشان دہی کی ہے جو محدثین کی معیار صحت پر کھری اترتی ہیں لیکن غیر مقلدین کے متداول مذہب سے میل نہیں کھاتیں۔ اسی لیے ان لوگوں نے باوجود اس کے کہ وہ احادیث صحیح ہیں لیکن ان کو قبول نہیں کیا۔

اس طرح کی صحیح احادیث جن سے غیر مقلدین نے آنکھ بند کر لی ہیں صرف دوسو ہی نہیں بلکہ اس سے کہیں زیادہ ہے۔ مولانا لکھتے ہیں:

''دوسو حدیث کو بطور نمونہ ذکر کیا گیا ہے۔ چوں کہ ان کے دعوی کو پرکھنے کے لیے ہر صاحب عقل وانصاف کے لیے یہ نمونے کافی سے زائد ہیں (ورنہ ان کی تعداد اور بھی بڑھائی جاسکتی تھی) اس لیے اتنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔'' (ص۲۵)

نمونہ کے طور پر عبرت کے لیے کتاب سے جستہ جستہ اقتباسات ملاحظہ فرمائیں:

''صحاح ستہ (حدیث کی چھ مشہور کتابیں) میں پانی کے نجس ہونے کے بارے میں یہ حدیث ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''**لا یبولن احدکم فی الماء الدائم الذی لا یجری ثم یغتسل فیه.**'' یعنی تم میں کا کوئی آدمی اس پانی میں ہرگز پیشاب نہ کرے جو جاری (بہتا ہوا) نہ ہو، پھر اس میں غسل کرے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو پانی بہتا ہوا نہ ہو، ٹھہرا ہوا ہو، اس میں اللہ کے رسول ﷺ نے تاکید کے ساتھ پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے، پانی خواہ قلیل ہو یا کثیر۔ اس صحیح حدیث کا مولانا مبارک پوری صاحب ''صاحب تحفۃ الاحوذی'' غیر مقلدین کے مشہور عالم یوں انکار فرماتے ہیں۔ اپنی مشہور کتاب ''ابکار المنن فی تنقید آثار السنن'' میں فرماتے ہیں:

''**اما الاستدلال بحدیث لا یبولن ،فلانه بعد تسلیم دلالته علی التسلیم و التنجیس انما یفید تنجیس الماء الدائم بالبول فی الجملة لا علی تنجیس کل مائه.**''
(ص۹)

مولانا کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ اولاً تو ہمیں تسلیم نہیں کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا

ہے کہ ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنا حرام ہے اور اس سے پانی نجس ہوگا۔ اور اگر ہم اس حدیث سے یہ تسلیم بھی کرلیں کہ ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنا حرام ہے اور اس سے پانی نجس ہوگا تو اس حدیث کا فائدہ صرف اتنا ہے کہ وہ ٹھہرا ہوا پانی کچھ ہی نجس ہوگا، سب پانی نجس نہیں ہوگا۔

حدیث پاک مطلق ہے اور مولانا مبارک پوری اپنی رائے سے حدیث کا مطلب جو بیان کررہے ہیں، ناظرین اس پر غور فرمالیں۔'' (ص ۲۷)

امام زہری کی جلالت شان اور علم حدیث میں ان کا مقام کسی بھی طالب علم سے مخفی نہیں ہے۔ یہ امام دارالہجرت امام مالک کے سب سے بڑے استاذ ہیں، ان کے بارے میں حضرت مبارک پوری تحفۃ الاحوذی میں ارقام فرماتے ہیں:

"متفق علی جلالته و اتقانه وهو احدالائمة الاعلام وعالم الحجاز والشام قال الليث مارأيت عالماً قط اجمع من ابن شهاب." (تحفۃ الاحوذی: ج ا ص ۱۸)

امام زہری کی جلالت شان اور ان کے حدیث میں پختہ ہونے پر سب کا اتفاق ہے، وہ بڑے ائمہ حدیث میں سے تھے، وہ حجاز وشام کے عالم ہیں۔ امام لیث نے فرمایا کہ ''ان سے زیادہ علوم کا جامع میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔''

یہی امام زہری صحیح سند سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کرتے ہیں جو غیر مقلدین کے خود ساختہ مذہب کے خلاف ہے۔ اس لیے صحیح ہونے کے باوجود محدث مبارک پوری اس کا انکار کرتے ہیں۔ اس کی تفصیل مولانا کے قلم سے ملاحظہ فرمائیں:

''حضرت ابو ہریرہ سے صحیح سند سے مروی ہے، انھوں نے فرمایا کہ تر کپڑے میں منی لگی ہو تو وہ تم کو نظر آئے تو اس جگہ کو دھولو اور اگر نظر نہ آئے تو سارا کپڑا دھولو۔'' (طحاوی)

اس حدیث کو مولانا مبارک پوری رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''اس کی سند میں زہری ہیں اور وہ مدلس ہیں۔ انھوں نے اس حدیث کو طلحہ بن عبداللہ سے ''عن'' سے روایت کیا ہے اس لیے حدیث کیسے صحیح ہوگی؟۔'' (ص ۱۸)

سبحان اللہ! حضرت امام زہری کی حدیث کو بھی حضرت مبارک پوری رد کرنے لگے

ہیں۔اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ بخاری ومسلم کی پچاسوں حدیثیں جن کو امام زہری نے ''عن'' سے روایت کیا ہے سب کو مولانا مبارک پوری رد فرمادیں گے۔

مولانا مبارک پوری نے تدلیس کا سہارا لے کر اور اس بہانے بڑے بڑے محدثین کو ناقابل اعتبار بتایا ہے جس کا تماشہ جگہ جگہ اس کتاب میں آپ دیکھیں گے۔'' (ص۳۲)

ناظرین نے ملاحظہ فرمالیا کہ غیر مقلدین کے پیشوا جن کی امامت غیر مقلدین کے نزدیک مسلم ہے وہ کس دیدہ دلیری سے تدلیس کا سہارا لے کر امام زہری کی صحیح حدیث کو رد کررہے ہیں۔اگر کوئی روایت ان کے اختراعی مسلک کے موافق ہو تو یہ تدلیس مضر نہیں ہوتی۔مولانا غازی پوری نے کتاب میں ایسے نمونے بھی پیش فرمائے ہیں کہ جس کی سند میں ایک نہیں دو دو مدلس راوی 'عن' سے روایت کرتے ہیں لیکن حضرت مبارک پوری جیسا مسلم محدث اس حدیث کو رد کرنا تو درکنار،اس کو صحیح ثابت کرنے میں پورا زور صرف کرتا ہے۔مولانا کے بے باک قلم سے حضرت مبارک پوری کا دوہرا پیمانہ ملاحظہ کریں:

''ترمذی شریف کی ایک روایت جس میں فاتحہ خلف الامام کا ذکر ہے،اس کی سند میں مکحول شامی مدلس راوی ہے اور اس سے محمد ابن اسحاق روایت کرتا ہے۔یہ بھی مدلس راوی ہے۔ اس روایت کو محمد ابن اسحاق مدلس راوی نے مکحول شامی سے 'عن' سے روایت کیا ہے اور مکحول شامی مدلس راوی نے بھی محمود ابن ربیع سے 'عن' سے روایت کیا ہے۔گویا اس روایت کی سند میں دو مدلس راوی ہیں اور دونوں 'عن' سے روایت کررہے ہیں۔مبارک پوری صاحب کے مطلب کی ہے تو اب مبارک پوری صاحب کی دھاندلی ملاحظہ ہو جو اس روایت کو صحیح بنانے کے لیے انھوں نے کی ہے۔فرماتے ہیں:

''اس روایت میں کوئی علت ایسی نہیں ہے جو اس روایت کو معلول یعنی ضعیف بنائے۔ یہ روایت مقبول ہے اور احتجاج کے قابل ہے۔'' (ص۴۳۱)

مزید فرماتے ہیں کہ:

''جن لوگوں نے ان کو مدلس کہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ صاحب تدلیس ہیں یعنی صاحب ارسال ہیں۔'' (ص۴۳۷)

اوراس کی جو دلیل دی ہے وہ بھی خوب ہے۔فرماتے ہیں:

"الظاهر ان المراد بقول الذهبى هو صاحب التدليس اى صاحب ارسال يدل عليه قوله فى تذكرة الحفاظ ويدلس عن ابى بن كعب وعبادة بن الصامت وعائشة و الكبار .فان المراد بقوله يدلس هوالارسال لا التدليس." (ص۴۳۷)

یعنی ذہبی نے جس مکحول کو صاحب تدلیس یعنی تدلیس والا کہا ہے تو ظاہراس کا یہ ہے کہ وہ صاحب ارسال ہیں۔اوراس کی دلیل یہ ہے کہ انھوں نے ان کے بارے میں تذکرۃ الحفاظ میں یہ لکھا ہے کہ وہ حضرت ابی ابن کعب اور عبادہ ابن الصامت اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے تدلیس کیا کرتے تھے،تو حافظ کا یہ کہنا کہ وہ تدلیس کیا کرتے تھے اس سے مراد یہ ہے کہ وہ ارسال کیا کرتے تھے۔"

دیکھ رہے ہیں آپ مبارک پوری صاحب کی دھاندھلی! کس طرح بات بنارہے ہیں۔ حافظ ذہبی تو مکحول کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ تدلیس کیا کرتے تھے اور مبارک پوری صاحب فرماتے ہیں کہ حافظ ذہبی کی مراد یہ ہے کہ وہ ارسال کیا کرتے تھے۔یعنی ان کی روایت مرسل ہوا کرتی تھی مگر مبارک پوری صاحب نے یہ نہیں بتلایا کہ اگر حافظ ذہبی کی یہی مراد ہے تو انھوں نے صاف صاف یہی کیوں نہیں کہہ دیا کہ مکحول صاحب ارسال تھے ان کو صاحب تدلیس کیوں کہا؟

مبارک پوری صاحب کو بھی خوب معلوم ہے کہ ان کی اس دھاندھلی سے مکحول مدلس مرسِل ہونے والے نہیں اور حافظ کی بات انھوں نے غلط رخ پر موڑنے کی جو کوشش کی ہے، وہ اہل علم کی نگاہ میں رائیگاں ہے تو انھوں نے دوسرا پینترا بدلا اور کہا:

"ولو كان المراد بقوله يدلس "معناه الحقيقى" فعلى هذا لا يضر تدليس مكحول فى رواية حديث عبادة". (ص۴۳۷)

"یعنی اگر حافظ ذہبی کے قول سے کہ مکحول تدلیس کرتے ہیں، تدلیس کا معنی حقیقی مراد لیا جائے تو بھی ان کی تدلیس عبادہ کی حدیث میں مضر نہیں ہے۔"

جی ہاں! ان کی تدلیس کیوں مضر ہوگی؟ اس لیے کہ یہاں آپ کا مطلب ثابت ہورہا

ہے۔

اس طرح مبارک پوری صاحب کھیل کھیلا کرتے تھے، جہاں چاہا تدلیس کو مضر بنادیا اور جہاں چاہا غیر مضر بنادیا۔ یہ مبارک پوری صاحب کے بائیں ہاتھ کا کمال ہے۔

اور اس روایت میں محمد ابن اسحاق ہے، وہ بھی مدلس ہے اور اس نے بھی مکحول سے اس کو 'عن' سے روایت کیا ہے یعنی اس روایت میں ڈبل مدلسین ہیں مگر مبارک پوری صاحب نے جس انداز سے اس کی تحسین کی اور تصحیح کی ہے، بس یہ انھیں کا حصہ ہے۔ اگر ان میں انصاف ہوتا تو جن وجوہ سے مکحول والی حدیث کو انھوں نے صحیح بتلایا ہے، دیگر مدلسین کی احادیث کو بھی وہ صحیح بتلاتے مگر اس سے ان کی غیر مقلدیت مجروح ہوجاتی اور یہ انھیں گوارا نہیں تھا کہ ان کی غیر مقلدیت مجروح ہو۔ انکار حدیث کا دروازہ اسی طرح کھلتا ہے۔'' (ص۸۳۔۸۵)

اسلامی لٹریچر سے شغف رکھنے والا کون سا ایسا طالب علم ہوگا جس کے کان اور آنکھیں پتھر کے بیٹے ابن حجر سے مانوس نہ ہوں۔ ان کا علم حدیث میں ماہر و محقق ہونا مشہور و مسلم ہے۔ مولانا غازی پوری نے اس کتاب میں کئی احادیث ایسی ذکر کی ہیں جن کو ابن حجر نے اپنی تحقیق سے صحیح اور حسن کہا ہے لیکن ''مابلبلان نالاں گلزار محمدؐ'' کی قوالی گانے والی جماعت اس کے رد کرنے کو حدیث اور دین کی اصل خدمت سمجھتی ہے۔

مولانا نے کتاب کے صفحہ ۴۶ر پر ایک حدیث ذکر کی ہے جو مسند بزار کی ہے، اس کی سند کو حافظ ابن حجر نے صحیح کہا ہے اور غیر مقلدین کے امام حدیث اس کو رد کرتے ہیں۔

حضرت عمار فرماتے ہیں کہ ''رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم جب تیمّم کریں تو ایک دفعہ ہاتھ مار کر چہرہ پر پھیر لیں، اور ایک دفعہ اور ہاتھ مار کر دونوں کہنیوں تک پھیر لیں۔''

حافظ ابن حجر نے تو اس حدیث کو حسن کہا ہے مگر مبارک پوری صاحب حافظ ابن حجر سے بڑھ کر ماہر حدیث اور فن رجال کے ماہر ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ ''یہ حدیث ضعیف ہے۔'' مبارک پوری صاحب کے کمال دیانت کی بات تو یہ ہے کہ حسن کہنے کا جو مطلب انھوں نے بیان کیا ہے وہ حافظ کے کلام کی صریح تحریف ہے، جس میں علمائے غیر مقلدین کی مہارت مسلم ہے۔ سنئے مبارک پوری صاحب کیا فرماتے ہیں:

"مقصود الحافظ ان اسناد عمار فی الضربتین حسن والحدیث ضعیف."

"یعنی حافظ کا مقصود یہ ہے کہ حضرت عمار کی تیمّم میں دو دفعہ ہاتھ مارنے والی حدیث کی سند صحیح ہے لیکن حدیث ضعیف ہے۔"

معلوم ہوتا ہے کہ جب حافظ ابن حجر اس حدیث کی سند کو حسن کہہ رہے تھے تو مبارک پوری صاحب حافظ ابن حجر کے پیٹ میں گھسے ہوئے تھے اور حافظ ابن حجر کا یہ مقصود ان کے پیٹ سے نکالا ہے۔

گڑھ گڑھ کر باتیں کرنا کوئی علمائے غیر مقلدین سے سیکھے، یہ اس فن کے ماہر پہلوان ہیں۔ اسی طرح تیمّم ہی کے سلسلے میں حضرت صابر کی ایک حدیث دار قطنی میں ہے۔ اس حدیث کو حاکم نے صحیح کہا ہے، امام ذہبی اس کو صحیح کہتے ہیں، حافظ ابن حجر نے اس کی سند کو حسن کہا ہے مگر مبارک پوری صاحب کو ان کبار محدثین کا فیصلہ منظور نہیں ہے۔ مبارک پوری صاحب فرماتے ہیں کہ "اس کی سند میں ابوزبیر مکی ہے، ابوزبیر کا جب تک حضرت جابر سے صراحۃً سماع الحدیث ثابت نہ ہو، اس کی سند کو صحیح نہیں کہیں گے۔" (ابکار المنن: ص ۲۲۷)

ابوزبیر مکی کی روایتیں مسلم شریف میں کثرت سے ہیں، امام مسلم کو اس کا پتہ نہیں چلا کہ ابوزبیر کی روایت 'عن' والی غیر معتبر ہے۔ نیز امام حاکم، امام ذہبی اور حافظ ابن حجر جیسے محدثین کو بھی اس کا پتہ نہیں چلا۔ پتہ چلا تو مبارک پور قصبہ کے مبارک پوری صاحب کو۔ انکار حدیث کا دروازہ یوں ہی کھلا ہے۔ پھر عجیب بات ہے کہ مبارک پوری صاحب اس حدیث کو صحیح ماننے کے لیے صراحۃً موصول سماع کی قید لگا رہے ہیں جب کہ امام بخاری کے علاوہ سارے محدثین حدیث کے مرفوع ہونے کے لیے صرف امکان لقا کو کافی سمجھتے ہیں۔" (ص ۴۶-۴۷)

اسی طرح عدم رفع یدین کے بارے میں حضرت علی کا ایک اثر طحاوی، ابن ابی شیبہ اور بیہقی میں صحیح سند سے مذکور ہے، جس کا مضمون یہ ہے کہ "عاصم بن کلیب اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی شروع نماز میں رفع یدین کرتے تھے، اس کے بعد نہیں کرتے تھے۔"

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ "رجاله ثقات" یعنی اس حدیث کے سب راوی ثقہ ہیں۔ اور حافظ زیلعی فرماتے ہیں کہ "هو اثر صحیح" یعنی یہ اثر صحیح ہے۔ اور علامہ عینی فرماتے ہیں کہ

''یہ اثر صحیح مسلم کی شرط پر ہے۔'' مگر مبارک پوری صاحب کسی کی نہیں سنتے اور فرماتے ہیں کہ ''اثر عَلِی ھذا لیس بصحیح وان قال الزیلعی ھو اثر صحیح وقال العینی علی شرط المسلم'' یعنی حضرت علی کا یہ اثر صحیح نہیں ہے اگر چہ زیلعی کہا کریں کہ وہ اثر صحیح ہے اور عینی کہا کریں کہ یہ مسلم کی شرط پر ہے۔'' (ص ۱۰۳۔۱۰۴)

تیرا حسن یوں تو عجیب ہے
تیری باتیں اس سے عجیب تر
تیرے رخ کو کوئی تکا کرے
تیری باتیں کوئی سنا کرے

صحابہ کرام کی مقدس جماعت جن کے قلوب کو اللہ تعالی نے تقوی کے لیے آزمالیا ہے اور قرآن نے جن کے ایمان کو معیار قرار دیا ہے، نبی اخرالزماں ﷺ نے جن کے مقتداو پیشوا ہونے کی گواہی دی ہے، جن کی امانت ودیانت اور صداقت وعدالت کی قسم کھائی جاسکتی ہے، زبان رسالت مآب سے ''کلھم عدول'' کا جنھیں تمغہ ملا ہے۔حدیث سے عشق کا دم بھرنے والی جماعت کا جب گستاخ قلم رواں ہوتا ہے تو ایسے پاکیزہ گروہ کو بھی نہیں بخشتا۔مولانا نے کتاب میں اس کے متعدد نمونے پیش کیے ہیں جس سے اس جماعت کا بغض صحابہ ظاہر ہو جاتا ہے۔اس کے چند ایک اقتباسات ملاحظہ کریں:

''ترمذی شریف میں صحیح سند سے روایت ہے کہ فاطمہ بنت قیس کا مشہور واقعہ ہے کہ ان کے شوہر نے ان کو تین طلاق دیدی تھی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''اب نہ تمہارے لیے شوہر کے گھر میں رہنے کی گنجائش ہے اور نہ شوہر کے ذمہ تمہارا خرچ ہے۔'' حضرت عمر کے دور خلافت میں جب یہ مسئلہ ان کے سامنے آیا تو انھوں نے فرمایا کہ ''یہ ایک عورت کی بات ہے، معلوم نہیں اس نے آں حضور ﷺ کی بات کو صحیح طور پر یادرکھا بھی ہے کہ نہیں؟ ہم اس کی وجہ سے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو نہیں چھوڑیں گے۔حضرت عمر ایسی مطلقہ عورت کے لیے (عدت تک) سکنی اور نفقہ دونوں شوہر کے ذمہ واجب رکھتے تھے۔حضرت عمر کے اس فیصلہ پر غیر مقلدین کے امام حضرت مبارک پوری کا تبصرہ تحفۃ الاحوذی جلد۲ صفحہ ۲۱۳ پر ملاحظہ فرمائیں:

"لم يثبت شئى من السنة بخلاف قول فاطمة." یعنی کوئی سنت ایسی نہیں ہے جوحضرت فاطمہ بنت قیس کی روایت کے خلاف ہو۔اورحضرت عمر کی بات کو "لیس بصحیح" کہہ کررد کردیا۔

حضرت عمر تو فرمائیں کہ ہم ایک عورت کی بات کی وجہ سے کتاب اللہ کونہیں چھوڑیں گے اور مبارک پوری حضرت عمر کی بات کو یہ کہہ کر مردود قرار دیدیں کہ حضرت عمر نے جو کہا ہے وہ (غلط ہے)اس میں کتاب اللہ کو چھوڑ نا نہیں ہے۔حالاں کہ اللہ کی کتاب صاف حکم دے رہی ہے کہ "لا تخرجوهن من بيوتهن" کہ ان عورتوں کو(مطلقہ کو)ان کے گھروں سے نہ نکالو۔اللہ نے ان عورتوں کی طرف گھروں کی نسبت کرکے یہ بتلادیا کہ ان عورتوں کا استحقاق گھر سے ختم نہیں ہوا ہے۔اسی بات کو حضرت عمر نے فرمایا کہ ''ہم ایک عورت کی بات کی وجہ سے کتاب اللہ کو نہیں چھوڑیں گے۔''اور مبارک پوری صاحب اور شوکانی صاحب فرماتے ہیں کہ "ان العمل به ليس بترك الكتاب العزيز كما قال عمر."(تحفۃ الاحوذی:ج۲ص۲۱۲)

یعنی حضرت عمر کا جیسا کہنا ہے کہ اس حدیث پر عمل کرنے میں کتاب اللہ کو چھوڑنا لازم آتا ہے تو ایسا نہیں ہے، کتاب اللہ کا چھوڑنا لازم نہیں آتا۔اللہ اکبر! یہ ہیں غیر مقلدین کے انداز۔ اور حضرت عمر خلیفہ راشد کے مقابلہ میں یہ ہے ان کا طنطنہ۔یہ غیر مقلدین کتاب وسنت کے فاروق اعظم سے بھی بڑھ کر جان کار ہیں۔''(ص۱۳۷)

ایک دوسری جگہ حضرت عائشہ کے متعلق صاحب ابکار المنن کا ریمارک ملاحظہ ہو:

''حضرت عائشہ کی مشہور حدیث ہے جس کو بخاری ومسلم نے روایت کیا ہے،جس کا مضمون یہ ہے کہ''اس وقت عورتوں نے اپنا جو نیا حال بنا رکھا ہے اگر حضور ﷺ اس کو دیکھتے تو ان کو مسجد میں آنے سے روک دیتے۔''

غیر مقلدین کو حضرت عائشہ کی یہ بات قبول نہیں ہے۔اور فرماتے ہیں کہ''حضرت عائشہ کا یہ کہنا ان کا ظن اور گمان ہے اور ان کی اپنی رائے اور اپنا خیال ہے۔اس لیے ان کا یہ کہنا ہمیں قبول نہیں۔''(ابکار المنن:ص۳۳۱)

آپ غور فرمائیں کہ جس بات کو امام بخاری اور امام مسلم تسلیم کررہے ہیں اور اس کو اپنی

کتاب میں نقل کررہے ہیں۔کتاب میں نقل کرنے کا مطلب یہ ہےلوگوں کواس پرعمل کرنے کے لیےمتوجہ کررہے ہیں۔غیرمقلدین اپنے نشہ میں اتنے بدمست ہیں کہ وہ حضرت عائشہ کی بات کو ان کاظن اوران کی رائے کہہ کرٹھکرارہے ہیں۔گویارموزشریعت سے یہ طائفہ حادثہ حضرت عائشہ سے زیادہ واقف ہے۔''(ص۶۴)

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود کی صحیح حدیث ہے۔امام ترمذی،امام ابوداؤد،امام نسائی وغیرہ نےاس کوذکرکیاہے۔

''حضرت عبداللہ بن مسعود نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ کیا میں تم کورسول اللہ ﷺ والی نمازنہ پڑھاؤں؟ پھرآپ نے ان کونمازپڑھائی توابتدائے صلاۃ میں ایک جگہ رفع یدین کیا۔''

یہ روایت بالکل صحیح ہے۔ابن حزم،البانی،غیرمقلدعالم عطاءاللہ حنیف،محقق عالم اور محدث علامہ احمدمحمدشاکرمصری نےاس کوصحیح کہاہے۔امام ترمذی نےحسن کہاہے۔سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اہل کوفہ کااسی پراجماعی عمل رہاہے۔اورمعلوم ہے کہ کوفہ اپنے وقت میں محدثین وفقہا کاسب سے بڑامرکزرہاہےمگرمبارک پوری صاحب اس حدیث کوضعیف ٹھہرانے پرادھارکھائے ہوئے ہیں۔اس لیے کہ یہ حدیث ان کےمزعومہ اوراختراعی مذہب کےخلاف ہے۔ذرااس صحیح حدیث کوردکرنے کاان کاانداز ملاحظہ فرمائیے۔ابکارالمنن صفحہ۶۸۴پرفرماتے ہیں:

''ابن مسعود کی حدیث نہ صحیح ہے نہ حسن ہے بلکہ وہ ضعیف ہے،اس طرح کی حدیث دلیل نہیں بناکرتی۔''

امام ترمذی نےچوں کہ اس حدیث کوحسن کہاہےاس لیےان پرجھلاکریہ تبصرہ کرتے ہیں:

''امام ترمذی کےحسن کہنے پراعتمادنہیں کیاجائےگا،اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کےاندر تساہل ہے۔''

اورابن حزم نےچوں کہ صحیح کہاتھااس لیےتلملاکران کےبارےمیں لکھتےہیں:

''رہاابن حزم کاصحیح کہناتوظاہرہےکہ وہ سندکےاعتبارسےہےاورمعلوم ہےکہ سندکی صحت کی وجہ سےحدیث کاصحیح ہونالازم نہیں آتا۔نیزہم کوابن حزم کےصحیح کہنےپربھی اعتمادنہیں۔''

جب حضرت ابن مسعود کی اس صحیح حدیث کوضعیف ٹھہرانے پر مبارک پوری صاحب کو اتنا کچھ کہنے پر تسکین نہیں ہوئی تو اپنی اصلی غیر مقلدیت کا انھوں نے چہرہ دکھلایا اور یہ کہا کہ ''اگر ہم نیچے اتر کر یہ بات تسلیم کرلیں اور یہ کہیں کہ ابن مسعود کی یہ حدیث صحیح یا حسن ہے تو ظاہر ہے کہ ابن مسعود رفع یدین کرنا بھول گئے تھے، جس طرح انھوں نے بہت سی باتوں کو بھلا دیا تھا۔''..... نعوذ باللہ من تلک الخرافات.....(ابکار المنن: ص۶۸۴)

یہ ہے غیر مقلدیت کی آخری معراج۔ حضرت ابن مسعود کے بارے میں جو دل میں تھا اسے اگل دیا۔ لعنت ہے ایسی غیر مقلدیت پر، تف ہے ایسی اہل حدیثیت پر۔''

مبارک پوری صاحب کو حضرت ابن مسعود کے بارے میں یہ بات کہتے ہوئے شرم نہیں آئی جو اللہ کے رسول کے جلیل القدر صحابی اور چھٹے اسلام لانے والے تھے۔ ان بدعقلوں کو اتنی بھی عقل نہیں کہ جس رفع یدین کو غیر مقلدین نماز کی ہر ہر رکعت میں خواہ فرض ہو، خواہ سنت ہو، خواہ نفل ہو، سنت کہتے ہیں۔ اس رفع یدین کو حضرت ابن مسعود بھول گئے اور دوسروں کو رفع یدین کرتے ہوئے دیکھ کر بھی ان کو رفع یدین یاد نہیں آیا۔'' (۹۹۔۱۰۲)

یہ نمونہ کے طور پر چند اقتباسات تھے۔ قارئین نے اندازہ کرلیا ہوگا کہ یہ کتاب اپنے موضوع پر کس قدر اہم ہے اور مولانا نے کس عرق ریزی سے غیر مقلدین کے اس دعوی کی قلعی کھولی ہے اور اس کے بطلان کو دکھلایا ہے کہ ''ہر صحیح حدیث کے لیے ہمارے سر جھکے ہوئے ہیں۔''



وقفۃ مع اللامذہبیہ۔تعارف اوراقتباسات

عارف باللہ حضرت مولانا اعجاز احمد اعظمی

مثل مشہور ہے کہ چیونٹی کی موت آتی ہے تو اس کے پر نکل آتے ہیں اور گیڈر کی شامت آتی ہے تو شہر کی جانب بھاگتا ہے۔ہمارے ملک میں ڈیڑھ اینٹ کی الگ مسجد بنانے والوں کا ایک ٹولہ ہے جو اپنے عمل اور سیرت واخلاق کے لحاظ سے حدیث اور سنت کی تعلیمات کے ٹھیک برعکس ہے،لیکن اپنا بورڈ ''اہل حدیث'' کے عنوان سے سجائے ہوئے ہے۔اس کی عمر کچھ زیادہ نہیں ہے،بس یہی ڈیڑھ سو سال کے لگ بھگ سے اس کا وجود ہے۔میاں نذیر حسین صاحب بہاری ثم دہلوی (المتوفی ۱۳۲۰ھ ۱۹۰۲ء) اس کے بانی اول ہیں، پھر اس کے بطن سے رفتہ رفتہ متعدد مسائل پیدا ہوئے،رفع یدین،آمین بالجہر،قرأۃ خلف الامام،آٹھ رکعت تراویح،ایک مجلس کی تین طلاق تین نہیں ایک ہے،وغیرہ وغیرہ۔ان مسائل پر چیلنج بازیاں ہوئیں۔اس وقت سے اب تک ان مسائل پر اتنا شور وغوغا مچایا گیا جیسے مقلدین بالخصوص احناف ان مسائل میں یکسر خلافِ سنت عمل کرتے چلے آرہے ہوں،اور اس پر مزید یہ کہ تقلید کی وجہ سے ہر مقلد شرک کے دلدل میں پھنسا ہوا ہے۔علمائے احناف نے ان سب مسائل میں اپنا موقف واضح اور قوی دلائل سے ثابت کیا مگر وہاں ایک انکار کا انکار رہا۔اب تک اس حلقہ سے (حلقۂ غیر مقلدین سے) اسی طرح کے مسائل پر تحریری وتقریری پٹاخے پھوڑے جاتے رہے،لیکن انہیں محسوس ہوا کہ اب ان پٹاخوں میں دم نہیں،صرف آواز ہوکر رہ جاتی ہے،نہ کسی کا چہرہ جھلستا ہے،نہ کسی کے آنکھ سے پانی آتا اور نہ کوئی اس پر چونکتا ہے۔اس ٹولے کا وجود چونکہ منفی بنیادوں پر ہے،اس کی زندگی صرف اس پر ہے کہ کسی

کی نفی کرتا رہے۔اسی لیے سال بسال یہ منفی اشتہارات سے اپنی زندگی بڑھاتا رہتا تھا، مگر اب پرانے منفی مسائل کی جب جان نکل گئی تو اسے نئے میدان کی تلاش ہوئی۔اب وہ وقت آیا کہ گیڈر کی شامت آئے۔اب تک ان مسائل علمیہ پر زور آزمائی تھی جو دور صحابہ سے مختلف فیہ چلے آرہے تھے۔اور یہ سب مسائل بجز معدودے چند وہ تھے جو ائمہ اربعہ میں کسی نہ کسی کے یہاں معمول بہا تھے۔اس لیے اس کی آبرو ان بزرگوں کے دامن میں کسی حد تک محفوظ رہ جاتی تھی، مگر اب جو شامت آئی تو ان مسائل کو چھوڑ کر غیر مقلدیت کا گیڈر علمائے اہل حق جن کے ذریعہ ہندوستان کے اندر دین اور علم دین کی آبرو اللہ تعالی نے باقی رکھی ہے، جنھوں نے اپنی جان پر کھیل کر اللہ کے دین کی حفاظت کی ہے، یعنی علماء دیوبند۔غیر مقلدیت کا گیڈر ان کی آبادی کی طرف دوڑنے لگا۔کسی صاحب نے عربی میں ایک کتاب تیار کی اور اس میں قدم بقدم مشہور بریلوی مقرر ارشدالقادری کی بدنام زمانہ کتاب ''زلزلہ'' کی پیروی کی۔نام اس کا اس کے دوہرے مصنف نے ''**الدیو بندیة تعریفها و عقائدها**'' رکھا۔جس طرح زلزلہ میں ارشدالقادری نے اپنے مسلک کی روایتی فنکارانہ خیانت سے کام لے کر علمائے دیوبند کے سر بے بنیاد اتہام والزام لگائے ہیں اور ان کی طرف ایسی باتیں منسوب کی ہیں جن کا انہیں کبھی تصور بھی نہیں آیا۔اور جس طرح اس نے جزئی واقعات کی رائی کو اصول وکلیات کا پہاڑ بنادیا ہے اور جس طرح اس نے اپنے مزعومات و خیالات کو علمائے دیوبند کے سر پر چپکا کر انہیں داغدار بنانے کی کوشش کی ہے۔ٹھیک اسی طرح الدیوبندیۃ کے مصنف نے خیانت، الزام تراشی کی بنیادوں پر دجل وفریب کی عمارت کھڑی کی ہے۔غیر مقلد مصنف نے بریلویت کی تقلید کی۔بس فرق یہ رہا کہ بریلوی نے اردو میں کتاب لکھی اور غیر مقلد نے عربی میں کتاب لکھی، کیوں کہ اسے اہل عرب کو فریب دینا تھا۔

یہ ایک نازک سوال ہے کہ ہندوستان یا پاکستان میں بیٹھ کر یہاں کا مصنف دیوبندیت کی تردید عربی میں کیوں تحریر کرتا ہے۔کیا ہند و پاک کی عوام کو وہ مزعومہ دیوبندیت کے مشرکانہ عقائد واعمال پر متنبہ کر چکا ہے کہ اب اس سے آگے بڑھ کر وہ اہل عرب کے سامنے اس کی گمراہی پیش کرتا ہے؟ اگر یہ کام واقعی خلوص سے، اللہ تعالی کو راضی کرنے کے لیے اور مسلمانوں کو گمراہی سے بچانے کے لیے کیا گیا ہے تو ضرورت تھی کہ اسے اردو میں لکھا جاتا، تاکہ ہندوستان و پاکستان

کی عوام اس سے باخبر ہوجاتی۔ جہاں دیوبندیت کا اصل فروغ وشیوع ہے۔لیکن بات یہ نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ عرب کی سرزمین سونا اگل رہی ہے، سیال سونا، جو وہاں سے بہہ بہہ کر دوسروں ملکوں میں بھی جارہا ہے۔ ہندوستان و پاکستان سے غیر مقلدین کا یہ ٹولہ کثیر تعداد میں سیال سونے کی بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے پہنچ گیا اور وہاں اس نے جا کر یہ ظاہر کیا کہ ہندوستان ایک کفر زدہ ملک ہے، جہاں مسلمان کہلانے والے بھی مشرک ہیں۔سنت کے بجائے بدعت ان کا شعار ہے، ان کے درمیان صرف ہم (یعنی غیر مقلدین) توحید خالص کے علم بردار ہیں،سنت کے داعی اور بدعت سے برسر پیکار ہیں۔اور اے اہل نجد! اے آل سعود! اے آل الشیخ محمد بن عبدالوہاب! ہم ہیں ٹھیک ٹھیک آپ کے نقش قدم پر! عقائد میں بھی! اعمال میں بھی! آپ حضرات نے جو فرمادیا، جو لکھ دیا، ہم ہیں اس پر بے سوچے سمجھے لبیک کہنے والے۔ہم اپنا دین وایمان،عقیدہ ونظریہ سب کچھ آپ کے قبضہ واختیار میں سونپتے ہیں، جو چاہے آپ تصرف کریں۔بس اس کی قیمت یہ ہے کہ اپنی بے تحاشہ دولت کی زکوۃ ہمیں دیتے رہئے۔ یہ سودا وہاں بخوشی منظور ہوا۔ ہندوستان و پاکستان میں غیر مقلدین کے حلقے میں زکوۃ وصدقات کی نہریں جاری ہوگئیں، خستہ حال مسجدیں، لق ودق عمارت میں تبدیل ہوگئیں۔ مدارس کے جھونپڑے محلوں میں بدل گئے۔جگہ جگہ بڑے اسپتال کھل گئے، لڑکیوں کے کالج وجود میں آگئے، غرض دولت کے رنگا رنگ مظاہر ہونے لگے۔

لیکن ملک عرب صرف غیر مقلدین کی میراث تو نہیں ہے، قلیل تعداد میں سہی فاضلین دیوبند بھی وہاں پہنچنے لگے۔ان کی تعداد ہندوستان میں غیر مقلدین سے بدرجہا زائد ہے لیکن ان حضرات نے مجموعی اعتبار سے تحصیل دولت کو کبھی اپنا نصب العین نہیں بنایا۔انھوں نے دین کی خدمت کو ہی اپنا شعار بنا رکھا ہے۔اس لیے ان حضرات کو حصول دولت کے لیے وہاں جانے کا خیال نہیں آیا۔ ہاں تحصیل علم کے لیے تھوڑے سے افراد پہنچ گئے۔ یہ حضرات محنت وکاوش، تقوی و تدین اور امانت ودیانت میں خاصے ممتاز ہوتے تھے۔غیر مقلدین کو اندیشہ ہوا کہ کہیں ان کی عظمت اہل عرب کے قلوب پر نقش نہ ہوجائے۔بس ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا کہ فاضلین دیوبند پہنچنے نہ پائیں۔اس فرقہ کا تو مشن ہی منفی ہے، خوب مخالفت کی اور اس میں خاصے کامیاب بھی رہے، لیکن ان کی کوششوں کے باوجود علمائے دیوبند کا اثر ونفوذ پھیلتا ہی رہا اور ادھر پانچ چھ برس

کے عرصہ میں ایک عجیب گل یہ کھلا کہ شاہ فہد کا عظیم الشان پریس جو مختلف زبانوں میں قرآن کریم کے ترجمے اور تفسیر چھاپ کر دنیا کے گوشے گوشے میں بھیج رہا ہے، اس نے اردو زبان میں اشاعت کے لیے جس ترجمہ وتفسیر کا انتخاب کیا وہ کسی غیر مقلد کا ترجمہ نہیں۔ کیوں کہ ان کا دامن تو اس سے خالی ہے، وہاں صرف منفی لٹریچر کی بہتات ہے۔ ایک حنفی عالم کا ترجمہ اور حنفی عالم ہی کی تفسیر کا انتخاب کیا۔ اور یہ دونوں بزرگ علمائے دیوبند کے پیشوا ومقتدا ہیں۔ ترجمہ شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب کا، اور تفسیر ان کے شاگرد رشید مولانا شبیر احمد عثمانی کی۔ بس غیر مقلدیت میں کھلبلی مچ گئی، بہت غل مچایا کہ اس تفسیر پر پابندی لگاؤ، اس میں شرک کی تعلیم ہے، سلف کے عقیدے سے ہٹی ہوئی ہے۔ کئی مرتبہ سننے میں آیا کہ اب اس کی اشاعت بند ہوگئی مگر پھر دیکھا تو اس کی تقسیم واشاعت اسی شان کے ساتھ جاری ہے۔

اسی طرح بنگلہ زبان میں جس ترجمہ وتفسیر کا انتخاب ہوا وہ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کی تفسیر معارف القرآن کی تلخیص ہے، جو ان کے ایک شاگرد نے کی ہے۔ خادم الحرمین الشریفین ملک فہد کے پریس سے علمائے دیوبند کے ترجمہ وتفسیر کی اشاعت ہو، غیر مقلدیت کا حسد اسے کیوں گوارا کرتا۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ہر وہ حربہ اختیار کیا جانا ضروری ہوگیا جس سے دیوبندیت کی ساکھ اہل عرب کے نزدیک مجروح ہو، تاکہ جو مال انہیں وہاں سے حاصل ہو رہا ہے اس میں تقسیم کا خدشہ باقی نہ رہے۔

شاید یہی خدشہ تھا جس نے الدیوبندیہ نامی کتاب عربی میں لکھوائی اور اس میں جی بھر کر اہل عرب کو علمائے دیوبند سے بھڑکانے کی کوشش کی گئی۔ اہل عرب عقیدۂ توحید کے باب میں بہت حساس ہیں اور اس میں ایک حد تک ان کو غلو ہے۔ ان کے نظریۂ توحید کی روشنی میں قرون سابقہ کے بھی بہت سے علما ومشائخ بھی موحد باقی نہیں رہتے۔ الدیوبندیہ کے مصنف نے علمائے دیوبند کی طرف وہ باتیں خوب چمکا کر منسوب کیں، جن سے علمائے نجد وحجاز کی حساسیت متأثر ہوتی۔ موجودہ علمائے نجد وحجاز کو تصوف سے بہت بعد ہے اور علمائے دیوبند کا امتیازی وصف تصوف واحسان ہے۔ اسے اس کتاب کے مصنف نے اکابر دیوبند کا جرم عظیم بنا کر پیش کیا ہے۔

لیکن یہ گیڈر کی شامت ہی تھی کہ اس نے شہر کا رخ کیا، علمائے دیوبند کو اختلافی مسائل

سے زیادہ دلچسپی نہیں۔ان کے سامنے دینی و تعلیمی مثبت امور اتنے زیادہ ہیں کہ انہیں کو پورے طور پر انجام دینا مشکل ہو رہا ہے،لڑائی جھگڑے کے لیے کہاں سے وقت نکالیں۔لیکن ایسا بھی نہیں ہے کہ سب لوگ کان میں تیل ڈالے پڑے رہیں،لگانے والے الزام لگاتے رہیں،باندھنے والے بے بنیاد بہتان باندھتے رہیں اور یہ بے حس وحرکت پڑے رہیں۔

آخر غیرت حق کو جلال آ گیا،فاضل گرامی مولانا ابوبکر غازی پوری نے اس چیلنج کو قبول کیا اور انہوں نے علمائے دیوبند کی طرف سے صفائی نہیں پیش کی،ان کا دفاع نہیں کیا،کیوں کہ جھوٹ کا کوئی علاج نہیں،دجل وفریب کا کوئی جواب نہیں۔اور اس ٹولہ کے حق میں ڈیڑھ سو سال سے یہی تجربہ ہو رہا ہے کہ اس کو جتنا حقیقت حال سے باخبر کیا جاتا ہے،اتنے ہی زور سے یہ مزید شور مچاتا ہے۔انہوں نے علمائے دیوبند پر لگائے گئے الزامات کے جواب دینے کی ضرورت نہیں محسوس کی۔کیوں کہ چاند پر تھوکنے سے چاند پر کوئی اثر نہیں پڑتا،خود تھوکنے والے کا منہ آلودہ ہوتا ہے۔البتہ انھوں نے اہل عرب کے سامنے غیر مقلدوں کی اصل حقیقت کھول کر رکھ دی۔مولانا موصوف عربی زبان پر اہل زبان کی طرح قدرت رکھتے ہیں،انھوں نے عربی میں ہی زیر نظر کتاب لکھی اور اہل عرب کے سامنے ایک قد آدم آئینہ رکھ دیا کہ اس میں وہ غیر مقلدین جو ان کی بغل میں گھسے ہوئے ہیں،کے خدوخال خوب واضح طور پر دیکھ لیں۔

مولانا موصوف نے بڑی کدوکاوش سے اکابر غیر مقلدین کی کتابیں حاصل کیں،انھیں تدقیق وتحقیق سے پڑھا اور ان کی روشنی میں غیر مقلدیت کا اصل حلیہ پیش کیا۔ان کی کتاب پڑھنے سے اندازہ ہوا کہ رافضیوں کے بعد اپنے عقائد ونظریات کو چھپانے میں کوئی فرقہ کامیاب ہوا ہے تو وہ یہی فرقۂ غیر مقلدین ہے،اور تقیہ کا استعمال شیعوں کے بعد اسی ٹولے نے کیا ہے۔مولانا نے نام رکھنے سے لے کر اب تک کے انجام تک ہر ہر مسئلہ پر گفتگو کی ہے اور بتایا کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب کے متبعین اور ان کے عقائد وافکار سے غیر مقلدین کو کوئی مناسبت نہیں ہے۔بلکہ ان کے اکابر نے دولت سیال نکلنے سے پہلے پہلے ہمیشہ وہابیوں کی مخالفت ہی کی ہے۔خاکسار کو اعتراف ہے کہ اور میری طرح بہت سے لوگ اعتراف کریں گے کہ ہم لوگ غیر مقلدوں کی اصل حقیقت سے کم واقف تھے۔اس کتاب نے جس طرح ان کو روشنی میں لا کھڑا کیا ہے،اس سے پہلے

ان کے خدو خال اتنے نمایا نہیں ہوئے تھے۔

نام رکھنے میں اضطراب:

مولانا نے سب سے پہلا دلچسپ انکشاف اس فرقہ کے نام رکھنے کے سلسلے میں کیا ہے انہوں نے بتایا کہ اس فرقہ نے اپنا نام ابتداء ''موحدین'' رکھا۔ایک مدت تک یہ نام رہا پھر نہ جانے کیوں اسے ترک کر دیا۔اب انہوں نے اپنا نام ''محمدی'' رکھا۔ چنانچہ اس فرقہ کی کتابیں مثلاً ''مذہب محمدی''، ''تعلیم محمدی''، ''عقیدۂ محمدیہ'' وغیرہ ہیں۔ پھر اس خوف سے کہ یہ نسبت کہیں محمد بن عبدالوہاب کی طرف نہ سمجھ لی جائے، اسے بدل کر غیر مقلد رکھ لیا۔انہیں اس پر فخر تھا کہ وہ کسی امام کی تقلید نہیں کرتے۔ پھر اسے بھی ترک کر دیا۔ بعض علمانے کوشش کی اور باقاعدہ سرکار انگریزی سے ''اہل حدیث'' کے نام سے منظوری لی، یہی لقب ان میں جاری رہا۔ادھر کچھ عرصہ سے جب عرب میں دولت امنڈنے لگی اور ان کی نگاہِ حرص وہاں پڑنے لگی تو اب انہیں اہل عرب سے چپکنا تھا۔انھوں نے دیکھا کہ اہل عرب زیادہ تر علامہ ابن تیمیہ، علامہ ابن قیم اور شیخ محمد بن عبدالوہاب کے پیرو ہیں اور خود سلف کی طرف منسوب کر کے ''سلفی'' کہتے ہیں۔انھوں نے بھی اپنے کو بدل کر سلفی اور اثری کہنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ اپنے مدارس ومراکز تک کے نام بدل ڈالے، لیکن ابھی تک یہ فیصلہ نہیں ہوسکا ہے کہ ان کے اغراض کے لیے لفظ سلفی مفید تر ہے یا اثری؟۔(وقفۃ مع اللا مذہبیہ ۲۸)

ماضی وحال کے غیر مقلدین میں فرق:

پھر مولانا نے تفصیل سے بتایا کہ آج کل جو لوگ غیر مقلد کہلاتے ہیں ان میں اور ان کے گزشتہ اکابر میں نظریات واعتقادات کا کتنا فرق ہے؟ خدا جانے یہ فرق حقیقۃً ہے یا فرقۂ حاضرہ کا یہ نفاق ہے؟ کہ اس کا عقیدہ کچھ ہے اور ظاہر کچھ کرتا ہے۔نمونہ کے طور پر چند باتیں آپ بھی سن لیں۔

۱) ان کے اکابر تصوف کے قائل اور اس پر عامل تھے، اور آج کے غیر مقلدین اسے شرک و بدعت سے کم ماننے کے لیے تیار نہیں۔

۲) ان کے اکابر شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے سخت خلاف تھے اور ان کی طرف منسوب

ہونے کو اپنے لیے باعث ننگ سمجھتے تھے۔ جب کہ فرقۂ حاضرہ اس نسبت کو اپنے لیے باعث صد نازش وافتخار سمجھتا ہے۔

٣) اکابر غیر مقلدین شیخ محی الدین ابن عربی کو ولایت کے اعلی مقام پر سمجھتے بلکہ انہیں خاتم الولایت المحمد یہ قرار دیتے تھے، اور آج کل کے غیر مقلدین علامہ ابن تیمیہ کی تقلید میں انہیں بدترین کافر قرار دیتے ہیں۔

٤) اس فرقہ کے اکابر نظریۂ وحدۃ الوجود کو دین وشریعت کی اصل اور اساس قرار دیتے تھے اور آج کا گروہ بظاہر اس کا شدید مخالف وناقد ہے۔

٥) آج کل کے غیر مقلدین بظاہر غیر اللہ کے وسیلے کے مخالف ہیں اور غیر اللہ سے استمد اد واستعانت کو حرام وناجائز کہتے ہیں۔ حالانکہ یہ باتیں ان کے اکابر کے نزدیک جائز تھیں۔

٦) فرقۂ حاضرہ کو قبور اور اہل قبور سے سخت بیزاری ہے، جب کہ ان کے اکابر قبروں سے برکت حاصل کرنے اور ان کی تعظیم کرنے کے قائل تھے۔

٧) یہ لوگ تین مسجدوں کے علاوہ اور کہیں کے سفرِ عبادت کو حرام سمجھتے ہیں، حالانکہ ان کے بہت سے اکابر اسے جائز سمجھتے تھے۔

٨) موجودہ غیر مقلدین کو تعویذ وعملیات سے سخت بیزاری ہے اور ان کے اکابر وسلف کے یہاں تعویذات کا معمول رہا ہے۔ وہ اس موضوع پر کتابیں لکھتے بھی تھے اور بیچتے بھی تھے۔

٩) آج کل کے غیر مقلدین شیعوں سے بیزاری ظاہر کرتے ہیں، حالانکہ ان کے اکابر شیعوں جیسے عقیدے رکھتے تھے۔ (وقفۃ مع اللا مذہبیہ ٣١،٣٢)

مولانا نے ان سب عنوانات پر کتاب میں تفصیل کے ساتھ غیر مقلدوں کے اکابر کی کتابوں کے حوالوں سے قوی دلائل پیش کیے ہیں۔ ہر ہر عنوان قابل ملاحظہ اور باعث عبرت ہے کہ آدمی جب خوف خدا سے دور ہوتا ہے تو کس ضلال بعید میں جا پڑتا ہے۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ موجودہ غیر مقلدین اپنے ان اکابر کی مدح وثنا کرتے تھکتے نہیں، یہی اکابر ان کے لیے مایۂ فخر وناز ہیں۔ لیکن کیا بات ہے کہ جو باتیں ان کے نزدیک جائز مسلم تھیں، عین دین وایمان تھیں، وہی باتیں ان اصاغر کے نزدیک ناجائز وحرام اور شرک و

بدعت بن گئیں؟ اگر وہ ان کے نزدیک واقعۃً شرک و بدعت ہیں تو اپنے ان اکابر سے برأت کیوں نہیں ظاہر کرتے؟ انھیں مشرک اور بدعتی کیوں نہیں قرار دیتے؟ اور اگر یہ لوگ ان کے عقائد و نظریات کو درست سمجھتے ہیں اور دل سے یہ لوگ بھی وہی اعتقاد رکھتے ہیں تو اہل عرب اور اہل نجد کے ساتھ کیوں چپکے ہوئے ہیں؟ جب کہ معلوم ہے کہ وہ اس کے سخت مخالف ہیں۔ بہرحال جو کچھ بھی ہو یہ شیعوں کے تقیہ ہی کا ایک شعبہ معلوم ہوتا ہے۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب:

یہاں ہم چند نمونے ان کے عقائد وخیالات کے پیش کرتے ہیں۔ دیدۂ عبرت درکار ہے۔

آج کل کے غیر مقلدین شیخ محمد بن عبدالوہاب کی تعریف کرنے سے نہیں تھکتے لیکن ان کے اکابر ان کو کس نظر تحقیر سے دیکھتے تھے، ملاحظہ ہو۔ غیر مقلدوں کے امام نواب سید صدیق حسن بھوپالی ان کے ذکر میں لکھتے ہیں:

> ''محمد بن عبدالوہاب (نہ شیخ نہ علامہ نہ شیخ الاسلام) فلاں امریکی کرنل نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ اس صدی کے آغاز میں فرقۂ وہابیہ نے زور پکڑا، یہ فرقہ تمیم کے ایک فرد محمد بن عبدالوہاب کی طرف منسوب ہے جو درعیہ کا باشندہ تھا۔'' (۴۶، بحوالہ التاج المکلل)

ترجمان الوہابیہ ص ۳۱ میں نواب صاحب لکھتے ہیں کہ:

> ''نجدی مذکور ہندوستان کبھی نہیں آیا اور نہ اہل ہند سے اس کا کوئی تعلق ہے، نہ وہ اس کے شاگرد ہیں اور نہ انہوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی ہے..... اس نجدی کی مذہبی دعوت حجاز اور نجد سے آگے نہیں بڑھی۔ وہابیوں کا مسلمان کے ساتھ جہاد صرف نجد و حجاز میں تھا۔'' (ص ۴۷)

مشہور غیر مقلد عالم حافظ عبداللہ غازی پوری ''ابراء اہل حدیث واہل القرآن'' میں لکھتے ہیں کہ:

> ''ہمارا نام جو وہابی رکھ دیا گیا ہے، یہ بالکل غلط ہے۔ اہل حدیث صرف کتاب وسنت کا اتباع کرتے ہیں اور اپنے لیے اہل حدیث اور اہل سنت کا نفیس لقب اختیار کرتے ہیں۔'' (ص ۴۹)

اس عبارت کا بین السطور پڑھیے تو معلوم ہوگا کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کے متبعین

کا عمل کتاب وسنت پر نہیں ہے، اور وہ نہ اہل حدیث ہیں اور نہ اہل سنت ہیں۔

آگے لکھتے ہیں کہ:

''اہل حدیث اسی وجہ سے سابق ائمہ کی جانب بھی اپنے آپ کو منسوب نہیں کرتے۔ انھیں تو حنفی، شافعی، مالکی یا حنبلی ہونا گوارا نہیں۔ پھر وہ محمد بن عبدالوہاب کی طرف نسبت کو کیوں کر گوارا کر سکتے ہیں؟.......پھر یہ عبدالوہاب نجدی جو وہابیوں کا پیشوا ہے، خود حنبلی تھا اور اہل حدیث مقلدین کے کسی مسلک کی تقلید نہیں کرتے تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ ابن عبدالوہاب نجدی کے پیرو ہو جائیں؟ اہل حدیث اور وہابیوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔'' (ص۵۰)

اللہ اکبر......وہابی کا لقب اہل حدیث کے اصولوں سے میل نہیں کھاتا، وہ اس لقب پر کبھی راضی نہیں ہیں، بلکہ اسے وہ گالی سے بدتر شمار کرتے ہیں''۔(۵۱)

نواب سید صدیق صاحب ''ترجمان الوہابیہ'' میں لکھتے ہیں:

''جو شخص ہمیں وہابی کہتا ہے وہ ہمیں گالی دیتا ہے......وہ شخص جو نجد میں پیدا ہوا، اور اس کے ماننے والوں نے مسلمانوں سے جنگ چھیڑی، وہ مقلد حنبلی تھا۔'' (ص۵۲)

غیر مقلدوں کے یہاں شیخ محمد بن عبدالوہاب کی جو قدر و قیمت ہے وہ ان عبارتوں سے واضح ہے۔ اور بقول مولانا عبداللہ کے عبدالوہاب کے پیرؤوں اور غیر مقلدوں کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے۔ مگر اب شاید مسلک بدل گیا ہے یا غیر مقلدوں نے حصول زر کے لیے تقیہ کی چادر اوڑھ لی ہے۔

مشہور غیر مقلد عالم و پیشوا مولانا ثناء اللہ امرتسری اپنی کتاب ''مذہب اہل حدیث'' کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

''اس جیسے اعتقادات واقوال......یعنی وہ اعتقادات واقوال جو شیخ محمد بن عبدالوہاب انبیا واولیا کے حق میں رکھتے ہیں، ہم اہل حدیثوں کے نزدیک کفر ہے، ہمارے اعتقادات ایسے نہیں ہیں۔'' (ص۵۶)

غور کیجئے، پہلے جو اعتقادات غیر مقلدوں کے نزدیک کفر تھے، اب وہ عین ایمان بن چکے ہیں۔

شیخ محی الدین ابن عربی کا مرتبہ ومقام غیر مقلدین کی نظر میں:

غیر مقلدین کے امام اول، شیخ الکل فی الکل میاں نذیر حسین دہلوی کا قول ان کے سوانح نگار نے ''حیات بعد الممات'' میں نقل کیا ہے کہ'' محی الدین بن عربی خاتم الولایۃ المحمدیہ ہیں۔''(ص ۷۱)

نواب صدیق حسن صاحب نے 'التاج المکلل' میں شیخ محی الدین ابن عربی کا طویل تذکرہ لکھا ہے۔ان پر جو اعتراضات کیے ہیں ان کا جواب دیا ہے اور آخر میں دعا کی ہے:

فجزاه الله عنا وعن سائر المسلمين وافاض علينا من انواره وكسانا من حلل اسراره وسقانا من حميا شرابه وحشرنا في زمرة احبابه بجاه سيد اصفياءه وخاتم انبياءه صلى الله عليه وسلم وشرفه وكرمه وعلمه. (ص ۷۸)

اللہ تعالیٰ انہیں ہماری طرف سے اور تمام مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے اور ہم پر ان کے انوار کا فیضان جاری کرے، اور ہم کو ان کے اسرار کی خلعت پہنائے، اور ہم ان کی شراب تند پلائے، اور ہمارا ان کے احباب کے زمرہ میں حشر فرمائے، سید اصفیا خاتم انبیاﷺ کے مرتبے کے واسطے سے۔

نواب صاحب یہ بھی لکھتے ہیں کہ:

''حاصل یہ کہ ان کے مقامات وکرامات بے شمار ہیں، جنھیں کئی جلدوں میں بھی نہیں پورا کیا جاسکتا۔اللہ تعالیٰ کی حجت ظاہرہ اور آیت باہرہ تھے۔''(ص ۸۰)

یہ وہی شیخ محی الدین بن عربی ہیں جن کو علامہ ابن تیمیہ اور ان کے ماننے والے ''اکفر من الیھود والنصاری'' کہہ کر بھی تسکین نہیں پاتے لیکن آج کے غیر مقلدین میاں نذیر حسین اور نواب صدیق حسن کو بھی اپنا پیشوا مانتے ہیں اور علامہ ابن تیمیہ کو بھی اپنا مقتدا قرار دیتے ہیں۔بڑے اطمینان سے دونا ؤپر پاؤں رکھے ہوئے ہیں۔

یار ما یک دارد وآں نیز ہم

اپنے اپنے حوصلہ کی بات ہے۔

تصوف اور غیر مقلدین:

غیر مقلدوں نے اس دور میں تصوف اور صوفیہ کی مخالفت کو اپنا شعار بنا رکھا ہے، اور یہ محض عرب کے وہابیوں کی اندھی تقلید کا نتیجہ ہے، ورنہ ان کے اکابر بالخصوص شیخ الکل فی الکل میاں نذیر حسین صاحب اور نواب والا جاہ سید صدیق حسن صاحب دونوں صوفیہ طریق پر بیعت تھے، میاں نذیر صاحب مریدوں کو بیعت بھی کرتے تھے۔ (ص ۱۰۵)

چنانچہ اس کی تفصیل میاں صاحب کی مستند سوانح ''حیات بعدالممات''میں دیکھی جاسکتی ہے، اور نواب صاحب اور ان کے فرزند نور الحسن صاحب دونوں حضرت مولانا فضل الرحمان صاحب گنج مرادابادی کے ہاتھوں پر بیعت تھے۔ اور ان کے والد مولانا اولاد حسن صاحب حضرت سید احمد شہید کے ہاتھوں پر بیعت تھے۔ نواب صاحب نے ذکر کیا ہے کہ ان کے ہاتھوں پر تقریباً دس ہزار آدمی بیعت تھے۔ (ص ۱۰۷)

لطف یہ کہ یہ تینوں غیر مقلد تھے، نواب صاحب تو غیر مقلدیت کے پیشوا ہی ہیں۔ اب اس تضاد یا نفاق کو آج کے مجتہدین حل کریں۔

تعویذات اور غیر مقلدین:

علامہ ابن تیمیہ اور ان کے پیرووں کے نزدیک تعویذ گنڈے کو گلے میں باندھنا مشرکانہ اعمال شمار کیا جاتا ہے۔ آج کل فرقۂ غیر مقلدین بھی اپنی عادت کے مطابق انہیں کی راگ میں لے ملا رہا ہے، لیکن ان کے اکابر کا حال اور خیال یہ نہیں تھا۔ نواب والا جاہ سید صدیق حسن صاحب نے تو تعویذات کی ایک مستقل کتاب ہی لکھی ہے، اس کا نام ''کتاب التعاویذ'' ہے۔ نواب صاحب اس کی تمہید میں لکھتے ہیں کہ:

> ''اس رسالہ میں ہم وہ ماثور دعائیں اور صحیح اعمال تحریر کریں گے جن کا تعلق ان عوارض و آفات سے ہے جو انسان کو زندگی میں اور مرنے کے بعد پیش آتے ہیں۔ یہ سب دعائیں اور اعمال ہم کو ہمارے مشائخ [سے] پہنچے ہیں اور ہمیں ان کی طرف سے ان سب کی اجازت ہے۔'' (ص ۱۶۶)

اور فرماتے ہیں کہ:

''انہیں مشائخ اور اہل علم نے اس طرح کی جھاڑ پھونک کا ذکر کیا ہے۔مخلوق میں اس کا نفع مشاہد ہے۔میں بھی ان چیزوں کو گھر کے چھوٹے بچوں کے لیے استعمال کرتا ہوں،جیسا کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے،،القول الجمیل''میں ذکر کیا ہے۔''(ص۱۶۷)

اس کے بعد مولانا ابوبکر صاحب نے اس میں درج بہت سی ادعیہ ماثورہ اور اعمال صحیحہ کے نمونے پیش کیے ہیں۔اب خدا جانے کیا صحیح ہے؟تعویذات صحیح ہیں؟یا ان کا انکار صحیح ہے؟اقرار کریں تو اہل عرب خفا ہوتے ہیں،انکار کریں تو غیر مقلدیت ہاتھ سے جاتی ہے۔

کتاب کے آخر میں نواب صاحب نے باقاعدہ ان تمام اعمال،تعویذات اور دعاؤں کی اجازت اپنی اولاد واحفاد کو دی ہے،اور بڑی شدت اور تاکید کے ساتھ وصیت فرمائی ہے کہ ان کو اپنی اولاد کے لیے اور دوسرے حاجت مند مسلمانوں کے لیے استعمال میں لائیں۔کیوں کہ اچھا آدمی وہی ہے جو لوگوں کو نفع پہنچائے۔''(ص۱۸۴)

غیر مقلدین اور قبروں کی خدمت گزاری:

غیر مقلدین شور مچاتے ہیں کہ قبروں کی مجاورت اور ان سے برکت حاصل کرنا ممنوع اور حرام ہے،حالاں کہ ان کے مشہور اور بڑے عالم نواب وحید الزماں صاحب حیدرآبادی اپنی کتاب''نزل الابرار من فقہ النبی المختار''میں لکھتے ہیں کہ:

''اولیاء اللہ کی قبروں کی خدمت گزاری اور مجاورت،حصول برکت کے لیے اس میں کچھ حرج نہیں۔یہ عمل امت کے بہت سے صلحا وفضلا سے منقول ہے۔''(ص۲۰۴)

اور اپنی کتاب''ہدایۃ المہدی''میں لکھتے ہیں:

''اور رہی مجاورت اور خدمت گزاری تو کوئی اس بات کا قائل نہیں ہے کہ نبی یا ولی کی قبر کی مجاورت شرک ہے۔''(ص۲۰۴)

سبحان اللہ! ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

قبروں کی زیارت کے لئے سفر کرنا:

علامہ ابن تیمیہ کے نزدیک علاوہ تین مسجدوں کے اور کسی مقام کے لیے بہ نیت عبادت سفر کرنا حرام ہے۔اسی لیے وہ نبی کریم ﷺ کی قبر اطہر کی زیارت کے لیے سفر کرنے کو حرام قرار

دیتے ہیں۔آج کل غیر مقلدین بھی انہیں کی لَے میں لَے ملا رہے ہیں، حالاں کہ ان کا مسلک یہ نہیں ہے۔ان کا مسلک وہی ہے جو ان کے بڑے عالم نواب وحیدالزماں صاحب حیدرآبادی نے لکھا ہے۔فرماتے ہیں:

''بہت سے علمائے سلف وخلف نے انبیا وصالحین کی قبروں کی زیارت کے لیے سفر کو جائز قرار دیا ہے، تو کیا یہ لوگ کافر و مشرک تھے.....؟۔''(ص ۲۲۷)

ہمارے اصحاب میں شیخین (علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیم) نے ان فیوض وبرکات اور لذائذ قلبیہ کا انکار کیا ہے جو انبیا وصالحین کی قبروں کی زیارت سے حاصل ہوتے ہیں۔لیکن ہمارے بہت سے اصحاب مثلاً شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کے نامور صاحبزادے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب اور ان کے خلیفہ حضرت سید احمد شہید نے اس کا اثبات کیا ہے۔اور متقدمین میں سے امام شافعی اور علامہ ابن حجر مکی بھی اس کے قائل ہیں، اور حضرات صوفیہ تو سبھی اس پر متفق ہیں۔وہ فرماتے ہیں کہ یہ مشاہد اور مجرب ہے، اور اس سے انکار کی گنجائش نہیں ہے۔''(ہدایۃ المہدی۔ص ۲۲۷)

کچھ ٹھکانہ ہے ان تضادات کا! یہ سب اس حرص وہوس کا نتیجہ ہے جو اس فرقہ کے قلب میں اجتماعی طور سے جاگزیں ہے، اس کا اشارہ جدھر ہوتا ادھر لڑھک جاتے ہیں۔

قبروں کا طواف:

کسی بھی قبر کا طواف اور اس کے سامنے تعظیمی افعال کا بجالانا، علامہ ابن تیمیہ اور ان کے پیروؤں کے نزدیک صرف گناہ نہیں بلکہ شرک ہے، مگر غیر مقلدین کے گلے میں یہاں بھی ہڈی پھنسی ہوئی ہے۔نواب وحیدالزاں صاحب لکھتے ہیں کہ:

''اگر کوئی تعظیمی افعال بجالایا جائے، مثلاً قبر کا طواف کیا، یا اسے بوسہ دیا، یا وہاں مؤدب کھڑا ہوا، یا رکوع کیا، یا سجدہ کیا، خواہ وہ کسی نبی کی قبر ہو یا ولی کی۔اور اس کی نیت صاحب قبر کی تعظیم اور اسے سلام کرنا ہو، نہ کہ قبر کی عبادت، تو ایسا کرنے والا گنہگار ہوگا، تاہم مشرک نہ ہوگا۔''(ہدایۃ المہدی۔ص ۱۵)

انبیا و اولیا سے استغاثہ:

کسی مصیبت میں غیر اللہ کو پکارنا، ان سے فریاد کرنا، ظاہر ہے کہ کھلا ہوا شرک ہے۔ آج کل کے غیر مقلدین اس سلسلے میں بڑی سختی برتتے ہیں، لیکن اپنا اصل مسلک اسی شدت سے چھپاتے ہیں۔ ان کا مذہب یہ ہے کہ مصائب و مشکلات میں انبیا و اولیا اور صالحین سے فریاد کی جاسکتی اور انہیں پکارا جاسکتا ہے۔

چنانچہ نواب وحید الزماں صاحب نے اپنی کتاب ''ہدیۃ المہدی'' میں اس موضوع پر تفصیل کے ساتھ کلام کیا ہے، اور آخر میں لکھتے ہیں:

''اس بحث سے بداہۃً یہ بات معلوم ہوگئی کہ غیر اللہ کو پکارنا یا اس کی طرف متوجہ ہونا، یا ان سے مدد چاہنا، ایسے امور میں جن پر مخلوق کو قدرت ہوتی ہے، یا غیر اللہ کے بارے میں نفع وضرر کا اعتقاد رکھنا، ایسے امور میں جن پر مخلوق قادر ہوتی ہے، یا غیر اللہ کے بارے میں نفع وضرر کا اعتقاد رکھنا کہ اللہ کے ارادے اور اذن سے ایسا کر سکتے ہیں، یہ شرک اکبر نہیں ہے۔'' (ص ۲۴۷)

پھر حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ:

''یہ شرک کیوں کر ہوسکتا ہے؟ حالانکہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے ''وماھم بضارین بہ من احد الا باذن اللہ''. اور یہ جادوگر کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر اللہ کے اذن سے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ساحر اللہ کے اذن سے ضرر پہنچا سکتا ہے۔ صاحب جامع البیان نے اپنی تفسیر کے آغاز میں نبی ﷺ سے استغاثہ کیا ہے۔ اگر غیر اللہ سے مطلق استغاثہ شرک ہوتا تو لازم آئے گا کہ صاحب جامع البیان مشرک ہوں۔ اگر ایسا ہے تو ان کی تفسیر پر کیوں کر اعتماد ہوسکتا ہے، حالانکہ تمام اہل حدیث نے ان کی تفسیر کو قبول کیا ہے۔'' (ص ۲۴۸)

اور فرماتے ہیں کہ:

''اگر کسی نے غلبۂ محبت اور استغراق میں غائب کو حاضر فرض کر کے پکارا، مثلاً 'یا رسول اللہ' کہا یا 'یا علی' کہا یا 'یا حیدر' کہا یا 'یا مدار' کہا یا 'یا سالار' کہا یا 'یا محبوب' کہا یا 'یا غوث' کہا...... یا ایسے امور میں استغاثہ کیا یا استعانت چاہی جس پر اللہ کے نیک بندے انبیا و اولیا قادر ہیں تو اس سے آدمی اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔'' (ہدیۃ المہدی۔ ص ۱۶)

نواب وحید الزماں صاحب مزید لکھتے ہیں:

''سید علامہ نواب صدیق حسن خان نے ایک طویل قصیدہ میں لکھا ہے:

یاسیدی، یا عروتی ووسیلتی　　یا عدتی فی شدۃ ورخاء

قد جئتک بابک ضارعاً متضرعا　　متأوّھا بنفسی الصعداء

مالی وراک مستغاث فارحمنی　　یا رحمۃ للعالمین بکائی

(ص۲۴۹)

اے میرے سردار، اے سہارا اور وسیلہ، اے بدحالی وخوشحالی میں میرے مددگار، میں آپ کے دروازے پر گریہ وزاری کرتا اور آہ وبکا کرتا ہوا آیا ہوں، آپ کے علاوہ کوئی نہیں ہے جس سے میں مدد چاہوں، تو اے رحمۃ للعالمین میرے رونے پر رحم فرمائیے۔

پھر لکھتے ہیں کہ:

''یہ سوال مردہ سے نہیں ہے بلکہ صلحا کی ارواح سے ہے، اور روحیں مردہ نہیں ہوتیں، نہ فنا ہوتیں، بلکہ وہ حساس اور باخبر رہتی ہیں۔ بالخصوص انبیا وشہدا کی روحیں کہ وہ بحکم خدا زندہ ہیں.... ہاں یہ ضروری ہے کہ استعانت واستغاثہ ان کی قبروں کے پاس ہو۔ کیوں کہ جب وہ زندہ تھے تو دور سے نہیں سنتے تھے تو مرنے کے بعد دور سے کیسے سنیں گے۔'' (ص۲۴۹ ہدیۃ المہدی۔ ص۲۰)

اور لکھتے ہیں:

''اس گفتگو سے معلوم ہوا کہ عوام جو یا رسول اللہ اور یا علی یا غوث وغیرہ کہتے ہیں تو صرف اس طرح پکارنے سے ان کے شرک کا حکم ہم نہیں کریں گے۔'' (ہدیۃ المہدی ص۲۴)

مزید ملاحظہ ہو، لکھتے ہیں کہ:

سید (یعنی نواب صدیق حسن خان) نے اپنی تالیف میں لکھا ہے

قبلۂ دیں مددے　　کعبۂ ایماں مددے

ابن قیم مدد ے　　قاضی شوکاں مددے

(ص۔۲۵۰)

ان اقتباسات کو پڑھئے اور بتائیے کہ بریلویوں اور غیر مقلدین میں کیا فرق ہے؟ یہ

باتیں ان کا معمولی فرد نہیں لکھ رہا ہے۔ نواب صدیق حسن خاں ہوں یا نواب وحید الزماں، یہ ان کی مایۂ ناز شخصیتیں ہیں۔

غیر مقلدوں کی ستم ظریفیاں:

غیر مقلدیت بے لگام شاخوں اور کانٹوں کا جنگل ہے، جتنی ڈفلی اتنا راگ۔ کوئی کچھ کہہ رہا ہے اور کوئی کچھ۔ کچھ ٹھکانا نہیں کب کون کیا کہنے لگے؟ ایک صاحب ہیں مولانا حافظ عبداللہ روپڑی جن کے بارے میں ''جہود مخلصہ'' کے مصنف نے لکھا ہے کہ:

> ''شیخ عبداللہ روپڑی متوفی ۱۳۸۷ھ اپنے زمانہ میں حدیث کے علمائے کبار میں تھے، مولانا وزیرآبادی اور امام عبدالجبار غزنوی سے تعلیم حاصل کرکے فراغت پائی۔ کتاب وسنت پر گہری نظر رکھتے تھے اور دوسرے علوم وفنون پر بھی بہت وسیع نگاہ تھی۔ پوری زندگی درس وافادہ، تصنیف وتالیف میں اور سنت وسلفیت کے نشر واشاعت میں بسر کی۔'' (ص۲۷۲)

بیوی کی خوشامد:

اب سنئے! یہ صاحب جو کتاب وسنت پر گہری نظر رکھتے تھے، فرماتے ہیں:

> ''شریعت نے ازدواجی زندگی کی خوشگواری اور میاں بیوی کے درمیان الفت ومحبت کا بہت اہتمام کیا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے لیے خدا کے اوپر بھی جھوٹ بولنے کی اجازت دی ہے۔'' (فتاوی اہل حدیث۔ ص۳۷۰۔ص۲۷۲)

بیوی کو کبیدگی وناگوار خاطری سے بچانے کے لیے قدرے جھوٹ بول دینے کی اجازت تو ضرور ہے مگر اللہ پر جھوٹ بولنا پناہ بخدا! یہ تو کھلا ہوا ظلم ہے۔ اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں ''فمن اظلم ممن كذب على الله''. اس سے بڑا ظالم کون ہے؟ جو خدا پر جھوٹ بولتا ہے۔ اس ظلم عظیم کے باوجود یہ شخص محض اس لیے کہ غیر مقلد ہے اور ائمہ کی شان میں گستاخیاں کرتا ہے۔ کبار علماء الحدیث میں ہے، کتاب وسنت پر گہری نظر رکھتا ہے، سنت وسلفیت کی نشر واشاعت کرتا ہے۔ استغفر اللہ

عیسیٰ علیہ السلام پر افتراء:

ایک اور غیر مقلد صاحب ہیں شیخ عنایت اللہ وزیرآبادی۔ وہ خود اپنے بارے میں لکھتے

ہیں، میرا مذہب پہلے دن سے اہل حدیث کا مذہب ہے۔حافظ عبداللہ غازی پوری سے پورا استفادہ کیا ہے۔مولانا عبدالستار کلانوری اور مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی اور مولانا عبدالوہاب ملتانی کے شاگرد ہیں۔(العطر البلیغ)

ان شیخ عنایت اللہ وزیرآبادی کی ایک کتاب ''عیون زمزم فی میلاد عیسیٰ بن مریم'' ہے۔اس میں انہوں نے اپنی دانست میں دلائل کا زور لگا دیا ہے کہ حضرت مریم منکوحہ تھیں اور عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے نہیں بلکہ باپ سے پیدا ہوئے ہیں۔

یہ عقیدہ خالص کفر ہے جو ایک غیر مقلد نے ظاہر کیا ہے،اور صرف ظاہر ہی نہیں کیا ہے بلکہ اس موضوع پر مستقل کتاب لکھی ہے۔مولانا ابوبکر صاحب نے عیون زمزم کے متعلقہ صفحات کے فوٹو بھی شامل کتاب کر دیے ہیں۔

مولانا فرماتے ہیں کہ:

''ہم کو نہیں معلوم کہ ہندو پاک کے کسی غیر مقلد عالم نے اس گندی کتاب کا رد لکھا ہو، جب کہ یہ لوگ تقلید اور مقلدین کا رد لکھنے میں بہت تیزی دکھاتے ہیں۔شاید عنایت اللہ اثری کا گناہ صرف اس لیے معاف کر دیا گیا ہو کہ وہ غیر مقلد تھا اور ائمہ مجتہدین پر زبان طعن دراز کیے رہتا تھا۔''(ص ۲۷۵)

رافضیوں سے مناسبت:

غیر مقلدوں کے قابل فخر ائمہ میں سے نواب وحیدالزماں صاحب حیدرآبادی ہیں،ان کی کتاب ہدیۃ المہدی کے حوالے گزر چکے ہیں۔ان کی ایک تحریر پڑھئے،اور غور کیجئے کہ شیعوں میں اور ان میں کچھ حد فاصل باقی رہی یا نہیں؟ لکھتے ہیں:

''اگر ہمارے دور میں سیدنا علی اور معاویہ کے درمیان جنگ ہوئی ہوتی تو ہم علی کے ساتھ ہوتے۔پھر اس کے بعد امام حسن بن علی کے ساتھ ہوتے،پھر ان کے بعد امام حسین بن علی کے ساتھ،پھر ان کے بعد علی بن حسین کے ساتھ،پھر ان کے بعد امام باقر کے ساتھ،پھر ان کے بعد امام جعفر بن محمد صادق کے ساتھ،پھر ان کے بعد امام موسی بن جعفر کے ساتھ،پھر ان کے بعد امام علی بن موسی الرضا کے ساتھ،پھر ان کے بعد امام محمد بن علی الجواد کے ساتھ،پھر ان

کے بعد امام علی بن محمد ہادی تقی کے ساتھ، پھر ان کے بعد امام حسن بن علی عسکری کے ساتھ، پھر اگر ہم باقی رہے تو ان شاء اللہ امام محمد بن عبداللہ المہدی الفاطمی المنتظر کے ساتھ ہوں گے۔''

(ص ۲۹۷)

اس کے بعد لکھتے ہیں:

''یہ بارہ ائمہ حقیقت میں یہی وہ امرا ہیں جن پر سید المرسلین ﷺ کی خلافت منتہی ہوتی ہے اور یہی حضرات آسمان ایمان و یقین کے آفتاب ہیں......اور رہے بنی امیہ اور بنی عباس تو یہ ائمہ دین نہ تھے، بلکہ ان میں سے اکثر چور ڈاکو تھے، مسلمانوں کا خون بہاتے تھے، اور ان لوگوں نے زمین کو ظلم و جور سے بھر دیا تھا۔'' (ص ۲۹۸)

اور اخیر میں دعا کرتے ہیں:

''اے اللہ! ہمارا حشر انہیں بارہ ائمہ کے ساتھ فرما اور ہم کو ان کی محبت پر تا قیامت قائم رکھ۔'' (ہدیۃ المہدی۔ص ۱۰۳۔ص ۲۹۸)

اگر یہ نہ بتایا جائے کہ یہ کسی غیر مقلد عالم کی عبارت ہے تو ہر شخص بے ساختہ یہی سمجھے گا کہ کسی شیعہ کی کتاب کا اقتباس ہے۔ کیا حضرات اہل حدیث نے یہ عبارت نہیں دیکھی ہے، یا یہ کہ فی الحقیقت ان کا عقیدہ یہی ہے؟

دعوئ امامت:

غیر مقلدین نے تقلید سے تو آزادی حاصل کر لی مگر پھر ایسا منہ کے بل گرے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔ اس حلقہ سے اتنی بھانت بھانت کی بولیاں بولی گئیں ہیں کہ غیر مقلدیت کو سمجھنا چیستاں سے کم نہیں ہے۔ قادیان کی جھوٹی نبوت کا سرا بھی غیر مقلدیت سے ملتا ہے۔ قادیانی کا خلیفۂ اول نور الدین پہلے غیر مقلد تھا۔ انکار حدیث کا فتنہ ایک غیر مقلد کے گھر سے اٹھا۔ ابھی آپ نے دیکھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی بن باپ کے پیدائش کا فتنہ انگیز نظریہ غیر مقلد کے آستانہ سے نکلا۔ حضرت میاں نذیر حسین صاحب شیخ الکل فی الکل کے ایک مشہور شاگرد، غیر مقلدوں کے بڑے عالم مولانا عبدالوہاب ملتانی دہلوی ہیں۔ ان کا دعوی تھا کہ 'میں امام وقت ہوں'۔ وہ فرماتے ہیں: ''جس شخص نے امام وقت کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی اور مر گیا، وہ جاہلیت کی موت مرا۔ اور

جس نے امام کے حکم کے بغیر زکوۃ ادا کی، اس کی زکوۃ نہیں ادا ہوئی۔ اسی طرح امام کی اجازت کے بغیر نہ نکاح صحیح، نہ طلاق۔ اور اس زمانہ میں جو کوئی اور امامت کا دعوی کرے اس کو قتل کرنا واجب ہے۔'' (۳۰۰،۳۰۱)

جنون! واللہ جنونِ فاحش! یہ غیر مقلدیت کے کارنامے ہیں۔

خلفائے راشدین میں افضل کون ہے؟:

مولانا وحیدالزماں صاحب حیدرآبادی کی کتاب ''ہدیۃ المہدی'' عجائبات کی زعفران زار کھیتی ہے۔ اس میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ کے بعد امام برحق ابوبکر ہیں، پھر عمر، پھر عثمان، پھر علی، پھر حسن بن علی۔ ہم نہیں جانتے کہ ان پانچوں میں کون افضل ہے؟ اور اللہ کے نزدیک کن کا مرتبہ اونچا ہے؟ البتہ ہر ایک کے فضائل ومناقب بہت ہیں، اور فضائل کی کثرت تو سیدنا علی اور امام حسن بن علی کے لیے ہے۔ اس لیے کہ یہ صحابی ہونے اور اہل بیت ہونے دونوں فضیلتوں کے جامع ہیں۔ یہی محققین کا قول ہے۔'' (ص۳۰۴)

اہل سنت تو اس بات کے قائل ہیں اور اس پر اجماع ہے کہ خلفائے راشدین کی افضلیت خلافت کی ترتیب کے مطابق ہے، لیکن نواب صاحب موصوف لکھتے ہیں کہ:

''اکثر اہل سنت والجماعت کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد سب سے افضل ابوبکر، پھر عمر، پھر عثمان، پھر علی ہیں۔ لیکن اس پر شارع کی طرف سے کوئی قطعی دلیل نہیں ہے، اور نہ اس پر قطعی اجماع ہے، اور اگر اجماع ہے تو ظنی اجماع ہے۔'' (ص۳۰۴)

اس کو پڑھ کر یہ فیصلہ کرنا آسان ہو جاتا ہے کہ غیر مقلدیت، اہل سنت سے خارج ایک فرقہ ہے۔

صحابہ کے بارے میں غیر مقلدوں کا عقیدہ:

اہل سنت کا متفقہ عقیدہ ہے کہ پوری امت محمدیہ میں صحابہ سب سے افضل ہیں، ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی بھی غیر صحابی سے فضیلت میں بڑھا ہوا ہے۔ لیکن نواب وحیدالزماں کی عبارت ملاحظہ ہو، وہ 'خیر القرون قرنی' کے سلسلہ میں ہدیۃ المہدی میں لکھتے ہیں:

''اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ بعد کے زمانے میں کوئی ایسا شخص نہ ہو جو اگلے زمانے والوں سے افضل ہو۔ اس لیے کہ امت کے بہت سے بعد کے علما عوام صحابہ سے علم و معرفت اور اشاعت سنت میں افضل تھے، اور اس کا کوئی عاقل انکار نہیں کرسکتا۔'' (ص ۳۰۷)

صحابہ کی مخالفت تو غیر مقلدین کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے۔ شاید ان کو ہوس ہو کہ غیر مقلدین صحابہ سے بڑھ جائیں۔ یہی مولانا وحیدالزماں صاحب اپنی ایک اور اہم کتاب ''نزل الابرار'' ج ۳۔ ص ۹۴ میں لکھتے ہیں کہ:

''اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ میں بعض لوگ فاسق تھے، جیسے ولید۔ اور اسی طرح کی بات معاویہ، عمرو، مغیرہ اور سمرہ کے باب میں کہی جائے گی۔'' (ص ۳۳۱)

استغفر اللہ، معاذاللہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق بطور خاص لکھتے ہیں کہ:

''معاویہ کو ان نفوس قدسیہ پر قیاس کرنا کیوں کر جائز ہوگا؟ جب کہ معاویہ نہ مہاجرین میں ہیں، نہ انصار میں، اور نہ وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں رہے۔ وہ تو ہمیشہ رسول اللہ ﷺ سے لڑتے رہے، اور اسلام لائے تو فتح مکہ کے دن ڈر کے مارے ایمان لائے۔ پھر یہی ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد عثمان کو مشورہ دیا تھا کہ علی اور زبیر اور طلحہ کو قتل کرڈالیں۔''

(لغات الحدیث، مادہ عثم۔ ص ۳۳۱)

پھر اس سے بڑھ کر لکھتے ہیں کہ:

''مومن صادق جس کے دل میں ذرہ کے برابر بھی نبی ﷺ کی محبت ہوگی، وہ کبھی اس کو جائز نہیں قرار دے گا کہ معاویہ کی مدح کی جائے، اور ان کی تعریف کی جائے۔''

ہم اہل سنت والجماعت کا طریقہ یہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام کے بارے میں سکوت اختیار کرتے ہیں، یہی اسلم و احوط راستہ ہے، لیکن یہ انتہائی جرأت کی بات ہے کہ معاویہ کے حق میں تعظیم کے کلمات بولے جائیں۔ مثلاً ان کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ کہا جائے۔ اللہ تعالی اس سے ہماری حفاظت فرمائے۔''

مزید ان کے بارے میں لکھا ہے کہ:

''وہ ان بادشاہوں میں سے ہیں جنھوں نے مسلمانوں کا خون بہایا ہے۔ یہ چور اور

زبردستی کے حاکم تھے۔''(ص۳۳۲)

یہ ہے سلفیت! یہ ہے اثریت! یہ ہے اہل حدیثیت! کوئی بتائے کہ اس میں اور رافضیت میں کیا فرق ہے؟ یہاں تک کہ ہم نے کتاب کے چند مباحث کی تلخیص کردی، اسی سے اندازہ ہوجاتا ہے کہ غیر مقلدیت کس قسم کا فتنہ ہے؟ کتاب میں اور بھی بہت سے دلچسپ مباحث ہیں۔ جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے، وہ اس سے بہت کم ہے، جو ہم نے ذکر نہیں کیا۔ عربی داں حضرات اصل کتاب سے استفادہ کریں۔

کتاب میں طباعت کی غلطیاں ہیں، لیکن اتنی ضخیم کتاب میں اتنی غلطیوں کا رہ جانا قابل مواخذہ نہیں ہے۔ البتہ کہیں کہیں آیت نقل کرنے میں غلطی ہوگئی ہے۔ آیات کے سلسلے میں زیادہ احتیاط سے پروف دیکھنا چاہئے۔ صفحہ ۳۲۸ پر ''المنافقون والمنافقات بعضهم اولياء بعض'' چھپ گیا۔ یہ ''بعضهم من بعض'' ہے۔

اسی طرح صفحہ ۳۲۹ میں ''ومن يشاق الرسول ممن بعد ما تبين'' ہوگیا، صحیح ''من يشاقق الرسول من بعد ما تبين'' ہے۔ صفحہ ۳۷۳ کے بعد ترتیب گڑبڑ ہوگئی ہے، ۳۷۳ کے بعد کی عبارت ۳۷۵ پر آ گئی ہے، اس کے بعد ۳۷۴ پر، پھر اس کے بعد ۳۷۶ پر، اس سے قاری کو الجھن ہوتی ہے۔

ایک بہت دلچسپ بحث حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور حضرت شاہ محمد اسماعیل شہید دہلوی سے متعلق ہے۔ غیر مقلدین ان دونوں بزرگوں کو اپنا امام و پیشوا مانتے ہیں، اگرچہ یہ بالکل غلط اور تاریخی حقائق کے بالکل خلاف ہے۔ لیکن مولانا ابوبکر صاحب نے اسے علی سبیل التسلیم فرض کرکے غیر مقلدیت کے خلاف زبردست حجت قائم کی ہے۔



ماخذ: علوم ونکات۔ ج۲ص۳۹۶

’’مسائل غیر مقلدین
کتاب وسنت اور مذہب جمہور کے آئینے میں‘‘
مختصر تعارف

عارف باللہ حضرت مولانا اعجاز احمد اعظمی صاحب

چند ماہ پیشتر مولانا ابوبکر غازی پوری کی ایک عربی تصنیف ’’وقفۃ مع اللا مذہبیۃ‘‘ کا تعارف ان سطور میں تحریر کیا گیا تھا۔ اب انہوں نے فرقہ اہل حدیث ہی کے سلسلے میں یہ دوسری کتاب اردو میں مرتب کی ہے۔ فرقہ اہل حدیث ایک غیر معتدل اور نا آشنائے انصاف فرقہ ہے۔ اس نے اسلام کو اپنے مختصر سے ٹولے میں محدود کر دینا چاہا۔ یہ لوگ اپنے کو متبع سنت اور پیرو قرآن قرار دیتے ہیں۔ یہاں تک تو کوئی حرج نہیں، مگر ستم یہ کرتے ہیں کہ دوسرے تمام مسلمانوں کو اتباع قرآن وسنت سے منحرف گردانتے ہیں، بلکہ شاید کافر ومشرک سمجھتے ہیں۔ ان کے حلقے سے ایک کتاب ’’الدیوبندیہ‘‘ شائع ہوئی جو رازداری کے ساتھ عرب ممالک میں تقسیم ہو رہی ہے۔ ہندوستان میں تلاش کیجئے تو مشکل سے ملے گی۔ اس کتاب نے علمائے دیوبند پر ظلم وجور کے تیر بے محابا چلائے ہیں اور یہ کتاب عدوان وطغیان کی تمام حدوں کو پھلانگ گئی ہے۔ مذکورہ کتاب نے مولانا ابوبکر صاحب کی توجہ نام نہاد اہل حدیثوں کی بنیادی کتابوں کی طرف منعطف کرائی جو ان کے ائمہ متقدمین نے تصنیف کی ہیں۔ یہ کتابیں عام طور سے دستیاب نہیں ہیں۔ بڑی کوشش اور محنت سے مولانا نے انہیں حاصل کیا۔ ان کتابوں کا مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ کتاب وسنت کی جس پیروی اور اتباع کا یہ فرقہ مدعی ہے، اس کی اسے ہوا بھی نہیں لگی ہے۔ اس فرقہ کے علما وعوام کے

حالات تو بغیر کسی کتاب کی مدد کے ہی برملا اعلان کرتے ہیں کہ اتباع کتاب وسنت کا صرف نعرہ ہی نعرہ ہے۔ کیوں کہ جماعتیں اپنے علوم وافکار اور عقائد ونظریات ہی کے زیر اثر تشکیل پاتی ہیں۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ اس جماعت کا ماحول ومعاشرہ قرآن وسنت سے منحرف ہے، پھر ہم کیسے یقین کرلیں کہ ان کے مسائل وفتاوی قرآن وسنت کے مطابق ہوں گے؟ مولانا محمد ابوبکر صاحب ان کے گھر میں گھسے تب تفصیلاً معلوم ہوا کہ باہر بورڈ کیا لگا ہوا ہے اور اندر کھیل کیا ہو رہا ہے؟ ان کے محراب ومنبر کا جلوہ کچھ ہے، لیکن ''چوں بخلوت می روند آں کار دیگری کنند''۔ مولانا نے اسی'' کار دیگر'' کو اکٹھا کیا ہے۔ چند نمونے آپ بھی دیکھ لیں۔

۱) فرقہ اہل حدیث کے نزدیک بیک وقت چار عورتوں سے زائد کو نکاح میں رکھنا جائز ہے۔

۲) فرقہ اہل حدیث کا مسلک یہ ہے اگر کسی کا گھر مسجد سے دور ہو تو اس پر جمعہ کی نماز واجب نہیں، اگر چہ وہ اذان سنتا ہو۔

۳) اس کے نزدیک مال تجارت میں زکوۃ نہیں ہے۔

۴) شیعوں نے جواذان میں'' **حی علی الصلوۃ**'' کی جگہ'' **حی علی خیر العمل** ''کو اپنا شعار بنالیا ہے، فرقہ اہل حدیث کے نزدیک اس پر انکار نہیں کرنا چاہئے۔ اور چونکہ یہ کلمہ بھی مرفوع اور صحیح حدیث سے ثابت ہے، اس لیے واجب القبول ہے۔ (اس فرقہ کو شیعوں سے بڑی مناسبت ہے)

۵) اس فرقہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر کوئی حاجی وقوف عرفہ سے پہلے اپنی بیوی سے ہم بستر ہو جائے تو اس کا حج فاسد نہ ہوگا۔

۶) اس فرقہ کے نزدیک ایک بکری کی قربانی بہت سے لوگوں کی طرف سے کافی ہے۔

۷) اس فرقہ کا مذہب یہ کہ وضو میں پاؤں دھونے کے بجائے اس پر مسح کرلینا کافی ہے۔

۸) اس فرقہ کے نزدیک دو وقت کی نماز کسی بھی دنیاوی ضرورت سے ایک وقت میں پڑھی جاسکتی ہے۔

۹) اس فرقہ کے یہاں قرآن کریم بلا وضو اور بلا غسل چھونا جائز ہے۔

۱۰) عورت مرد کی امامت کرسکتی۔

۱۱) سجدہ تلاوت بغیر وضو کے بھی درست ہے۔

۱۲) ایک میل کے سفر سے آدمی مسافر ہو جاتا ہے، وہ نماز میں قصر کرے۔

۱۳) ماں باپ اور اولاد کو زکوۃ دینی جائز ہے۔

۱۴) جس کو بھوک اور پیاس کا تقاضا سخت ہوتا ہو، اس پر روزہ رکھنا فرض نہیں ہے۔

۱۵) فرقہ اہل حدیث کے نزدیک جو شخص روزہ رکھنے پر قادر نہ ہو اس کو روزہ کا فدیہ دینا واجب نہیں ہے۔

۱۶) کافر کے پیچھے کسی نے نماز پڑھی، بعد میں اس نے اپنا کافر ہونا بتایا تو نماز ہوگئی، دہرانا واجب نہیں ہے۔

۱۷) غیر مقلدوں کا مذہب ہے کہ جب نماز بلا عذر شرعی چھوڑ دی گئی ہو تو اس کی قضا نہیں ہے۔

۱۸) جوتے پہن کر نماز پڑھنا مسنون ہے۔

۱۹) جن دواؤں یا جس خوشبو میں شراب ملی ہو، ان کا استعمال جائز ہے۔

۲۰) ایک مد (تقریباً ۱۸ر لیٹر) شراب کا شوربا پاک ہے۔

۲۱) شراب سے گوندھا ہوا آٹا اور اس سے پکی ہوئی روٹی ہو تو اس کا کھانا جائز ہے۔

۲۲) مشت زنی (ہاتھ سے منی نکالنا) جائز ہے، بلکہ بعض اوقات واجب ہے۔

۲۳) منی، خون، شرمگاہ کی رطوبت، شراب سب پاک ہے، اور سور کے علاوہ تمام حیوانات کا پیشاب پاک ہے۔

۲۴) حضرت ابوسفیان، حضرت معاویہ، حضرت عمرو بن عاص، حضرت مغیرہ بن شعبہ اور حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہم کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ کہنا نہیں چاہئے۔

فرقہ اہل حدیث کے سینکڑوں جدید اور تازہ مسائل میں سے یہ چند ایک بطور نمونے کے ذکر کئے گئے ہیں۔

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

کتاب کا لب ولہجہ سخت ہے، مگر یہ اس تعدی اور ظلم کا جواب ہے جو غیر مقلدین کی طرف سے احناف پر مسلسل ہوتا رہتا ہے۔ لیکن حنفی عالم خواہ کتنا ہی سخت لب ولہجہ اختیار کرنا چاہے،

غیر مقلدوں کے عشر عشیر کو نہیں پہنچ سکتا۔مولانا نے ان کے سخت الفاظ اور دشنام طرازیوں کے نمونے بھی کتاب میں پیش کیے ہیں۔کتاب میں مسائل کی فہرست نہیں ہے،اس کے بغیر کتاب میں بڑی کمی محسوس ہوتی ہے۔غیر مقلدوں کے ہذیانات سے واقفیت کے لیے کتاب کا مطالعہ ضروری ہے۔



ماخذ:علوم ونکات۔ج۲،ص۴۱۷

اہل علم کے خطوط مولانا محمد ابوبکر غازی پوری کے نام

محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمان الاعظمی کے مکاتیب

عزیزم السلام علیکم

مجھے میٹنگ کا تو نہیں مگر تمہارے خط کا انتظار تھا۔ بہت دنوں سے حالات کا علم نہیں ہوا تھا۔کلکتہ میں پیشاب پاخانہ اور خون کی جانچ نیز اکسرے اور کارئیوگرام حاصل کرنے میں دیر ہوئی۔ وہاں مفتی محمود صاحب سے ملاقات ہوئی تھی۔ مولوی عبدالجبار صاحب پنجشنبہ کو آئے تھے۔ سنیچر کو بنارس گئے، خیریت سے ہیں۔تمہارے والد بھی ایک دن ملنے آئے تھے۔

میں بحمدللہ اچھا ہی ہوں، کبھی کبھی معمولی شکایتیں ہوجاتی ہیں۔آج کل یہاں سردی بہت ہے۔............مہتمم صاحب سے سلام کہو۔

حبیب الرحمان الاعظمی

”الجواهر المضيئه“ کے شروع میں بعض شروط مذکور ہیں اور کتب اصول فقہ میں سنت کی بحث میں بعض چیزیں مل سکتی ہیں۔(١)

❑❑❑

١) میں نے ایک کتاب امام اعظم اور علم حدیث کے نام سے لکھی تھی جو تقریباً تین چارسو صفحے میں تھی۔ کتاب کا مسودہ ضائع ہوگیا۔اس پر مولانا الاعظمی کی زبردست تقریظ تھی۔اس حادثہ کا زخم آج تک بھرا نہیں۔ جب یہ کتاب لکھ رہا تھا تو اس سلسلہ میں مولانا سے مشورہ کرتا اور معلومات حاصل کرتا۔[محمد ابوبکر غازی پوری]

○○○

عزیزم سلمہ السلام علیکم

خیریت ہے۔ میں نے ایک خط مولوی شفیع صاحب کے پاس بھیجا ہے، اس کا جواب لکھوا کر لیتے آنا۔ علی میاں کا ایک خط ہے اس کو بھی لیتے آنا۔ مہتمم صاحب کو سلام پہنچا دینا۔ تقریر بخاری پر کام ہو رہا ہے(۱) مولوی رشید احمد کو کاتب کے پاس دوڑ دوڑ کے اعظم گڑھ جانا پڑتا ہے۔

فضل الرحمان سلمہ کو بھی سلام مسنون و دعا۔ کتاب کی قیمت مل گئی۔ میں عنقریب مالیگاؤں جانے کا قصد کر رہا ہوں۔ خدا نے چاہا تو فروری کے آخر میں نکل جاؤں گا۔

مولانا عبد الجبار بخیریت ہیں۔ دو ہفتہ قبل آئے تھے۔ میں بھی بنارس گیا تھا۔ مولوی رشید احمد وغیرہ بخیریت ہیں۔ بچے بریلی امتحان دینے گئے ہیں۔ تمہارے والد ایک دن آئے تھے، بچی کے لیے تعویذ لے گئے ہیں۔

والسلام حبیب الرحمان الاعظمی

❑❑❑

۱) حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی علیہ الرحمہ کی جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے زمانہ کی تقریر بخاری مولانا کی زیر نگرانی چھپ رہی تھی۔ بحمد للہ اس کی دو جلد چھپ گئی۔ مولانا عبد الواحد فتح پوری نے اس کو جمع کیا تھا۔ [محمد ابو بکر غازی پوری]

❍❍❍

عزیزم سلمہ اللہ السلام علیکم

مہتمم صاحب مجھے جو خط لکھا ہے اس میں انھوں نے ۲؍۳ جون کو کمیٹی کی اطلاع دی ہے۔ ۳۱؍ مئی اور پہلی جون کے لیے ریزرویشن کی کوشش ناکام رہی۔ تمہارے خط کے بعد کوشش نہیں کی، اس لیے کہ روزانہ اطلاع ملتی رہی کہ بے پناہ رش ہے اور جو لوگ مجھ سے مل کر ادھر گئے انھوں نے خط لکھا کہ ریزرویشن نہیں ہو سکا اور انتہائی تکلیف سے سفر ہوا۔ سوچتا ہوں کہ مہتمم صاحب کے پاس ان کا خط بھی بھیج دوں۔ اس وقت تم ان کو میرا سلام پہنچا دو اور کیفیت بتا دو(۱) میں نے مولوی فضل الرحمان کے پاس لکھوا دیا ہے کہ مہتمم صاحب کو تین سو روپے دیدیں اور انھوں نے جو رقم بھیجی ہے تم جس کو کہو میں اس کو دیدوں۔

رشید احمد الہ آباد گئے ہیں۔ میں الحمد للہ پہلے سے بہت اچھا ہوں مگر کسی کام میں دل نہیں لگتا اور کہیں جانے کو جی نہیں چاہتا۔ آج کمیٹی شروع ہوگئی ہوگی۔ مولانا عبدالجبار گھر آئے ہیں، سلام کہتے ہیں، آج بنارس جائیں گی۔

والسلام حبیب الرحمان الاعظمی

❑❑❑

(۱) جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں تبدیلی نصاب کا مسئلہ زیر غور تھا، مولانا کو میں نے لکھا تھا کہ آپ تشریف لائیں تاکہ آپ کے مشورے سے کوئی بات ہو۔ [محمد ابوبکر غازی پوری]

❍❍❍

عزیزم سلمہ اللہ السلام علیکم

بخیریت ہوں۔ تمبا کو جب آنا لیتے آنا (۱) تم لوگ پڑھے لکھے ہو اتنی صریح غلطی کا ارتکاب کرتے ہو۔ فقہ تمہارے نزدیک کوئی چیز نہیں، سیاست پر ایمان ہے۔ باہر کی اطلاعات کون سی شرعاً قابل اعتبار تم کو ملی ہیں؟ ریڈیو کی خبر کم سے کم دیوبند کے فتوے کے معیار پر ہوتی تو بھی تم لوگوں کی جہالت پر پردہ پڑا رہتا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ جہاں رویت ہوئی ہے وہ سب بلد مختلف المطالع ہیں اور دیوبند والے جو "لاعبرۃ باختلاف المطالع" پر فتوی دیتے ہیں، ان کا فتوی متضاد ہے۔ وہ لندن وغیرہ کی خبر پر اعتماد سے اختلاف مطالع کی بنیاد پر منع بھی کرتے ہیں۔ اس جہالت کا کوئی ٹھکانہ ہے۔ (۲)

میری رائے یہ ہے کہ تم سوچ سوچ کر اور اگر کوئی سپاس نامہ موجود ہو تو اس کی روشنی میں لکھنا شروع کردو، پھر گھر آنے کے بعد اس کو لیتے آؤ، اس وقت اس کو مکمل کرلیا جائے گا (۳) اپنے والد اور حکیم بشیر الدین صاحب کو سلام کہو۔

والسلام حبیب الرحمان الاعظمی

❑❑❑

۱) مولانا تمبا کو نہیں پیتے تھے۔ مکہ مکرمہ میں عبدالشکور فدا نام کے ایک صاحب تھے، غازی پور سے تمبا کو منگوا کر ان کو بھجواتے تھے۔

۲) غازی پور میں عید کا چاند نہیں دیکھا گیا تھا دوسری جگہوں کی خبر پر اعتماد کر کے ہم لوگوں نے رویت کا اعلان کر دیا تھا۔اس پر مولانا کا یہ عتاب نامہ آیا تھا۔مولانا کی تحریر آج پڑھتا ہوں تو طبیعت جھوم اٹھتی ہے۔اللہ اللہ کیسا پیار،کیسی محبت اور کیسی اپنائیت کا یہ عتاب نامہ مظہر ہے۔

۳) جامعہ اسلامہ ڈابھیل میں شیخ ازہر ''شیخ محمود'' تشریف لانے والے تھے،ان کو عربی میں سپاس نامہ پیش کرنا تھا۔شیخ ازہر کی مؤقر شخصیت کے پیش نظر میں نے مولانا سے گزارش کی تھی کہ آپ سپاس نامہ لکھ دیں۔مولانا کو ان سے خصوصی تعلق تھا۔[محمد ابوبکر غازی پور]



عزیزم سلمہ اللہ السلام علیکم

ایک دن تمہارے والد آئے تھے،تمہارے خط کو پوچھ رہے تھے،اس وقت تک خط نہیں آیا تھا۔

خیر وعافیت معلوم ہوکر خوشی ہوئی۔حلب میں بہت سے لوگوں نے ''نصرۃ الحدیث'' کی تعریب کے لیے بڑے اصرار سے کہا تھا۔میں نے ازہر کو ایک نسخہ دیا بھی کہ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ کی معاونت سے تم ترجمہ کر ڈالو مگر اس کو بالکل فرصت نہیں ملے گی۔اس نے تو نہیں لکھا مگر میں جانتا ہوں۔پھر عبدالفتاح اتنی دور رہتے ہیں کہ جب سے گیا ہے شاید ایک بار ان کے گھر جا سکا ہے۔یہ بھی محقق نہیں ہے،خط آئے تو معلوم ہو۔

اگر تم کو فرصت ملے تو تم کر ڈالو(۱) مجھے افسوس ہے کہ گھر سے تیار ہوکر حلب نہیں گیا ورنہ تمہارا ترجمہ کتاب ''اعلام مرفوعہ'' لیتا جاتا۔بہر حال میں اس کو چھپوانے کی فکر میں ہوں۔(۲)

مہتمم صاحب سے کہو کہ میں ایک روز خود اعظم گڑھ ابوالحسنات کاتب سے ملنے گیا تھا مگر افسوس وہ دہلی چلا گیا ہے۔شبلی منزل میں ایک ذمہ دار سے کہہ آیا ہوں کہ اس کے باپ سے مسودہ مانگ کر مجھے بھیج دیں۔اور ایک ہفتہ پہلے الہ آباد جا کر انتظام کر آیا کہ مولوی رشید احمد لکھی ہوئی کاپیاں اور باقی مسودہ لے کر الٰہ آباد چلے جائیں،وہیں اجرت دے کر کسی کاتب سے ترمیم بنوائیں اور باقی ماندہ مسودہ کی کتابت کرائیں اور وہیں رہ کر طباعت کرائیں۔کاغذ خریدا جا چکا ہے ایک پریس سے بات طے ہوگئی ہے۔مہتمم صاحب الہ آباد کی مدت قیام تک تین سو روپے ماہوار

کے حساب سے اور کھانا عنایت فرمائیں۔ تین سو روپے ماہوار بھی کم ہیں، میں نے یہ بھی ڈرتے ڈرتے لکھا ہے۔ تم اس باب میں مہتمم صاحب کو مشورہ دو مگر مصلحت دیکھ کر۔



۱) الحمد للہ مولانا کی وفات کے بعد ان کے نواسے مولانا ڈاکٹر مسعود سلمہ نے اس کتاب کی تعریب کر دی اور وہ چھپ بھی گئی۔

۲) میں نے مولانا کی خواہش پر ان کی کتاب اعلام مرفوعہ کا عربی میں ترجمہ کیا تھا جس کو مولانا نے پسند کیا تھا۔ وہ چھپ نہیں سکا، مسودہ کہاں ہے اس کا بھی پتہ نہیں۔ [محمد ابوبکر غازی پوری]



حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے مکاتیب

محبّ فاضل ومحترم! زید لطفہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عنایت نامہ مورخہ ۲۶ر محرم الحرام جو آپ نے دو بجے شب میں لکھا تھا، باعث مسرت ہوا۔ میں ۳۰ر دسمبر کو لکھنؤ آیا تھا مگر بعض پریشانیوں اور بحرانی مصروفیتوں میں مبتلا رہا۔ اس سے خوشی ہوئی کہ ''روداد چمن'' آپ کی نظر سے گزری اور آپ کو پسند آئی۔ یہ بات مصنف کے لیے بھی مسرت اور تقویت کا باعث ہوگی۔

آپ نے جس مسئلہ کے متعلق لکھا ہے، اس کی اہمیت وافادیت سے انکار نہیں۔ آپ جب سفر کی پوزیشن میں ہوں تو آپ مجھے لکھیں یا چند دنوں کے لیے آ جائیں۔ تعارفی خطوط بڑی خوشی سے لکھ دوں گا، لیکن یہ سب حضرات نہایت مشغول ہیں اور مجھے اس میں بہت شک ہے کہ ان سے کوئی منظّم فائدہ اٹھایا جا سکے۔ جہاں تک مدینہ یونی ورسٹی میں داخلہ کا تعلق ہے، اس سال تو اس کی گنجائش نہیں اور آئندہ بھی میں آپ کو مشورہ نہ دوں گا۔ اس میں غیر ضروری نصاب اور دروس میں آپ کا بڑا وقت ضائع ہوگا اور آپ بہت ضیق محسوس کریں گے۔ میں اب اس مسئلہ پر غور کروں گا (۱) اس وقت تو آپ ڈابھیل میں ہیں طویل سفر آپ کے لیے مشکل ہے۔ آپ غازی پور آئیں اور میں لکھنؤ یا رائے بریلی میں موجود ہوں تو آپ مجھ سے مل لیں۔ ممکن ہے اس وقت میرے ذہن میں کوئی تجویز آ جائے۔ جہاں تک ادب اور جدید اسالیب کا تعلق ہے تو مصر کا قیام زیادہ مفید ہے۔ وہاں ہر وقت لکھنے پڑھنے کی فضا رہتی ہے لیکن کہیں بھی داخلہ لیجئے گا تو تین چار سال ضابطہ کی تعلیم میں گزارنے پڑیں گے جس سے آپ بلند ہو چکے ہیں۔ بہر حال آپ دو تین دن کے لیے میرے پاس قیام کریں تو میں مختلف صحبتوں میں اس پر آپ سے تبادلہ خیال کروں گا۔

بیاد: وکیل احناف حضرت مولانا محمد ابوبکر صاحب غازی پوری نور اللہ مرقدہ

امید ہے کہ آپ ہر طرح بخیر ہوں گے۔

والسلام
دعا گو ابوالحسن
۲۹/۱/۷۷ء ۱۹



۱) عربی زبان میں تھوڑی بہت شد بد حاصل ہو جانے کے بعد یہ شوق پیدا ہو گیا تھا کہ سعودیہ یا شام میں کسی عربی زبان کے ماہر عالم کے پاس جا کر استفادہ کیا جائے یا مدینہ یونی ورسٹی میں داخلہ لیا جائے تو اس شوق کی تکمیل کچھ آسان ہو جائے گی۔ اس بارے میں مولانا سے خط و کتابت ہوئی تھی۔ یہ خط اس سلسلہ کے خطوط میں سے ایک کا جواب ہے۔

مولانا کا یہ جواب بڑی بصیرت پر مبنی تھا اور میرے لیے بالکل صحیح مشورہ تھا۔ اللہ تعالی مولانا کو جزائے خیر دے، اگر انھوں نے میری رعایت میں مجھے کہیں لگا دیا ہوتا یا میرا داخلہ بھی مدینہ یونی ورسٹی میں ہو جاتا، جو مولانا کے توسط سے کچھ مشکل امر نہیں تھا، تو معلوم نہیں میں اس وقت کہاں کھڑا ہوتا۔ مولانا میرے مزاج سے طویل مراسلت کی وجہ سے واقف ہو چکے تھے، اس لیے بلا رورعایت بالکل صائب اور صحیح مشورہ دیا۔ **رحمه الله رحمة واسعة وابلغ عليه من شآبيب رحمته ورفع درجته فى عليين** [ابوبکر غازی پوری]



محبّ گرامی! زید لطفہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عنایت نامہ اس وقت ملا جب میں ایک سفر کے لیے پا بہ رکاب تھا۔ سفر میں موقع نہ ملا، اب واپس آکر جواب دے رہا ہوں۔ مندرجات کا مختصراً جواب دے رہا ہوں، امید ہے کہ آپ کچھ خیال نہ کریں گے۔

۱) گجرات کے دورے کا ابھی قطعی پروگرام نہیں بنا، جب بھی بنے گا ڈابھیل، سملک اس میں ضرور شامل ہوں گے۔ آپ حضرات سے ملنا بجائے خود ایک خیر ہے۔ بعض اور سفر درپیش ہیں

ان کی وجہ سے ابھی قطعی طور پر فیصلہ نہ کر سکا کہ گجرات کو کب وقت دے سکوں گا۔

۲) عزیزی سلمان کا مضمون ابھی تک میری نظر سے نہیں گزرا(۱) پورا مضمون پڑھ کر اندازہ ہوسکتا ہے۔ یہ باتیں یقیناً بڑی احتیاط سے کہنے کی ہیں۔ مضمون نگار تجدد پسند نہیں ہیں، ممکن ہے کہ نوعمری میں اس میں تیزی پیدا ہوگئی ہو۔ باقی ان کے اس خیال سے خود بھی اتفاق ہے کہ عالم اسلامی کے علما کے سامنے مسائل حاضرہ دست بستہ کھڑے ہیں اور اپنا حل چاہتے ہیں۔ باقی اس میں کوئی نقص کی بات نہیں کہ فقہ کے گذشتہ ذخیرہ میں اس کا حل نہ ہو۔ کیوں کہ یہ حالات بھی اس وقت نہیں تھے تو یہ مسائل کیسے پیدا ہوتے؟ البتہ کتاب وسنت کے دیے ہوئے اصول اور اصول فقہ میں ضرور ان کے حل کرنے کی صلاحیت ہے اور اسی کے لیے استحسان اور مصالح مرسلہ کے اصول رکھے گئے ہیں اور اجتہاد اسی کے لیے ہے۔ ہم لوگوں نے مجلس تحقیقات شرعیہ اسی لیے بنائی تھی اور ابھی پاکستان کے سفر میں اور وہاں کے اسلامی نظریاتی کونسل کے جلسوں میں شریک ہوکر اس کا احساس اور بھی بڑھ گیا ہے کہ ہمارے علما کو اس سے زیادہ اپنی ذہنی وعلمی صلاحیت کا ثبوت دینا چاہئے اور اس سے زیادہ اصول فقہ وغیرہ سے فائدہ اٹھانا چاہئے جتنا کہ اٹھایا گیا ہے۔ باقی آپ نے سلف کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس سے زیادہ ہی کہا اور لکھا جاتا رہا ہے لیکن سلف ہی کا اسوہ ہے کہ انھوں نے مسائل حاضرہ میں اور نوازل کا ہر دور میں حل پیش کیا ہے اور اگر اب علما نے اس صلاحیت ومحنت سے کام نہیں لیا تو زمانہ ان کا انتظار نہیں کرے گا۔

امید ہے کہ آپ کو میری اس مختصر تحریر سے کوئی گرانی یا غلط فہمی نہیں ہوگی۔ آپ کی محبت و قدر اور آپ کے مخلصانہ مشوروں کی وقعت اسی طرح ہے جیسے پہلے تھی۔

والسلام مخلص۔ ابوالحسن علی

۵/محرم ۱۳۹۹ھ

❑❑❑

۱) مولانا سلمان ریاض سے تعلیم حاصل کر کے نو وارد ہوئے تھے، ان کے کسی مضمون کے بارے میں میں نے مولانا کو لکھا تھا کہ اس میں متجددین کی تحریر کا اثر ہے۔ یہ اس کا جواب ہے۔ [محمد ابوبکر غازی پوری]

❍❍❍

محبّ مکرم! زید لطفہ   السلام علیکم

عنایت نامہ مورخہ ۲۱؍ جمادی الثانی وقت پر مل گیا تھا۔ یہ معلوم کر کے افسوس ہوا کہ جے پور والی تقریر آپ کو نہیں پہنچی۔ میں نے مجلس کو ہدایت کردی ہے کہ فوراً بھیج دی جائے۔ امید ہے کہ اس خط کے پہنچنے تک وہ بھی پہنچ جائے گی۔

آپ نے میری ناچیز تالیفات کے متعلق جس تاثر کا اظہار کیا ہے، ایک مصنف کی حیثیت سے اس کو معلوم کر کے خوشی ہوئی۔ شاید میری کتاب ''الطریقة الی المدینة'' آپ کی نظر سے نہیں گزری، اگر آپ نے نہ پڑھی ہو تو میں بھجوادوں۔

یہاں گرمی شدید ہے، شاید وہاں کم ہو، ابھی تک بارش کے کوئی آثار نہیں ہیں۔

والسلام   مخلص۔ ابوالحسن

۵؍ جون ۱۹۷۸ء



از رائے بریلی

محبّ گرامی! زید لطفہ   السلام علیکم

آپ کا عنایت نامہ میرے سفر حجاز کے دوران لکھنؤ پہنچا، میرے ایک عزیز نے اس کے مضمون کی اجمالی اطلاع دی اور اس سے مسرت ہوئی۔ جب ۲۴؍ فروری کو بمبئی پہنچا تو لکھنؤ سے آئی ہوئی ڈاک میں آپ کا محبت نامہ پڑھا۔ یہ پہلا وقیع خط تھا جو ایک وقیع قلم سے کتاب پر اطمینان و مسرت کا موجب ہوا، ورنہ ابھی تک تو سوائے جھنجھلاہٹ اور ناراضگی کے خطوط کے کوئی خط نہیں ملا۔ میں نے کتاب اپنے حلقے کے علما کو بھی بھیجی تھی لیکن کہیں سے رسید بھی وصول نہیں ہوئی۔ حیرت یہ ہے کہ کتاب نہایت احتیاط اور احترام کے ساتھ لکھی گئی ہے اور میں نے کئی بار پڑھ کر ہر ایسے لفظ کو قلم زد کردیا جس سے ذرا بھی طنز و تعریض کا انداز پیدا ہوتا تھا لیکن پھر بھی متعلق حلقہ کے لیے وہ کتاب سخت برہمی کا باعث ہوئی (۱) لیکن یہ سب خطوط نیچے کے طبقہ سے آئے ہیں۔ صف اول کے لوگوں میں سے کسی کا کوئی خط ابھی تک نہیں آیا۔ کتاب کا ترجمہ عربی زبان میں ہوگیا ہے۔ ان شاء اللہ قاہرہ یا بیروت سے شائع ہوگا۔ ایک بڑے عرب ناشر اس کے لیے مستعجل ہیں۔

ترجمہ بھی ان شاء اللہ آپ پسند کریں گے۔امید ہے کہ آپ جواب کی تاخیر کواس لیے معاف کریں گے کہ میں سفر تھا۔امید ہے کہ آپ ہر طرح بعافیت ہوں گے۔

والسلام ابوالحسن

❑❑❑

۱) غیر مقلدین نے علمائے امت کے بارے میں جو غیر محتاط تحریرات کا سلسلہ شروع کیا تھا مولانا بھی اس سے نالاں تھے اور ایک رسالہ اردو میں ان کی انھیں نگارشات کے رد میں اپنے مخصوص سنجیدہ اور متین انداز میں لکھا تھا۔اس رسالہ کو میرے پاس بھی بھیجا تھا۔میں نے اس کو پڑھ کر اپنے تاثرات کا اظہار کیا۔یہ خط اسی کے جواب میں ہے۔بعد میں اس کا عربی ترجمہ ''الاضواء'' کے نام سے چھپا۔[محمد ابوبکر غازی پوری]

○○○

رائے بریلی

محبّ فاضل ومکرم! زید لطفہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عنایت نامہ مورخہ ۲۳/ربیع الثانی مجھے ۲/جمادی الاولی کو رائے بریلی پہنچ کر ملا۔میں ۲/مارچ سے ۱۰/اپریل تک تقریباً سفروں ہی میں رہا۔اگر یہ خط دارالعلوم کے پتے پر آتا تو میں جلد جواب اور فرمائش کی تعمیل کرسکتا۔خط پڑھتے ہی میں نے ہدایت کردی کہ نیا عربی رسالہ میری طرف سے آپ کو ہدیہ کردیا جائے۔امید ہے کہ اس وقت تک پہنچ گیا ہوگا۔

آپ کا کوئی خط مجھے ایسا یاد نہیں جس کا جواب نہ دیا ہو۔میں تو آپ کے خطوط بڑے شوق سے پڑھتا ہوں اور جلد جواب دینے کی کوشش کرتا ہوں۔اس لیے کہ آپ کو عربی کا صحیح ذوق ہے اور آپ محبت فرماتے ہیں اور میں ایسے احباب کی بڑی قدر کرتا ہوں۔آپ اس طرف سے مطمئن رہیں۔

''السیرۃ النبویہ'' کے متعلق آپ نے اپنے جو تاثرات لکھے ہیں وہ میرے لیے موجب طمانینت وتقویت ہیں۔افسوس ہے کہ کتاب میں طباعت کی بہت غلطیاں رہ گئیں لیکن اس سے اطمینان ہے کہ اس کا دوسرا ایڈیشن جلد شائع ہوجائے گا۔اس کے اردو اور انگریزی ترجمے بھی

الحمد للہ تیار ہورہے ہیں۔ یہ ایڈیشن بھی پانچ ہزار سے زائد چھپا تھا اور الحمد للہ چند مہینے میں ختم ہوگیا۔

"**الاسلام الممتحن**" کے واقعی چند نسخے ہندوستان آئے تھے اور وہ تبرک بن گئے۔ جیسے ہی موقع ملے گا اس کا کوئی نسخہ آپ کو مہیا کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ اس کا مقدمہ اور پیش لفظ ایک نئے انداز کا ہے۔

آخر میں پھر آپ کو اطمینان دلاتا ہوں کہ آپ کے کسی خط کا جواب میں نے قصداً نہیں چھوڑا۔ امید ہے کہ آپ ہر طرح بعافیت ہوں گے۔

والسلام مخلص۔ ابوالحسن

۱۳/اپریل ۱۹۷۸ء

❑❑❑

محبّ فاضل مکرم! زید لطفہ السلام علیکم

عنایت نامہ مورخہ ۲۷/ مارچ پہنچ کر باعث مسرت ہوا۔ مجھے تعجب تھا کہ میرے خط کی کوئی رسید نہیں آئی، شاید آپ کو ملا نہیں۔ اب آپ کے خط سے معلوم ہوا کہ آپ ڈابھیل میں نہیں تھے۔ کتاب کے بارے میں ہمارے دینی حلقوں میں اب تک بالکل سکوت ہے۔ مجھے جماعتی عصبیت کے ایسے تجربے ہورہے ہیں جو اس سے پہلے نہیں ہوئے تھے۔ امام شافعی کے اس شعر کو زندہ و جاوید اشعار اور عالمگیر صداقتوں میں سمجھتا ہوں جس کی صداقت کا بیسیوں بار تجربہ ہوا:

وعین الرضا عن کل عیب کلیلة

کما ان عین السخط تبدی المساویا

جہاں تک جماعت اسلامی کا تعلق ہے ان کا حال مولانا کے بارے میں اور ان پر تنقید کے سلسلہ میں بریلویوں سے بالکل مختلف نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے یہاں One Way Gate کا قانون نافذ ہے کہ ہم چاہے جس پر تنقید کریں، ہم پر کوئی تنقید نہیں کر سکتا (۱) آپ سے بے تکلف ہونے کی بنا پر اتنی بات زبان قلم پر آگئی۔

آپ کی علمی و دینی ترقیات اور جسمانی صحت کے لیے دعا کرتا ہوں اور دعاؤں کا طالب

ہوں۔

والسلام مخلص۔ابوالحسن علی ندوی
۴؍اپریل ۱۹۷۹ء

❑❑❑

۱) مولانا نے جماعت اسلامی کے افکار وآراء اور دین کے بارے میں ان کے بنیادی نظریات کے سلسلے میں ایک کتاب ''عصر حاضر میں دین کی تفہیم وتشریح'' کے نام سے لکھی تھی۔ چوں کہ حضرت کا اسلوب نقد وجرح بہت محتاط ہوتا ہے اس لیے اپنے حلقوں میں اس کتاب کی ویسی پذیرائی نہیں ہوسکی تھی جس کی مولانا کو توقع تھی۔البتہ جماعت اسلامی کے حلقہ میں کہرام مچ گیا۔ اس خط میں مولانا اپنوں اور جماعت اسلامی دونوں کے رویوں کے بارے میں خیال ظاہر فرمارہے ہیں۔یعنی شکایت دونوں طبقوں سے مولانا کو تھی۔

اس خط سے ناظرین کو معلوم ہوگا کہ مولانا مجھ سے بہت سی وہ باتیں کہہ جاتے تھے جو بعض دوسروں سے نہیں کہہ سکتے تھے۔میرے پاس جو مولانا کے خطوط کا مجموعہ تھا اگر وہ ضائع نہ ہوا ہوتا تو مولانا کے مزاج وطبیعت کے بارے میں اس سے بہت کچھ معلوم ہوسکتا تھا۔[محمد ابوبکر غازی پوری]

○○○

لکھنؤ۔۲۸؍صفر ۱۴۱۷ھ

محبّ عزیز فاضل مولانا محمد ابوبکر صاحب غازی پوری

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا ایک ان لینڈ ڈاک کے ذخیرے میں اچانک سامنے آیا جس پر ۹؍اپریل ۱۹۹۶ء کی تاریخ پڑی ہوئی ہے۔معلوم نہیں یہ کہاں دبا رہ گیا۔جواب کی اس اضطراری تاخیر کو امید ہے کہ آپ معاف کریں گے۔

سب سے پہلے والد صاحب مرحوم کی وفات پر دلی تعزیت قبول کیجئے۔اللہ تعالی ان کی

مغفرت فرمائے اور درجات بلند کرے۔ انھوں نے آپ جیسا خلف الرشید چھوڑا ہے جو ان کے لیے ان شاء اللہ باعث مسرت و رفع درجات ہوگا۔ چوں کہ راقم بھی اس مرحلہ سے گزر چکا ہے اس لیے اس کے اثرات سے واقف ہے لیکن ''کان امر الله قدراً مقدوراً.''

آپ کی فاضلانہ کتاب ''وقفة مع اللامذهبية'' پر نظر ڈالی تھی اس کا نام بھی بہت پسند آیا تھا۔ یہاں بعض دوسرے فاضل اساتذہ کے مطالعہ میں ہے۔ بہتر ہے کہ آپ اصلاحی وایجابی مسائل پر جو تعاون علی الخیر اور تعاون علی الاصلاح کے لیے معاون ہوں اور ملت میں اتحاد پیدا کریں، قلم اٹھائیں (۱)

امید ہے کہ آپ نے ہماری کتاب ''اضواء'' پر نظر کر لی ہوگی، اس کا ترجمہ بھی ''بصائر'' کے نام سے چھپ گیا ہے۔ خدا کرے کہ کسی موزوں و بہتر موقع پر آپ سے ملاقات بھی ہوئے۔ ہم بھی ان شاء اللہ والد صاحب کے لیے مغفرت و رفع درجات کے لیے دعا کریں گے۔

والسلام

دعا گو و دعا کا طالب ابوالحسن علی ندوی

۱۵؍ جولائی ۱۹۹۶ء



۱) حضرت مولانا نے یہ مشورہ اس وقت دیا تھا جب مولانا کو ''الدیوبندیہ'' کتاب کے مشتملات کا تفصیلی علم نہیں تھا۔ پھر جب ان کو اس پر اطلاع ہوئی اور خود ان کے خلاف غیر مقلدوں نے کتابیں لکھیں اور ان کو کافر و مشرک زندیق کہا تو مولانا کی رائے بدل گئی تھی۔ اور پھر مولانا نے خود ایک کتاب عربی میں ''الاضواء'' کے نام سے لکھی، اور رد غیر مقلدیت کے بارے میں میری کوششوں اور کاوشوں کی داد دی اور دعاؤں سے یاد فرمایا۔ مولانا نے غیر مقلدیت کے فتنہ سے عرب کے ذمہ داروں کو واقف کرانے کے لیے اور اس کے برے اثرات سے ان کو آگاہ کرنے کے لیے نجی طور پر بھرپور کوششیں کی تھیں۔ ان کا علم بھی مجھ کو ہے مگر از راہ مصلحت ان کا ذکر نہیں کیا جاتا۔ ''الاضواء'' ان کا عربی رسالہ اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ [محمد ابوبکر غازی پوری]



رائے بریلی

۱۹۹۷/۱۰/۱۰ء

محبی! زیدلطفہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط مورخہ ۲۷/ستمبر وقت پر مل گیا تھا۔اس سے مسرت ہوئی کہ دعوت نامہ آپ کو ملا اور آپ شریک بھی ہوں گے۔

آپ نے جس داخلی فتنہ کی طرف اشارہ کیا ہے اس میں شدت ہوگئی ہے۔خود ہمارے خلاف ایک ضخیم کتاب عربی میں لکھی گئی ہے۔ہم سے جو کچھ ہوسکتا ہے اپنے انداز میں اس فتنہ کے ازالے کے لیے کررہے ہیں۔

آپ کے احساسات وجذبات قابل قدر ہیں اور اس سے مکمل اتفاق ہے۔اسی طرح آپ اس راہ میں جو کوششیں کررہے ہیں ان کی قدر کرتا ہوں (۱) آپ سے ملاقات کی خواہش اور اشتیاق ہے۔امید ہے کہ اس کانفرنس کے موقع پر آپ سے ملاقات ہوگی۔

والسلام

مخلص ابوالحسن علی ندوی

❑❑❑

۱) اس خط سے معلوم ہوا کہ مولانا کو بھی غیر مقلدیت کے فتنہ کا شدید احساس ہوگیا تھا اور ان کے خلاف قلم اٹھانے کو مولانا پہلے جو اتحاد کے خلاف سمجھتے تھے اب وہ خود اس فتنہ سے بے چین نظر آرہے ہیں اور میری تحریروں کو وقعت کی نگاہ سے دیکھنے لگے ہیں۔[محمد ابوبکر غازی پوری]

❍❍❍

ندوہ۔لکھنؤ

۱۹۹۹/۶/۱۲ء

محبّ فاضل ومکرم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عنایت نامہ مورخہ ۵/جمادی الثانیہ قدرے تاخیر سے ملا۔''مختارات'' وزارت تعلیمات حکومت سعودیہ نے شائع کی ہے، یہ اسی کا آفسیٹ ہے۔جی چاہا کہ نئی طباعت کا ایک نسخہ بھی آپ

کے پاس بھیج دوں (۱) ان شاء اللہ دوسرا حصہ بھی جلد شائع ہو جائے گا۔

تفہیم کا عربی ترجمہ تیار ہے، ان شاء اللہ اسی مہینہ میں پریس سے باہر آجائے گا۔ عزیزی مولوی نور عالم صاحب نے ترجمہ کیا ہے۔ میں نے اس میں خاصے اضافے کر دیے ہیں۔ آپ دیکھ کر خوش ہوں گے۔ میرا اس وقت گجرات کا سفر نہیں ہے ورنہ آپ کو ضرور مطلع کرتا۔

والسلام ابوالحسن علی

❑❑❑

۱) مولانا کا میرے ساتھ لطف وکرم اور شفقت کا جو معاملہ تھا اس کو سوچتا ہوں تو آج حیران رہ جاتا ہوں۔ مولانا کی بیشتر عربی کتابیں اسی طرح سے ان کے دستخط سے مزین ہدیۃً پہنچتی ہیں۔ [محمد ابوبکر غازی پوری]

❍❍❍

حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری کے مکاتیب

معظمی ومحترمی جناب مولانا صاحب دامت برکاتکم وبارک اللہ فی حیاتکم ونفع المسلمین بافاداتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عافیت طرفین مطلوب ہے۔ گراں قدر علمی ہدیہ ’’مقام صحابہ۔ کتاب وسنت کی روشنی میں اور مولانا مودودی‘‘، ’’امام ابوحنیفہ اور مسئلہ قیاس‘‘ ملا۔ یادفرمائی کا شکریہ۔ جزاکم اللہ خیرالجزاء

مذکورہ رسالہ مقام صحابہ..........ردمودودیت کے سلسلہ میں عوام وخواص کے لیے مفید معلومات کا خزانہ ہے۔ ماشاء اللہ آپ نے مقام صحابہ کے متعلق قرآن وحدیث واقوال سلف کی روشنی میں سارا مواد جمع فرمادیا ہے۔ یقیناً کتاب اس لائق ہے کہ ہر ایک اس سے استفادہ کرے۔

مسلمانوں سے درخواست ہے کہ ضرور اس سے مستفید ہوں اور آج کے فتنوں کے زمانہ میں اس کو اپنے لیے لائحۂ عمل اور حرز جان بنالیں۔

حق تعالیٰ آپ کی دینی خدمات کو قبول فرمائے اور ذریعۂ نجات بنائے۔ آمین بحرمۃ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

احقر سید عبدالرحیم لاجپوری راندیری غفراللہ لہ ولوالدیہ

مورخہ ۱۲؍محرم الحرام ۱۴۰۲ھ



محترم المقام مولانا محمد ابوبکر صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی! امید ہے کہ بعافیت وطن پہنچ گئے ہوں گے۔ خیریت سے مطلع فرماویں۔

باعث تحریرایں کہ کل آپ کی خدمت میں ایک رجسٹرڈ پارسل روانہ کیا ہے۔احقر کا ایک رسالہ ہے ''تقلید کی شرعی ضرورت'' جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ کے ایک مدرس مولانا محمد معصوم ظفر ندوی دام مجدہ نے اس کی تعریب کی ہے(تفصیل اس خط میں جو پارسل کے اندر ہے، درج ہے) آپ کی خدمت میں عربی ترجمہ کا مسودہ اوراصل رسالہ اور دیگر رسائل ارسال کیے ہیں۔آپ وقت نکال کر ترجمہ ملاحظہ فرمائیں ، جہاں اصلاح کی ضرورت ہو،اصلاح فرمادیں۔مفتی احمد خان پوری صاحب دام مجدہ تشریف لائے تھے،ان کا بھی مشورہ تھا کہ ترجمہ کا مسودہ آپ کی خدمت میں ارسال کیا جائے۔ پارسل وصولی کی پہلے اطلاع دیدیں کہ باعث اطمینان ہو۔آپ سے ملاقات ہوکر بہت مسرت ہوئی۔صحابہ اورسلف صالحین اور اپنے بزرگوں کے بارے میں احقر کے جو جذبات اوراحساسات ہیں،الحمدللہ آپ بھی انھیں جذبات کے حامل ہیں۔الحمدللہ۔اللہ پاک اس احساس کواور بڑھائے۔دعاؤں میں فراموش نہ فرماویں۔

فقط والسلام (مفتی)عبدالرحیم



محترم مکرم حضرت مولانا محمد ابوبکر صاحب قاسمی دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی!ماہ نامہ مظاہرعلوم ماہ مئی ۱۹۹۷ء کے شمارہ میں نقد وتبصرہ کے تحت آپ کی کتاب ''**وقفة مع اللامذهبية فی شبه قارة الهندية**'' پرتبصرہ دیکھا۔آپ یہ کتاب احقر کے نام VP سے ارسال فرمادیں۔کتاب کا جتنا ہدیہ ہوگا احقر منی آڈر سے بھیج دے گا۔

آپ نے یہ کتاب لکھ کر بہت عظیم کام کیا ہے۔عربی میں اس قسم کی کتاب کی سخت ضرورت تھی۔غیر مقلدیت (لامذہبیت) کا فتنہ عالمگیر فتنہ بنتا جارہا ہے۔سعودی عربیہ میں بہت فتنہ انگیزی میں مصروف ہیں۔اللہ تعالی آپ کی اس خدمت کوقبول فرما کرحق کی اشاعت کا ذریعہ بنائیں۔احقر آپ کواس خدمت پردلی دعائیں اورمبارک بادپیش کرتا ہے۔بہت ہی مسرت اور اطمینان ہوا۔اللہ پاک آپ کومزید خدمت کے مواقع فراہم فرمائیں اورخوب خوب ہمت عطا فرمائیں۔آمین

آپ نے وسیع مطالعہ کے بعد کتاب مرتب فرمائی ہوگی۔اپنے اس مطالعہ کو کام میں لاتے ہوئے مزید رسائل جن کی ضرورت پیش آتی رہے، آپ شائع فرمادیں۔اللہ پاک غیب سے ان کی اشاعت کا انتظام فرمادیں اور آپ سے خوب خوب خدمت لے کر قبول فرمائیں۔احقر کو بھی دعاؤں میں یاد فرمائیں۔

فقط والسلام

بحکم حضرت مفتی سید عبدالرحیم لاجپوری مدظلہ

❑❑❑

محترم المقام مولانا محمد ابوبکر غازی پوری دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی! آپ کا ارسال کردہ رجسٹری پارسل موصول ہوا جس میں آپ کی چاروں مصنفہ کتب ہیں۔آپ نے ازراہ عنایت یہ کتابیں ہدیۃً ارسال کی ہیں، احقر صمیم قلب سے شکر گزار ہے۔جزاکم اللہ خیرالجزاء۔اللہ پاک آپ کی اس عظیم الشان خدمت کو قبول فرماویں اور اپنی رضا نصیب فرماویں۔اللہم آمین

آپ نے پوری جماعت کی طرف سے جواب دہی کا فریضہ انجام دیا ہے۔اللہ پاک پوری جماعت سے آپ کو جزائے خیر عطا فرمائیں۔حقیقت یہی ہے کہ آپ ہم سب کی طرف سے قابل صد مبارک باد اور قابل صد شکر ہیں۔اللہ تعالیٰ آپ کو مزید ہمت اور قوت عطا فرمائیں اور مزید حوصلے نصیب فرمائیں۔آپ نے جو بات لکھی ہے کہ ''پانی سر سے اونچا ہوگیا ہے اور ہماری خاموشی نے غیر مقلدوں کی جرات میں بہت اضافہ کردیا ہے۔'' بالکل صحیح ہے اور آپ نے وقت کی بہت بڑی ضرورت کو پوری فرمایا ہے اور بروقت آپ نے اس ضروری کام کی طرف توجہ فرمائی ہے۔احقر دل سے آپ کے لیے دعا کرتا ہے۔اللہ پاک آپ کی تمام کتابوں کو بے حد مفید و نافع بنائیں اور لوگوں کو حق اور صحیح سمجھنے کی توفیق عطا فرمائیں اور آپ کی خوب خوب مدد فرمائیں۔آمین

آپ نے کتاب کی اشاعت کے سلسلہ میں جو بات تحریر فرمائی ہے ان شاء اللہ اس کے متعلق کوشش کروں گا۔ابھی سر دست'' مسائل غیر مقلدین''۶؍عدد۔''غیر مقلدین کی ڈائری''

۱۲/عدد رجسٹرڈ سے ارسال فرما دیں۔ان شاء اللہ بل کی رقم ارسال کردوں گا، اور یہ کتاب مقامی علما اور ذمہ دار لوگوں کو دکھا کر ان شاء اللہ اس کی اشاعت کی طرف متوجہ کروں گا۔اللہ تعالی اس کی اشاعت کی صورتیں پیدا فرمائیں۔دعا فرماتے رہیں۔میری حالت تو بالکل معذوری کی ہے، بالکل صاحب فراش ہوں، بینائی لکھنے پڑھنے کے بالکل قابل نہیں ہے، خدام پڑھ کر جو سناتے ہیں وہ سنتا ہوں۔ان شاء اللہ آپ کی کتابیں بھی ضرور سنوں گا۔احقر کے اس سلسلہ کے کچھ رسائل ان شاء اللہ ارسال کراؤں گا۔آج اتوار ہے تب بھی خط لکھ کر حوالہ ڈاک کیا جا رہا ہے کہ جلد آپ کو جواب مل جاوے۔

فقط والسلام

حضرت سید عبد الرحیم لاجپوری مدظلہ

❑❑❑

حضرت مولانا مفتی عاشق الٰہی صاحب بلند شہری کے مکاتیب

بگرامی خدمت حضرت مولانا ابوبکر صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج بخیر ہوگا۔ آپ کا عنایت نامہ محررہ ۲۸؍محرم الحرام ۱۴۱۷ھ موصول ہوا۔ اس سے پہلے آپ کی کتاب بھی ملی تھی، یہ یاد نہ رہا کہ مجھ تک کیسے پہنچی، بہر حال پہنچ گئی۔ مطالعہ کیا، پسند آئی، دل کو بھائی، خوب لکھی، اچھی لکھی۔ کچھ مطالعہ کرنے پایا تھا، پاکستان کے ایک عالم لے گئے جو یہاں ’’مـجـمّـع‘‘ میں کام کرتے ہیں اور غیر مقلدوں سے ان کی بھی چلتی رہتی ہے۔ انھوں نے اس کا فوٹو لے کر حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ کے خلیفہ مجاز کو دیدی۔ ابھی وہی پڑھ رہے ہیں، انھوں نے بھی بہت پسند کی۔ وہ ہندوستانی ہیں، عنقریب وطن جارہے ہیں۔ ان سے میں نے کہا ہے کہ کتاب کی اشاعت کے لیے کچھ فکرمند ہوں۔ انھوں نے وعدہ فرمایا ہے، گجراتی بزرگ ہیں، کچھ ہمت کریں تو ان شاء اللہ اشاعت میں اچھا حصہ لے سکتے ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کی مجلس عاملہ نے صرف تکثیر اشاعت کا فیصلہ کیا ہے، اس کو شیخ الہند اکیڈمی سے شائع کرنا چاہئے۔

اب آپ تجربہ کی ہوئی سچی بات سنیں! تجربہ اپنا یہ ہے کہ اکابر واصاغر بہت سے بہت دلداری کر دیتے ہیں، تحسین وآفرین کے کلمات کہہ دیتے ہیں اور یہ بھی غنیمت ہے۔ کیوں کہ بہت سے تو ٹانگ کھینچنے والے اور مخالفت کرنے والے ہوتے ہیں۔ ان کی کوشش ہوتی ہے کہ یہ آدمی اور اس کا کام آگے نہ بڑھے۔ حقد اور حسد ناس کھودیتا ہے۔ اب تک جو کوئی آگے بڑھا ہے اور کتابیں لکھی ہیں، امت میں پھیلی ہیں یا اور کوئی بڑا کام کیا ہے، محض اللہ تعالی کی توفیق اور اس کے فضل

سے ہوا ہے، اور ظاہری اسباب میں توکل، ہمت، جرات، صبر کے سوا کچھ نہ تھا۔ کسی بڑے چھوٹے سے تعاون کی امید نہ رکھیں۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں اور اپنی ہمت سے آگے بڑھیں۔ جب کوئی شخص آگے بڑھ جاتا ہے تو استاذ بھی کہنے لگتے ہیں کہ ہمارا شاگرد ہے اور دور دور کے رشتہ دار بھی کہنے لگتے ہیں وہ تو ہمارے دادا کے بیٹے کا پوتا ہے اور مدرسہ کے ساتھی بھی کہنے لگتے ہیں کہ ہاں ہم اور وہ تو ایک حجرہ میں رہتے تھے۔ آپ مخلوق پر نظر نہ رکھیں۔ توکل، دعا، عزم، ہمت، حوصلہ ہی کو اپنا شعار اور ہتھیار بنائیں۔

یہاں غیر مقلدوں کی اچھی خاصی پہنچ ہے، کہنے کو جو حنبلی ہیں وہ بھی دینی امور میں ان سے دبے ہوئے ہیں۔ کسٹم میں، وزارت اعلام میں، انفارمیشن میں یہ لوگ پھیلے ہوئے ہیں۔ اس لیے کتاب ڈاک ہی سے آسکتی ہے بشرطیکہ وزارت اعلام والے چیک نہ کریں یا وہ شخص ساتھ لا سکتا ہے جو کسی تدبیر سے کسٹم سے نکال لے۔ اگر کچھ حضرات تعاون کرسکیں اور کم از کم ڈاک خرچہ کرسکیں تو کچھ کتابیں مَلِک اور اس کے وزراء کے نام براہ راست اور کچھ بتوسط سفارت خانہ بھیج دی جائیں۔ یہاں ایک صاحب نے ایک مضمون لکھا ہے، اسے بھیج رہا ہوں، اسے آئندہ ایڈیشن میں کتاب کا جز بھی بنادیں۔

سو پچاس کا پیاں حکومت سعودیہ کے ائمہ اور امرا اور وزرا کے نام ڈاک سے بھجوادیں، ان شاء اللہ یہ مفید ہوگا۔ اور ''**الحطه**''میں نواب صاحب نے شیخ محمد بن عبدالوہاب کے بارے میں جو کچھ کہا تھا، جسے غیر مقلدوں نے مصری ایڈیشنوں میں حذف کردیا ہے، وہ بھی کتاب کا جز بننا چاہئے۔ وہ سو سال کے پرانے نسخوں میں ہے۔ پہلا ایڈیشن بھوپال کے کتب خانوں میں ضرور ہوگا۔ پاکستان کے علما میں سے مولانا محمد امین صاحب صفدر نے غیر مقلدوں کے خلاف بہت سے رسالے لکھے ہیں اور بڑے پتہ کی باتیں جمع کی ہیں۔ چار جلدوں میں ان کے رسالے چھپ گئے۔ کوئی پاکستان آتا جاتا ہو تو ضرور منگالیں۔ ہندوستان میں ان کا شائع ہونا ضروری ہے۔ ان کا پتہ ''جامعہ عربیہ خیر المدارس ملتان شہر'' کافی ہے۔ دعاؤں میں یاد فرمائیں۔ ہوں بے ادب، گستاخی کی کوئی بات ہوگئی ہے تو معاف فرمائیں۔ احباب واصحاب کو سلام پہنچے۔

والسلام محمد عاشق الٰہی عفا اللہ عنہ ❑❑❑

محترم المقام مولانا ابوبکر صاحب غازی پوری۔ بارک اللہ فی غزواتہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا عنایت نامہ پہنچا تھا، اس خط میں کمپوزنگ شدہ کتاب ملنے کا تذکرہ نہیں تھا، اس لیے میں نے جواب لکھنے میں توقف کیا۔ آج سعودی ۲ رمحرم الحرام کو آپ کا دوسرا والا نامہ محررہ ۱۲ر ذی الحجہ موصول ہوا۔ کمپوزنگ شدہ کتاب کا پروف مل جانے کی اطلاع ملی۔ مولانا اسماعیل صاحب مولانا طلحہ کے ساتھ رات کو تشریف لائے تھے، اب ملیں گے تو آپ کی کتاب کی اشاعت کا تذکرہ کروں گا ان شاء اللہ۔ بنگلہ دیش کے اکابر علما آئے تھے، ان کو بھی آپ کی کتابیں دیدی ہیں۔ آپ کا کوئی ماہنامہ پرچہ تو آتا ہی نہیں تو کیا یاد رہے؟ کوئی مذکّر ہو تو مضمون بھیجا جائے۔ مولانا بنارسی تشریف لائے تھے، جو مضمون ارسال فرمایا تھا، وہ مجھے دے گئے۔ میں کہیں اپنے عاشق کے کاغذات میں رکھ کر بھول گیا، اب تک ان کو نہیں پہنچ سکا۔ ان کے لیے علیحدہ ہی سے میرے پتہ پر بھیج دیں۔

غیر مقلدوں کے بارے میں تین رسالے لکھے تھے۔ مولانا رشید احمد صاحب پریشان ہو رہے تھے کہ ان کو کیا کروں؟ میں نے ہی رائے دی کہ پہلے المآثر میں چھاپ دیں، آخر مولانا ابوبکر صاحب کا مضمون بھی تو غیر مقلدوں کے خلاف چھپتا ہے۔ اگر وہ تینوں مضمون شائع کریں تو ایک سال چاہئے۔ آپ میرے اس خط کی فوٹو کاپی بھیج کر ان سے دو مضمون طلب فرمائیں اور انھیں چھاپ دیں۔ ایک مضمون وہ چھاپ دیں، میرا نام نہ چھپے، یہاں کے حالات کا یہ تقاضا ہے۔ آپ کا اردو کا کوئی رسالہ نکلا ہوگا، اب تک زیارت نہیں ہوئی۔ اجتہاد کے بارے میں ایک مضمون مولانا رشید احمد صاحب کے پاس بھیجا ہے، اس میں کسی کا نام ہے جس سے معارضہ ہو۔ ممکن ہے وہ ذی الحجہ کے شمارہ میں آیا ہو ورنہ ربیع الاول تک کے لیے بھینس پانی میں رہی۔ دعاؤں میں یاد فرمائیں۔

ابھی ابھی مولانا یونس بٹ صاحب سے ٹیلی فون پر بات ہوئی۔ انھوں نے فرمایا کہ مولانا سے عرض کردیں کہ کتاب کو مکمل پڑھ دیں اور جو اغلاط رہ گئی ہوں، خطا اور صواب کا جدول بنا کر بھیج دیں تاکہ تصحیح کردی جائے، اور جن صفحات کی ضرورت ہو..........

پشت پر ملاحظہ فرمایئے مولانا سلیم اللہ خان صاحب دام مجدہم کے ماہنامہ رسالہ ''الفاروق'' کے ایک صفحہ کا فوٹو ہے جس میں آپ کی ایک کتاب کا اشتہار دیا ہے۔ بظاہر یہ '' وقفة مـع الـلامـذهبية'' کا ترجمہ ہے۔ آپ ان سے کوئی بات کریں، نسخے منگوانا چاہیں تو مکاتبت فرمالیں۔ ان کا پتہ جامعہ فاروقیہ فیصل کالونی ۴ کراچی کافی ہے۔

والسلام محمد عاشق الٰہی عفا اللہ عنہ



حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندوی کا مکتوب

از جامعہ عربیہ ہتھورا

بابت ۲؍ربیع الاول

مکرمی! زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ

اللہ پاک آپ کے والد کے ساتھ فضل کا معاملہ فرمائے۔ احقر غازی پور بھی حاضر ہوا تھا، آپ کہیں سفر پر تشریف لے گئے تھے۔ کتاب مل گئی، اللہ پاک اس کو قبول فرمائے اور مخالفین کو ہدایت نصیب فرمائے۔

آپ سے گزارش کرنی تھی کہ اپنے یہاں ایک ادارہ قائم کریں جس میں طلبہ کو عربی بولنے اور لکھنے کی مشق کرائی جائے۔ یہ کام آپ وقت نکال کر خود کریں یا اپنی نگرانی میں کرائیں۔ اس میں آپ پر کسی قسم کا بار نہ ہوگا۔ کرایہ کا کوئی مکان لے لیجئے، جو طلبہ اس کے لیے جائیں، وہ سارے اخراجات برداشت کریں۔

کئی طلبہ کو بڑے مدارس میں جہاں اس کی مشق ہوتی ہے، بھیجا گیا مگر دو سال کے بعد بھی ان کے اندر کچھ استعداد نہ پیدا ہوسکی۔ معلوم ہوا کہ اساتذہ کوئی توجہ نہیں کرتے، خانہ پری ہوتی ہے۔ آپ کے اندر اللہ نے اچھی صلاحیت عطا فرمائی ہے، اگر تھوڑا سا وقت نکال دیں تو طلبہ بہت کچھ حاصل کرسکتے ہیں۔

صدیق احمد

❑❑❑

حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحب کا مکتوب

مدنی منزل دیوبند

۱۹/ جمادی الاولی ۱۴۱۷ھ

محترم المقام! زید مجدکم   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج بخیر ہوں گے۔ سفر سے واپسی کے بعد آنجناب کی علمی کاوش ''مسائل غیر مقلدین۔ کتاب وسنت اور مذہب جمہور کے آئینے میں'' نظر نواز ہوئی۔ ابتدائی صفحات کے مطالعہ ہی سے اندازہ ہوگیا کہ جناب نے اس کتاب کی جمع وترتیب میں اپنی پہلی کتاب ''وقفة مع اللامذهبية'' کی طرح مآخذ ومصادر کی تلاش وتحقیق میں علمی ذمہ داریوں کا پورا لحاظ رکھا ہے۔

فرقہ غیر مقلدین کے وہ مسائل جو کتاب وسنت اور سواد اعظم کے خلاف ہیں اور جسے اس فرقہ کے علما نے رازہائے سربستہ کی طرح عامۃ المسلمین کی نظروں سے چھپا رکھا تھا اور اس غرض سے وہ کتابیں جن میں یہ مسائل مذکور ہیں، عرصہ سے ان کی نشر واشاعت بند کر رکھی ہے، آپ نے ان کی قدیم ومستند ومعتبر کتابوں سے ان مسائل کو نکال کر اس کتاب میں جمع کر دیا ہے، جس سے اس گروہ کی اصل حقیقت سمجھنے میں اردو داں طبقہ کو بھی سہولت ہوگی اور اس گروہ کا اصل چہرہ عام مسلمانوں پر آشکارا ہو جائے گا۔

ادھر چند سالوں سے غیر مقلدین کے بعض حلقوں سے اہل سنت والجماعت بالخصوص علمائے دیوبند کے خلاف جس شدت کے ساتھ زہر افشانیاں کی جارہی ہیں، خدا کرے آپ کی یہ تازہ جدوجہد ان کے لیے تریاق بن جائے اور جواب ترکی بترکی کا صحیح مصداق ہو۔

دعا ہے کہ اللہ تعالی آپ کی اس سعی کو مشکور فرمائے اور دین واہل دین کی خدمت کی بیش از بیش توفیق مرحمت کرے۔   اسعد غفرلہ

از مدنی منزل مولانا مدنی روڈ دیوبند یوپی

❑❑❑

مولانا غازی پوری کا
ایک عزیز کے نام خط

عزیز گرامی! سلمہ اللہ تعالی سلام مسنون

آپ سے فون پر گفتگو ہوئے عرصہ گزر گیا تھا کہ پھر آپ کا خط آیا۔ میں پہلے ہی فون کے بعد آپ کے خط کا انتظار کر رہا تھا۔ آپ کا لفافہ اور آپ کے سوالات ایسے وقت میں موصول ہوئے کہ میں گجرات کے مظلومین کی ریلیف کے لیے مشغول ہوں۔ گجرات کے فساد کی وجہ سے دل و دماغ بہت متاثر ہیں۔ سوچنے، لکھنے، پڑھنے کی ساری صلاحیت پر اس وقت برف جمی ہوئی ہے۔ آپ کے والد ڈاکٹر صاحب سے چوں کہ دلی تعلق ہے اور اسی وجہ سے آپ بھی عزیز ہیں۔ آپ کی رعایت میں قلم اٹھالیا ہے تاکہ آپ کو جواب نہ دینے کا شکوہ نہ رہے۔

آپ کے سوالات سے اندازہ لگتا ہے کہ آپ غلط لوگوں کی صحبت سے متاثر ہیں۔ نیز آپ کا دینی مطالعہ بہت کمزور اور سرسری سا ہے۔ اسی وجہ سے دوسروں کی سنی سنائی باتوں پر آپ فیصلہ کرتے ہیں۔ چوں کہ آپ کا مطالعہ بہت سرسری ہے اس وجہ سے خود بھی جو پڑھتے ہیں اس سے بھی شکوک وشبہات آپ کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں۔ جب آدمی کا دینی مطالعہ کمزور ہو اور خود قرآن و حدیث کے سمجھنے کی صلاحیت نہ ہو، فقہ کی جو اہم کتابیں ہیں وہ ان کے نام سے بھی واقف نہ ہو، جس کی اردو اتنی کمزور ہو کہ وہ صحیح املا بھی نہ کر سکے۔ اس کے لیے سلامتی کا راستہ صرف یہ ہے کہ جو علما کہیں وہ اسے مان لے اور زیادہ تحقیق وجستجو کا راستہ اختیار نہ کرے۔ ورنہ کبھی ایسا ہوگا کہ شیطان کے بہکاوے میں آکر وہ پورے دین کے بارے میں شکوک وشبہات میں مبتلا ہو جائے گا اور اس کا ایمان بھی خطرہ میں پڑ جائے گا۔ آپ کے بارے میں میری مخلصانہ رائے یہ ہے کہ آپ وہ کریں جو آپ کے والد ڈاکٹر صاحب فرمائیں۔ اگر آپ نے از خود تحقیق کی راہ اختیار کی تو یہ آپ کے لیے بڑی خطرناک راہ ہے۔ میں آپ کو شرمندہ کرنے کے لیے بلکہ یہ بتلانے کے لیے

کہ آپ کی علمی استعداد ایسی نہیں ہے کہ آپ خود محقق بنیں، یہ عرض کر رہا ہوں کہ آپ کے خط میں متعدد املا کی غلطیاں ہیں۔ مثلاً آپ نے ہر جگہ قعدہ کو "قائدہ" لکھا ہے۔ جس کی علمی استعداد ایسی کمزور ہو تو کیا اس کے لیے کسی بھی درجہ میں مناسب ہے کہ وہ فقہی مسائل کے دلائل جاننے کی تگ ودو میں پڑے۔ آپ اور آپ جیسوں کے لیے تو قرآن نے ایک راہ متعین کر دی ہے کہ جاننے والوں سے پوچھو اور اس پر عمل کرو۔ کیا آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ اللہ میاں آپ سے یہ سوال کریں گے کہ میاں ابوالحیان! تم نے نماز روزہ کرنے کے لیے خود سے تحقیق کیوں نہیں کی تھی؟ اور مسائل کے دلائل کتاب وسنت سے کیوں نہیں معلوم کیے تھے؟ ہرگز نہیں، میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اللہ تعالی آپ سے ہرگز یہ سوال نہیں کریں گے بلکہ سوال یہ ہوگا کہ ابوالحیان! تم جیسوں کے لیے تو میرا حکم یہ تھا کہ اہل علم سے معلوم کر کے اس پر عمل کرو۔ تم نے اس راہ کو چھوڑ کر دلائل کی تحقیق کی راہ جو علما کا کام ہے، یہ تم نے کیوں اختیار کی؟ اور میرے حکم "**فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون**" کی مخالفت کیوں کی؟ اگر اللہ نے آپ سے یہ سوال کر لیا تو اس کا جواب آپ کے پاس کیا ہوگا؟ برائے کرم ذرا سوچ لیں۔

کم علم لوگ اور دینی علوم سے ناواقف حضرات کو جب خود سے تحقیق کی سوجھتی ہے تو انھیں دینی مسائل میں اسی قسم کے شکوک وشبہات پیدا ہوتے ہیں جن کا شکار آپ ہوئے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ علما نے عوام مسلمین کے لیے تقلید کو واجب کیا ہے۔ تقلید نام ہی ہے کہ مسائل جو علما بتلائیں ان پر عمل کرو، دلائل کی چھان بین میں مت پڑو۔ دلائل کا جاننا عوام کے لیے فرض نہیں ہے۔ مسائل پر عمل کرنا بس ان کی ذمہ داری ہے۔ عوام کی حد الگ ہے اور علمائے مجتہدین کی حد الگ ہے۔ عوام اگر اپنی حد سے آگے بڑھیں گے تو یہ ان کی طرف سے خود اپنی ذات پر ظلم وتعدی کی بات ہوگی۔

آپ کے سوالات پڑھنے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ آپ صرف غیر مقلدوں کے بہکاوے میں نہیں ہیں بلکہ کوئی اور گمراہ فرقہ بھی آپ کو گمراہ کر رہا ہے۔ کہیں آپ خدا نا خواستہ منکرین سنت یا قادیانیوں کے چکر میں تو نہیں آ گئے۔ یہ سوال اس وجہ سے کر رہا ہوں کہ بعض سوالات جو آپ نے لکھے ہیں وہ غیر مقلدین کے نہیں ہو سکتے ہیں۔ مثلاً نماز میں ستر عورت کے

دلائل کیا ہیں؟ ستر عورت تو خود غیر مقلدین کے یہاں بھی فرض ہیں، اس لیے یہ سوال ان کا نہیں ہوسکتا۔ یا یہ کہ قعدہ اخیرہ کی فرضیت کے دلائل کیا ہیں؟ قعدہ اخیرہ تو غیر مقلدین کے یہاں بھی فرض ہے، اس لیے یہ سوال بھی غیر مقلدین کا نہیں ہوسکتا ہے۔ یا یہ کہ احناف کے یہاں دریائی جانوروں میں سے صرف مچھلی ہی حلال کیوں ہے؟ یہ سوال بھی غیر مقلدین کا نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ خود اکابر غیر مقلدین کے یہاں بھی تمام دریائی جانور حلال نہیں ہیں بلکہ بہت سے جانور حرام ہیں۔ اگر خدا ناخواستہ آپ کی صحبت یا اٹھنا بیٹھنا غیر مقلدین کے علاوہ منکرین سنت یا قادیانیوں میں بھی ہے تو یہ آپ کے دین وایمان کے لیے بڑی خطرناک بات ہے۔ اللہ اس سے حفاظت فرمائے۔

میں نے اوپر عرض کیا تھا کہ آپ کے سوالات سے اندازہ لگتا ہے کہ آپ غلط لوگوں کی صحبت سے متاثر ہیں جو آپ کی سادگی، کم علمی اور دین سے ناواقفیت کا فائدہ اٹھا کر آپ کو گمراہ کررہے ہیں اور دین کے بارے میں آپ کے ذہن میں شکوک وشبہات کی تخم ریزی کررہے ہیں۔ اس وجہ سے میں سوچ رہا ہوں کہ میرے ساتھ آپ کی خط وکتابت کچھ مزید چلتی رہے تاکہ آپ کے ذہن میں جو وساوس ہیں ان سب کو بلا تکلف میرے سامنے رکھ دیں۔ پھر آپ کے سوالات کا جواب دیا جائے۔

آپ کے سوالات پڑھ کر میرے ذہن میں بھی کچھ سوالات پیدا ہوئے ہیں۔ آپ ان سوالات پر سنجیدگی سے غور کریں اور ان کا جواب دیں۔ ان سوالات کے جوابات جب مجھے مل جائیں گے تو میں آپ کے سوالات کا جواب بہتر طریقہ سے دے سکوں گا۔

۱) آپ نے فقہ حنفی کے جو مسائل ذکر کیے ہیں ان کو آپ نے کس کتاب کے حوالے سے لکھا ہے۔ برائے کرم اس کتاب کا حوالہ دیں تاکہ میں خود بھی اس کی طرف رجوع کرسکوں۔ بلا حوالہ کوئی بات نقل کرنا مناسب نہیں ہوتا۔ محض سنی سنائی باتوں میں سے بسا اوقات کچھ باتیں غلط بھی ہوتی ہیں۔ مثلاً آپ ہی نے ایک مسئلہ یہ بھی لکھا ہے کہ ''احناف کے یہاں فجر کی سنت حالت سفر میں سواری پر پڑھنا جائز نہیں ہے۔'' حالاں کہ احناف کا یہ مسئلہ نہیں ہے۔ ہدایہ دیکھئے اس میں تو صراحت ہے کہ جائز ہے۔ فجر کی سنت امام ابوحنیفہ سے ایک روایت کے مطابق اولی اور افضل

ہے کہ سواری سے اتر کر پڑھی جائے۔ یہ تو محض اولویت اور افضلیت کا بیان ہے مگر اصل مسئلہ تو یہی ہے کہ فجر کی سنت سواری پر پڑھی جا سکتی ہے۔

بہرحال ان مسائل کو آپ نے جن کتابوں سے یا جس کتاب سے نقل کیا ہے اس کا حوالہ ضروری ہے اور اصل عبارت کا ذکر ضروری ہے تا کہ ذمہ دارانہ طریقہ پر اس کا جواب دیا جا سکے۔

۲) آپ نے لکھا ہے کہ ان مسائل کا جواب قرآن وحدیث سے دیا جائے۔ میں کہتا ہوں کہ دینی وشرعی مسائل کا جواب صرف قرآن وحدیث سے دینے کا مطالبہ وہ لوگ کرتے ہیں جو اہل سنت والجماعت سے خارج ہیں۔ جیسے شیعہ، ظاہر یہ فرقہ یا آج کے نئے غیر مقلدین۔ آپ کا تعلق اگر اہل سنت والجماعت سے ہے تو یہ مطالبہ کیوں؟ منکرین سنت اگر یہ کہیں کہ ہماری باتوں کا جواب صرف قرآن سے دیا جائے، سنت سے نہیں، ہم صرف قرآن کو مانیں گے سنت کو نہیں تو ان کا یہ مطالبہ اہل سنت سے درست ہوگا؟ اور کیا آپ ان کا یہ مطالبہ قبول کرلیں گے؟

اگر شیعہ کہیں کہ ہم صرف انھیں حدیثوں کا مانیں گے جو ائمہ اہل بیت سے منقول ہیں بخاری ومسلم کو نہیں مانیں گے تو کیا کوئی اہل سنت ان کے اس مطالبہ پر کان دھرے گا؟ جب اہل سنت کے یہاں بخاری ومسلم بھی معتبر ہیں اور اہل سنت کے یہاں قرآن کے ساتھ حدیث سے بھی حجت پکڑی جاتی ہے تو کسی شیعہ یا منکرین سنت کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ اس قسم کا ناروا مطالبہ اہل سنت سے کرے۔ اور کیوں کوئی اہل سنت ان کے اس مطالبہ پر کان دھرے گا؟ پس اسی طرح جب اہل سنت کے نزدیک دلائل شرعیہ چار ہیں تو ان سے یہ مطالبہ کرنا کہ صرف دو سے دلیل دو، دو سے نہیں۔ یہ بالکل زبردستی والی بات ہے اور کوئی بھی اہل سنت اس پر کان نہیں دھرے گا۔

آپ کو معلوم ہے کہ فقہ حنفی اہل سنت والجماعت کا فقہ ہے تو فقہ حنفی کے کسی مسئلہ کے بارے میں یہ مطالبہ کرنا کہ اس کی دلیل صرف قرآن وحدیث سے دی جائے، نہایت ناروا مطالبہ ہے۔ کسی حنفی نے کب یہ دعوی کیا ہے کہ ہم صرف قرآن وحدیث کو مانتے ہیں؟ قیاس اور اجماع کو نہیں مانتے۔ اور اس طرح کا دعوی حنفی ہی نہیں کوئی بھی اہل سنت کا فرد نہیں کرے گا۔ اس لیے آپ اپنے اس مطالبہ پر از سر نو غور فرمائیں۔

۳) اجماع، صحابہ کرام کے اقوال، خلفائے راشدین کی سنتیں اور قیاس آپ کے نزدیک

دلائل شرعیہ ہیں کہ نہیں؟ اگر نہیں ہیں تو اس کا ثبوت قرآن وحدیث سے دیں کہ اللہ اور اس کے رسول نے صحابہ کرام کے اقوال، خلفائے راشدین کی سنتوں اور اجماع اور قیاس کو حجت شرعیہ شمار نہیں کیا ہے۔

۴) آں حضور ﷺ سے قیاس کرنا ثابت ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس کا ثبوت فراہم فرمائیں اور اگر ثابت ہے تو علمائے کرام کا آں حضور ﷺ کی اتباع میں مسائل شرعیہ میں قیاس کرنا سنت قرار پائے یا نہیں؟ اور اگر کوئی اس سنت کا انکار کرے تو اس کا شمار اہل سنت میں سے ہے یا اہل باطل میں سے؟

۵) آپ ہم سے تو مطالبہ کرتے ہیں کہ آپ کے ذکر کردہ مسائل کا جواب قرآن وحدیث سے دیا جائے اور خود امام کے ستر کھلنے کے باوجود امامت کرتے رہنے پر ایک صحابی وہ بھی کم عمر اور نابالغ صحابی بچہ کے فعل سے استدلال کر رہے ہیں۔ یہ عمر بن سلمہ نہ قرآن ہیں، نہ حدیث، نہ رسول، ان کا نابالغی کی حالت کا کوئی عمل آپ کے نزدیک دلیل کیسے بن گیا؟ برائے کرم اس کی وضاحت فرمائیں۔ آپ جیسے لوگوں کی عقل وفہم پر داد دینے کو جی چاہتا کہ آں حضور ﷺ نے پوری زندگی ستر ڈھانک کر نماز پڑھی، خلفائے راشدین نے بھی پوری زندگی ستر ڈھانک کر نماز پڑھی، تمام صحابہ کرام جن کی تعداد ہزار ہا ہزار تھی سب نے ستر ڈھانک کر نماز پڑھی۔ ان کا عمل آپ کے نزدیک ستر ڈھانک کر نماز پڑھنے کے لیے حجت نہیں بنا اور آپ کے نزدیک ستر کھول کر نماز پڑھنے کے لیے عمر بن سلمہ جیسے چھوٹے بچے کا عمل حجت قرار پا گیا۔ اس عقل پر افسوس ہی کیا جا سکتا ہے۔ غلط لوگوں کی صحبت آپ جیسے کم علم لوگوں پر کتنا برا اثر ڈالتی ہے اس کا اندازہ اسی سے کیا جا سکتا ہے۔ ہمارے نزدیک ستر ڈھانک کر نماز پڑھنے پر تو قرآن وحدیث سے بہت سے دلائل ہیں۔ ستر کھول کر نماز پڑھنے پر آپ کے نزدیک اور کون سے دلائل ہیں؟ برائے کرم ان کا ذکر کریں۔

حضرت عمر بن سلمہ ستر کھول کر نماز پڑھتے تھے یا کپڑا تنگ ہونے کی وجہ سے سجدہ میں جاتے وقت ازخود ان کا ستر کھل جاتا تھا۔ اگر کسی کے پاس کپڑا نہ ہو تو نماز ننگے ہو کر پڑھنے کی اجازت ہے۔ عمر بن سلمہ کے پاس پورا ستر ڈھانکنے والا کپڑا ہی کہاں تھا۔ جن لوگوں کو وہ نماز پڑھا رہے تھے وہ لوگ ایسے ہی تھے کہ ایک بچہ کو انھیں نماز کی امامت کے لیے آگے کرنا پڑا۔ ان میں

سے کسی میں امام بننے کی مطلوبہ صلاحیت نہیں تھی۔ بھلا بتائیں کہ نبی کریم ﷺ اور خلفائے راشدین اور عام صحابہ کو چھوڑ کر اسی قسم کے لوگوں کی نماز سے ستر کھول کر نماز پڑھنے کے جواز پر استدلال کرنا کس عقل کا تقاضہ ہے؟

۶) آپ نے فقہ حنفی کی طرف منسوب کر کے چند مسئلے ذکر کیے ہیں کہ ان کی دلیل کتاب و سنت سے دی جائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بقیہ مسائل شرعیہ کے دلائل کتاب وسنت سے آپ نے معلوم کر لیے ہیں۔ اگر ایسا ہے تو برائے کرم ہمیں صرف اتنا بتلا دیں کہ آپ وضو میں بسم اللہ زور سے پڑھتے ہیں کہ آہستہ سے؟ اگر زور سے پڑھتے ہیں تو اس کی دلیل کتاب وسنت سے دیں اگر آہستہ پڑھتے ہیں تو اس کی دلیل کتاب وسنت سے دیں۔

آپ مقتدی ہو کر اللہ اکبر کہتے ہیں اور آہستہ کہتے ہیں۔ کتاب وسنت سے مقتدی کو اللہ اکبر آہستہ کہنے کی دلیل کیا ہے؟ برائے کرم اسے بتائیں۔

نماز میں ثنا امام اور مقتدی دونوں ہی آہستہ پڑھتے ہیں۔ براہ کرم وہ حدیث ذکر کریں جس سے ہمیں رسول اللہ ﷺ کا یہ حکم معلوم ہو کہ مقتدی اور امام کو ثنا آہستہ پڑھنی چاہئے۔

آپ رکوع اور سجدہ میں آہستہ تسبیح پڑھتے ہیں۔ براہ کرم ہمیں وہ حدیث بتلائیں جس سے معلوم ہو کہ آں حضور ﷺ کا تسبیح کے بارے میں یہ حکم تھا۔

سر دست صرف نماز سے متعلق ان باتوں کا جواب آپ سے کتاب وسنت سے مانگا گیا ہے۔ امید ہے کہ ان کا جواب آپ کی طرف سے ملے گا۔

۷) آپ کو اشکال ہے کہ احناف نے نماز میں قرأت کی مقدار کم از کم چھوٹی تین آیات یا ایک بڑی آیت مقرر کی ہے۔ قرأت کی مقدار کی یہ تعیین خلاف شرع ہے، ان کے دلائل کتاب و سنت سے نہیں ہیں۔ احناف کے پاس اس پر دلائل ہیں کہ نہیں؟ یہ ہم آپ کو بعد میں بتلائیں گے۔ آپ فرمائیں کہ آپ کے خیال کے مطابق نماز کی صحت کے لیے کتنا قرآن پڑھا جانا ضروری ہے؟ کتاب وسنت سے جو متعین مقدار آپ کے نزدیک ضروری ہے اس کو واضح کریں اور اس کی دلیل بھی ذکر کریں۔

احناف کے اس مسئلہ پر یہ اشکال آپ کا پیدا کیا ہوا نہیں ہے۔ یہ ان کی بات ہے جن کی

پرفریب صحبت سے آپ متاثر ہیں۔احناف تو اس مسئلہ میں اپنی دلیل کتاب وسنت دونوں سے دیں گے مگر آپ کیا کریں گے، یہ ہمیں خوب معلوم ہے۔

اس تحریر میں آپ کے ذکر کردہ بعض اشکالات پر کچھ روشنی پڑ چکی ہے۔مگر میں آپ کے تمام اشکالات کا جواب دلائل شرعیہ کی روشنی میں بڑی وضاحت سے دوں گا بشرطیکہ آپ میری اس تحریر کا جواب عنایت فرمائیں۔

آپ نے ایک مسئلہ یہ بھی لکھا ہے کہ سورہ نجم میں جو سجدہ ہے اسے پڑھ کر سجدہ تلاوت واجب ہوجاتا ہے۔حنفیہ کا یہی مسئلہ ہے۔اس کی دلیل کیا ہے؟ میں پوچھتا ہوں کہ یہ اشکال آپ کو صرف اسی سورہ کے سجدہ کے بارے میں کیوں پیش آیا؟ بقیہ تمام سجدہ تلاوت کے وجوب کے دلائل آپ پر واضح ہو چکے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو ان کو ذکر کریں۔سورہ نجم کے سجدہ تلاوت کا وجوب بھی انھیں دلائل میں کہیں پوشیدہ ہوگا جو آپ کو نظر نہیں آرہا ہے۔میں اس کی طرف آپ کی رہنمائی کردوں گا۔

عزیز سلمہ! آپ کہیں گے کہ جب مولانا غازی پوری صاحب کو معلوم ہے کہ میں قرآن و حدیث سے نابلد ہوں، دینی تعلیم میں نے حاصل نہیں کی ہے، عربی فارسی تک میری رسائی نہیں ہے۔میری تعلیم انگریزی ہے، پھر مجھ سے مولانا غازی پوری صاحب یہ سوالات کیوں کررہے ہیں؟

تو عرض یہ ہے کہ آپ کو تو میں نے مخاطب بنایا ہے میرے سوالات ان لوگوں سے ہیں جن کی صحبت سے آپ متاثر ہیں اور جو آپ کے ذہن میں دین وشریعت کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کررہے ہیں اور آپ کو نہایت خطرناک راہ پر لے جارہے ہیں۔آپ میرا یہ خط ان کے پاس لے جائیں اور ان سے ان سوالات کا جواب حاصل کریں۔جب آپ یہ سوالات ان کے سامنے رکھیں گے تو آپ کو خود ان کی علمی صلاحیت اور کتاب وسنت سے ان کے رشتہ اور تعلق کا حال معلوم ہوجائے گا۔

اپنے والد صاحب کی خدمت میں میرا سلام عرض کردیں۔ والسلام

دعاگو محمد ابوبکر غازی پوری یکم جون ۲۰۰۲ء

مدح النبی ﷺ

سلام علی من اشرف الانبیاء
سلام علی من خاتم الانبیاء
سلام علی من هو الملتجیٰ
سلام علی من اتی بالهدیٰ
سلام علی من انار اللیل
سلام علی من اضاء الدجیٰ
سلام علی من له العظمة
شفیع لمن عصیٰ او طغیٰ
سلام علی من علا اسمه
بجود سخاء وکرم عطاء
سلام علی من بفضل الالٰه
نال من الشرف ثم استویٰ
کم مذنب کان ظن العطب
فدل علی الحق ثم اهتدیٰ
رسول کریم نبی جلیل
فخیم جسیم امام التقیٰ
علیه من الله الف سلام
لیلا نهارا قعودا قیام



عرض بحضور سرور کائنات ﷺ

اے حبیب خدا! اے شہ دوسرا! کشتی منجدھار میں ناخدا لا پتہ
بدر کامل پہ کیسا گہن چھا گیا سارا عالم بنا وائے! ظلمت کدہ
اب تو نظر کرم اے رسول امم!
غرق ہوجائیں گے بحر عصیاں میں ہم

وہ کتاب مبیں طاق نسیان ہے گھات میں ہر جگہ بیٹھا شیطان ہے
برپا عالم میں کیسا یہ ہیجان ہے شرک و بدعت کا مارا یہ انسان ہے
اب تو نظر کرم اے رسول امم!
غرق ہوجائیں گے بحر عصیاں میں ہم

شمع ایمان کی ہے چراغ سحر اب بجھی تب بجھی ہم کو لگتا ہے ڈر
راہ رشد و ہدی کھو چکا ہے بشر اف رے تیرہ شبی اف رے بھٹکی نظر
اب تو نظر کرم اے رسول امم!
غرق ہوجائیں گے بحر عصیاں میں ہم

اب سے پہلے ہمارا تو یہ حال تھا بحر ظلمات بھی ہم سے پامال تھا
ہم ستاروں پہ بھی ڈالتے تھے کمند کفر و باطل کا ٹوٹا ہوا جال تھا
اب تو نظر کرم اے رسول امم!
غرق ہوجائیں گے بحر عصیاں میں ہم

پھر اسی بال و پر کے ہیں محتاج ہم تا کہ پھر کردیں باطل کو زیر قدم
بحر ظلمات میں گھوڑے دوڑائیں ہم ہم ہیں حاضر تیرے در پہ با چشم نم
اب تو نظر کرم اے رسول امم!
غرق ہوجائیں گے بحر عصیاں میں ہم

❑❑❑

شوق مدینہ

ہے شوق یہ کہ ہم در سرور کو دیکھتے
بر جائے سجدہ گاہ نبی سر ٹیکتے

بن کے شوق سراپا ہم در در کو دیکھتے
گلیوں میں گھوم گھوم کر ہر گھر کو دیکھتے

جالی سے جھانک کر روضہ انور کو دیکھتے
حرم رسول پاک کے ہر در کو دیکھتے

روضہ کے پاس جاتے بصد شوق با ادب
تحفہ درود کا در سرور کو بھیجتے

با چشم اشک بار بصد شوق با ادب
صحن حرم سے قبہ اخضر کو دیکھتے

باغ جناں میں بیٹھ کر کرتے خدا کو یاد
کرتے نگاہ شوق تو منبر کو دیکھتے

بیاد: وکیل احناف حضرت مولانا محمد ابوبکر صاحب غازی پوری نور اللہ مرقدہ

حرم رسول پاک کی ہر شے ہے محترم
صحن حرم میں اڑتے کبوتر کو دیکھتے

جاتے بقیع کو شوق سے نیچی نگاہ سے
دین نبی کے انجم و اختر کو دیکھتے

جبل احد کا ہائے رے وہ دلکشا جمال
اے کاش ہم بھی جاکے اس منظر کو دیکھتے

ہم سلفیوں کا ذکر بھی کرتے وہاں ضرور
پھر سلفیوں کی حالت ابتر کو دیکھتے



آخرش شہر طیبہ میں ہم آگئے

عشق کی منزلوں سے گزرتے ہوئے با ادب اپنے قدموں کو رکھتے ہوئے
لڑکھڑاتے ہوئے پھر سنبھلتے ہوئے آخرش شہر طیبہ میں ہم آگئے
جتنا کھویا تھا اس سے سوا پاگئے

بے نصیبوں کو بھی اب نصیبہ ملا اپنی قسمت پہ روتا تڑپتا رہا
میری قسمت بھی جاگی بفضل خدا آخرش شہر طیبہ میں ہم آگئے
جتنا کھویا تھا اس سے سوا پا گئے

ساعت ہجر آخر ختم ہوگئی دولت دین و دنیا بہم ہوگئی
آنکھ پڑتے ہی جالی پہ نم ہوگئی آخرش شہر طیبہ میں ہم آگئے
جتنا کھویا تھا اس سے سوا پا گئے

کیا بتاؤں کہ ہم کو یہاں کیا ملا جو نہ اب تک ملا تھا وہ سب مل گیا
خاک طیبہ ملی دلربا مل گیا آخرش شہر طیبہ میں ہم آگئے
جتنا کھویا تھا اس سے سوا پاگئے

بے سہارا تھے ہم کو سہارا ملا غرق طوفان تھے اب کنارا ملا
غم کے ماروں کو اس در پہ چارہ ملا آخرش شہر طیبہ میں ہم آگئے
جتنا کھویا تھا اس سے سوا پاگئے

میرے دیدہ کو یاں روشنی مل گئی روح مردہ کو یاں زندگی مل گئی
فکر غافل کو یاں آگہی مل گئی آخرش شہر طیبہ میں ہم آگئے
جتنا کھویا تھا اس سے سوا پاگئے

بیاد: وکیل احناف حضرت مولانا محمد ابوبکر صاحب غازی پوری نور اللہ مرقدہ

جالیوں سے مسلسل میں لپٹا رہا آنسوؤں سے گناہوں کو دھوتا رہا
''السلام علیک'' کو پڑھتا رہا آخرش شہر طیبہ میں ہم آگئے
جتنا کھویا تھا اس سے سوا پا گئے

تا ابد کوئے جاناں ہی منزل رہے در رسولِ خدا اس کا حاصل رہے
دید ہم کو یہاں ان کی حاصل رہے آخرش شہر طیبہ میں ہم آگئے
جتنا کھویا تھا اس سے سوا پا گئے

تاب فرقت کہاں کہ یہاں سے ٹلوں سبز گنبد کے سایہ میں جیتا رہوں
موت آئے تو یا رب یہیں پر مروں آخرش شہر طیبہ میں ہم آگئے
جتنا کھویا تھا اس سے سوا پاگئے



یاران نبی کے ساتھ رہو

بوبکر وعمر کے ساتھ رہو، عثمان وعلی کے ساتھ رہو
اصحاب نبی یاران نبی ، یاران نبی کے ساتھ رہو

حمد خدا بھی پڑھتے رہو، نعت نبی بھی پڑھتے رہو
مدح صحابہ کرتے رہو ، یاران نبی کے ساتھ رہو

جو بغض صحابہ رکھتے ہیں ان سے رشتہ رکھنا کیا
رشتہ ان سے توڑو تم ، یاران نبی کے ساتھ رہو

رشتہ ان سے محکم ہو اللہ جس سے راضی ہو
خاصان خدا کے ساتھ رہو، یاران نبی کے ساتھ رہو

حب صحابہ دل میں ہے بوبکر کو دولت کیا کم ہے
اس کا اتنا کہنا ہے ، یاران نبی کے ساتھ رہو

دین کا پرچم لہرایا طاغوت منھ کے بل آیا
اس کام کو کس نے دکھلایا، یاران نبی کے ساتھ رہو

بیاد: وکیل احناف حضرت مولانا محمد ابوبکر صاحب غازی پوری نور اللہ مرقدہ

حب صحابہ حب نبی ، بغض صحابہ بغض نبی
ارشاد ہے کس کا یاد کرو ، یاران نبی کے ساتھ رہو

معصوم نبی کی ذات ہے ، محفوظ مگر اصحاب بھی ہیں
اس کے سوا تم کچھ نہ سنو ، یاران نبی کے ساتھ رہو

یوسف بھولا پڑھتا رہا مجمع سارا سنتا رہا
جس نے سنا وہ بول اٹھا ، یاران نبی کے ساتھ رہو



نوٹ) یہ اشعار عزیزم قاری محمد یوسف بھولا سلمہ مقیم حال امریکہ کی فرمائش پر کہے گئے ہیں ۔ [محمد ابوبکر غازی پوری]

معصوم کی دعا

میرے آقا مجھے علم کی دولت دیدے
مال و زر سے نہیں ، علم سے عزت دیدے

میں رہوں تابع فرمان محمد ﷺ ہر دم
مجھے احمد مرسل ﷺ کی محبت دیدے

مال و دنیا کی طمع مجھ کو نہ ستائے مولا!
فکر عقبیٰ مجھے دے اپنی محبت دیدے

کوثر و تسنیم سے مخمور مجھے کردے
اپنے محبوب کی ، جنت میں رفاقت دیدے

دست باطل نے بہت ظلم ہے ڈھایا ربّا!
قصر باطل کو گرادوں مجھے طاقت دیدے

پرچم دین محمد کا نگہبان رہوں
مجھے اس بات کی یا رب تو سعادت دیدے

بیاد: وکیل احناف حضرت مولانا محمد ابوبکر صاحب غازی پوری نوراللہ مرقدہ

ذکر تیرا ہی رہے میری زباں پہ ہر دم
مجھ کو محروم نہ کر مجھ کو یہ نعمت دیدے

دین کی شمع کا پروانہ بنادے مجھ کو
میرے ہاتھوں میں تو پرچم سنت دیدے

تجھ سے میری دعا ہے میرے آقائے کریم
معاف کردے گناہوں کو تو جنت دیدے



حضرت قاری محمد طیب صاحب نوراللہ مرقدہ کی یاد میں

تھا زمین پر جو مثال آسماں جاتا رہا

آبروئے دین و ملت کا نشاں جاتا رہا
کاروان علم کا وہ پاسباں جاتا رہا
جس کے دم سے زندگی تھی قوم کی تابندہ تر
وہ چراغ روشن کوکب نشاں جاتا رہا
کاروان علم کا جو قافلہ سالار تھا
چھوڑ کر ہم کو وہ میر کارواں جاتا رہا
وہ کہ جس کو دیکھ کر ہوتے تھے دل سب کے نہال
وہ سکون قلب وہ آرام جاں جاتا رہا
نطق جس کا قلب مردہ کے لیے آب حیات
وہ خطیب قوم و ملت خوش بیاں جاتا رہا
جس کی ہر ہر بات تھی اک علم و دانش کی کتاب
ہائے وہ شیریں سخن وہ خوش بیاں جاتا رہا
یادگار قاسم و محمود جس کی ذات تھی
تھا سلف کا آخری جو اک نشاں جاتا رہا
رہ گذار زندگی میں آنے والوں کے لیے
چھوڑ کر اپنا وہ نقش جاوداں جاتا رہا

بیاد: وکیل احناف حضرت مولانا محمد ابوبکر صاحب غازی پوری نوراللہ مرقدہ

قوم کو جس نے دکھائی تھی رہِ رشد و نجات
قوم و ملت میں جو تھا گوہر فشاں جاتا رہا
شارح قرآن و سنت واقف اسرار دیں
دین حق کا ترجمان و پاسباں جاتا رہا
عارف سر حقیقت تابش نور جمال
تھا زمانہ میں جو مثل کہکشاں جاتا رہا
جس کا ڈنکا بج رہا تھا عالم اسلام میں
بت کدے میں دے رہا تھا جو اذاں جاتا رہا
جس کے سینے میں تڑپ تھی ملت اسلام کی
اب وہ فخر قوم و ملت از میاں جاتا رہا
جس سے ہوتے تھے عیاں سب رازہائے زندگی
زندگی کے راز کا وہ راز داں جاتا رہا
زندگی کی راہ میں اک نیر تاباں جو تھا
جس کا ہر نقش قدم تھا ضو فشاں جاتا رہا
وہ امین علم و حکمت نکتہ سنج و نکتہ رس
یادگار قاسمی کا وہ نشاں جاتا رہا
مظہر شان جمال مصطفیٰ تھی جس کی ذات
وہ جمال مصطفیٰ کا اک نشاں جاتا رہا
دل پریشاں روح مضطر بات کچھ آتی نہیں
چھوڑ کر ہم کو یہاں وہ خود کہاں جاتا رہا
خوب صورت خوب سیرت پاک باطن جس کی ذات
تھا زمیں پر جو مثال آسماں جاتا رہا

ہائے میں کیسے کہوں کہ یاں سے وہ کیسے گیا
لے کے اپنے دل میں زخم خوں چکاں جاتا رہا
لم یکن فی عصرنا احد یدانی فضلہ
چھوڑ کر اپنا یہاں نام و نشاں جاتا رہا
خیرہ قد شاع فیما بیننا لا ریب فیہ
برکت اہل زماں فخر زماں جاتا رہا
لم یزل سعیہ فی نشر دین المصطفیٰ
امتحاں گاہ عمل سے کامراں جاتا رہا
لا تلم یا لائمی! قد طاب عندی ذکرہ
اس جہاں سے ساکن باغ جناں جاتا رہا
طیب اللہ ثراہ ، انعم اللہ علیہ
از میان قوم میر کارواں جاتا رہا



دنیا عجب ڈھنگ سے تو نے خدا بنائی

تیرا جلوہ ہر جگہ تیری شان کبریائی تو نے فلک بنایا تو نے زمین بنائی
دنیا عجب ڈھنگ سے تو نے خدا بنائی
کبھی بدلیوں کا آنا کبھی ان کا روٹھ جانا کہیں گل کی حکمرانی کہیں خار کی خدائی
دنیا عجب ڈھنگ سے تو نے خدا بنائی
کہیں خشک پتہ پتہ کہیں مینہ خوب برسا کہیں موسم خزاں تو کہیں ہے بہار آئی
دنیا عجب ڈھنگ سے تو نے خدا بنائی
کہیں جنگلوں کی دنیا کہیں بہ رہا ہے دریا کہیں پربتوں کی چوٹی کہیں اگ رہی ہے رائی
دنیا عجب ڈھنگ سے تو نے خدا بنائی
کہیں برق و باد وطوفاں کہیں شور موج دریا کہیں رات کا ہے آنا کہیں صبح مسکرائی
دنیا عجب ڈھنگ سے تو نے خدا بنائی
کہیں کھیل ساغروں سے کہیں دیر سج رہا ہے کہیں لب پہ مسکراہٹ کہیں آنکھ ڈبڈبائی
دنیا عجب ڈھنگ سے تو نے خدا بنائی
کہیں تپ رہا ہے صحرا سورج کی گرمیوں سے کہیں گلستاں میں دیکھا کوئل ہے چہچہائی
دنیا عجب ڈھنگ سے تو نے خدا بنائی
یہ پیڑ پھول پودے یہ رنگ بیل بوٹے تیری ذات کے کرشمے تیری شان دلربائی
دنیا عجب ڈھنگ سے تو نے خدا بنائی
ہر شاخ گل خدایا! تسبیح خواں ہے تیری تو نے چمن میں مولا! شبنم کی تہ بچھائی
دنیا عجب ڈھنگ سے تو نے خدا بنائی

بیاد: وکیل احناف حضرت مولانا محمد ابوبکر صاحب غازی پوری نور اللہ مرقدہ

ہر پھول ہر کلی میں ہر شاخ کی نمی میں ظلمت میں روشنی میں تیری شان خود نمائی

دنیا عجب ڈھنگ سے تو نے خدا بنائی

کوئی دین سے پھرا ہے کوئی مرد با صفا ہے کہیں طاقتوں کی دنیا کہیں ہے شکستہ پائی

دنیا عجب ڈھنگ سے تو نے خدا بنائی

فرش زمیں کے نیچے عرش بریں کے اوپر تیرا ہر جگہ کرشمہ تیری ہر جگہ خدائی

دنیا عجب ڈھنگ سے تو نے خدا بنائی



تمنا دعا التجا

ہے مختصر سی زندگی یا رب تو یوں کٹے
ہر آن تیرا نام زباں پر مری رہے

یا رب یہ آرزو ہے مدینہ میں جا بسیں
باقی جو زندگی ہے وہیں پر گزار دیں

تیری رضا کے طالب ہر دم خدا رہیں
تیری رضا کے خاطر یا رب جئیں مریں

ہر معصیت سے دور خدایا رہا کریں
جو تو کہے خدایا اسی پر عمل کریں

اپنے سوا کسی کا سوالی نہ تو بنا
سیدھا جو راستہ ہے خدایا اسے دکھا

حسن عمل سے زندگی میری سنوار دے
توفیق کار خیر کی پروردگار دے

سینہ ہمارا علم کی دولت سے بھر دے تو
فضل و کرم سے اپنے بچا میری آبرو

دشمن ہمارا نفس ہے یا رب بہت بڑا
ہم کو ہمارے نفس سے میرے خدا بچا

طاعت سے زندگی کو تو میری سنوار دے
جس کو خزاں نہ آئے تو ایسی بہار دے



حافظ ابن حجر اور علامہ عینی کے بارے میں احقر کا خیال

یہ ٹھیک ہے کہ ابن حجر ہیں بڑے امام
عینی بھی ان سے کم نہیں در معرض کلام

اُن کی مثال گر نہیں در وسعت نظر
اِن کی مثال بھی نہیں در دقت نظر

حفظ متون میں اگر حافظ کے نام ہیں
عینی لغت نحو و صرف کے امام ہیں

میرا تو فیصلہ ہے یہ دونوں کو دیکھ کر
یاں دقت نظر واں وسعت نظر

موجوں کا جوش دیکھتے ہیں سطح بحر پر
موتی نکالتے ہیں سمندر میں ڈوب کر

❑❑❑

گوشہ حضرت قاری ولی اللہ صاحب:

مجموعۂ محاسن ومکارم
حضرت مولانا حافظ قاری ولی اللہ صاحب

عارف باللہ حضرت مولانا اعجاز احمد اعظمی صاحب

زباں پہ بار خدا یہ کس کا نام
کہ نطق نے مرے، بوسے مری زبان کے لیے

اے کہ مجموعۂ خوبی! بچہ نامت خوانم:

ایک ایسی شخصیت جو محبّ بھی ہے اور محبوب بھی! خادم بھی ہے اور مخدوم بھی! دلفگار بھی ہے اور دلآویز بھی! وہ حاجی بھی ہے اور معلم الحجاج بھی! حاجی ایک سال کا نہیں ہر سال کا! صرف معلم الحجاج ہی نہیں رہبر حجاج بھی! مخدوم ایسا کہ اس کی خدمت کر کے دل نہال ہو جائے! اور خدمت گزار ایسا کہ اس کی رفاقت کے تصور سے طبیعت شگفتہ ہو جائے۔ اس کی صحبت میں بیٹھئے تو اس کی باتیں دل نواز! اس سے رخصت ہوئیے تو اس کی دعائیں ہمدم ودم ساز! وہ مسجد نور کا امام و خطیب ہے جس کے منبر ومحراب سے وہ حق وہدایت کی نور پاشی کرتا ہے۔ سفر حج میں اس کے ساتھ ہو جائیے تو سفر سوارت ہو جائے۔ حج کی حلاوت مل جائے۔ وہ قلب وباطن کا ولی اللہ! وہ قول وعمل کا ولی اللہ! اور نام بھی اس کا ولی اللہ! سبحان اللہ، نور علیٰ نور۔

ان سے میرا تعارف سفر حج میں ہوا۔ غائبانہ واقفیت پہلے سے تھی، وہ بھی شاید مجھے جانتے تھے۔ سفر حج میں تعارف ہوا، قرب ہوا، ان کی خوبیوں کا اندازہ ہوا۔ وہ حاجیوں کے بے عذر خدمت گزار ہیں۔

حج کا سفر بڑی مشقت اور دشواری کا سفر ہے۔ یہ ایک بھٹی ہے جو انسان کے اندرون کو

کھول کر باہر کردیتی ہے۔ کتنے لوگ جن میں باہم دلی دوستی محسوس ہوئی ،سفر حج نے دونوں کے اوراق باطن کو الٹا تو ہر صفحہ عداوت کے دھبوں سے سیاہ نظر آیا۔ بات بات میں الجھ پڑنا، لڑ جانا، بارہا دیکھا۔لیکن قاری صاحب کو بہت قریب سے دیکھا۔ مسلسل چالیس روز تک دیکھا۔ تند طبع اور شعلہ مزاج رفقا کے ساتھ دیکھا۔ بہت باتونی اور سراپا سکوت لوگوں کے درمیان دیکھا۔ مگر ان کا تحمل، ان کی دلنوازی، ان کی دلآویز مسکراہٹ اور ان کی خدمت گزاری میں کوئی فرق نہیں پایا۔ جس کام کے لیے ان سے گزارش کیجیے بالکل تازہ دم اور مستعد! گزارش کرنے والے سے زیادہ اس کے لیے فکر مند!

قاری صاحب نے ابتدائی تعلیم حفظ قرآن سے شرح وقایہ تک اپنے والد مکرم سے حاصل کی۔ اس کے بعد دارالعلوم مئو میں مشکوۃ شریف تک تعلیم پائی اور دورہ حدیث شریف کے لیے جامعہ مظاہر علوم سہارن پور حاضر ہوئے۔ ذہانت وذکاوت کا جوہر خداداد تھا، اس پر سے والد مکرم کی ابتدائی تعلیم کی وجہ سے صرف ونحو میں خوب پختگی تھی۔ عبارت خوانی کا ملکہ تھا۔ جہاں گئے اساتذہ کے منظور نظر بن کر رہے۔ دورہ حدیث کی تمام کتابوں بالخصوص بخاری شریف کی زیادہ تر قرأت پورے سال قاری صاحب ہی نے کی۔ اور بڑی بات یہ کہ پورے سال میں کسی سبق کا ناغہ نہیں ہوا، اور نہ ہی کوئی حدیث قرأت یا سماعت سے فوت ہوئی۔ بیماری ہو یا صحت، تکلیف ہو یا آرام، ہر صورت میں اسباق کی حاضری برقرار رہتی۔

فراغت کے بعد کچھ دنوں اعظم گڑھ شہر میں تدریس کی خدمت انجام دی۔ پھر حالات نے بمبئی پہنچا دیا۔ اب عرصہ سے نور مسجد میں امام وخطیب ہیں۔ قاری صاحب نے بمبئی کو بہت کچھ دیا۔ دینداروں کا ایک طبقہ قاری صاحب کی برکت سے وجود میں آیا۔ علما ومشائخ حقہ کے پہنچنے کی راہیں ہموار ہوئیں۔ قاری صاحب کا تعلق بیعت واصلاح مصلح الامت حضرت شاہ وصی اللہ صاحب علیہ الرحمہ سے تھا۔ حضرت کے وصال کے بعد ان کے خلیفہ حضرت مولانا شاہ عبدالحلیم صاحب جون پوری کی خدمت میں رجوع کیا اور وہاں سے اجازت وخلافت سے نوازے گئے۔ قاری صاحب کو اپنے والد گرامی سے بھی اجازت حاصل ہے۔



کیا لوگ تھے جو راہ وفا سے گزر گئے

حضرت مولانا قاری ولی اللہ صاحب

مولانا مفتی عزیز الرحمان صاحب شہیدؔ فتح پوری
مفتی اعظم مہاراشٹر

ممبئی شہر کے بزرگ عالم دین حضرت مولانا قاری ولی اللہ صاحب کا سانحہ ارتحال یقیناً قومی وملی سانحہ ہے۔ حضرت مولانا شوکت صاحب خطیب جامع مسجد کے بعد ایک ہی سال میں یہ دوسرا سانحہ ہے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

قاری صاحب کا آبائی وطن اعظم گڑھ (اور اب مئو) کا مشہور گاؤں فتح پور تال نرجا ہے جو حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب کی نسبت سے اہل علم میں بطور خاص معروف ہے۔ حضرت قاری صاحب کا تعلق بھی اسی خانوادے سے تھا۔ آپ کے والد مولانا عبدالقیوم صاحب مستند عالم دین اور دارالعلوم کے فاضل تھے۔ کچھ عرصہ حضرت تھانوی سے بھی انھوں نے استفادہ کیا تھا اور ان کے مجاز صحبت تھے۔ عرصۂ دراز تک بارہ بنکی میں رہ کر ابتدا سے دورہ حدیث تک کی کتابیں پڑھائیں۔ آخر عمر میں اپنے گاؤں میں ہی انوارالعلوم کے نام سے ایک مکتب قائم کر کے خدمت انجام دیتے رہے۔

قاری صاحب انھی مولانا عبدالقیوم صاحب کے صاحبزادوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ سب سے بڑے قاری عبدالسلام صاحب تھے جو مرغی گر بن مسجد ممبئی میں امام رہے اور کئی

سال پہلے یہیں انتقال ہوا۔ان سے چھوٹے تھے قاری انصار اللہ، جو کاٹی پورہ رحمت مسجد میں امام تھے مگر معذوری کی بنا پر گوشہ نشین ہیں۔حافظ عبدالمنان صاحب وطن ہی میں رہے اور اب بھی باحیات ہیں۔

قاری صاحب نے ابتدائی تعلیم اپنے والد مرحوم سے حاصل کرنے کے بعد دارالعلوم مئو میں داخل ہوکر مشہور قاری ،قاری عبدالرحمان الہ آبادی سے قرأت وتجوید کی تکمیل کے ساتھ درسیات کی تعلیم حاصل کی ۔پھر مظاہر علوم سہارن پور میں رہ کر ۱۹۵۲ء میں فراغت حاصل کی ۔اس کے بعد غالباً ۱۹۵۳ء میں ممبئی آگئے ۔شروع میں دادر کبوتر خانہ مسجد میں ایک سال تک امام وخطیب رہے پھر کچھ عرصہ پریل کی کسی مسجد میں رہنے کے بعد ۱۹۵۵ء میں نور مسجد ڈونگری میں امامت کی ذمہ داری سنبھالی، جہاں تقریباً ساٹھ برس تک بے شمار لوگوں نے روحانی اور علمی فیض حاصل کیا۔

مرحوم جمعہ کے خطبہ سے پہلے انتہائی سادگی کے ساتھ اپنے مختصر خطاب میں مفید اور اصلاحی پہلوؤں پر تسلسل کے ساتھ گفتگو کرتے تھے، جو عوام وخواص سب کے لیے سود مند ہوتی تھی ۔عرصہ تک نماز فجر کے بعد صرف ایک مسئلہ بیان کرنے کا معمول تھا، جسے سننے کے لیے دور دور سے لوگ آتے تھے۔قرآن کریم کی تفسیر کا مخصوص حلقہ تھا جس میں شہر کے کئی نامور ڈاکٹر بطور خاص شریک ہوتے تھے۔عصر کے بعد بھی مجلس ہوتی تھی ۔آپ کی سادگی متانت اور اخلاق نے ہر ایک کو آپ کا گرویدہ بنا رکھا تھا۔اختلافی پہلوؤں سے بچ کر خالص اصلاحی انداز میں آپ نے جس طرح عوام تک دین پہنچانے کا طریقہ اختیار کر رکھا تھا اس کی بنا پر نور مسجد کو ایک طرح کی مرکزیت حاصل ہوگئی تھی ،اور ساتھ ہی آپ کی مسجد مدارس کے سفرا کی آماجگاہ بھی تھی ۔

ممبئی آنے والے بہت سے علما حضرت قاری صاحب کی ملاقات کے لیے نور مسجد ضرور حاضر ہوتے تھے۔قاری صاحب کی طرف اکابر کی خصوصی توجہات تھیں ۔یہی وجہ ہے کہ نور مسجد میں حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی ،حضرت حکیم اختر صاحب ،مولانا عبدالحلیم صاحب جون پوری، قاضی مجاہدالاسلام، قاری صدیق احمد صاحب باندوی اور حضرت علی میاں ندوی کی تشریف آوری کے موقع پر وقتاً فوقتاً ان حضرات کے بیانات بھی یہاں ہوتے رہے۔حضرت قاری صدیق صاحب تو ممبئی تشریف لانے کے بعد اکثر ،خاص کر نمازوں کے اوقات میں نور مسجد ہی میں رہنا

پسند فرماتے تھے۔حضرت قاری ولی اللہ صاحب کا تعلق صرف اکابر ہی سے نہیں تھا،آپ اصاغر سے بھی بڑی شفقت سے ملتے تھے۔ممبئ میں قیام پذیر بیشتر علما کا حضرت سے کسی نہ کسی درجہ میں ربط وتعلق تھا اور مدارس ومکاتب کے قیام کی فکر جو حضرت قاری صدیق صاحب کو تھی وہی فکر قاری ولی اللہ صاحب کو بھی تھی۔ممبئ ہی نہیں مہاراشٹر بلکہ ملک کے سینکڑوں مدارس کے آپ سرپرست اور معاون تھے۔آپ کے والد صاحب نے گاؤں میں جو مدرسہ مکتب کی شکل میں قائم کیا تھا قاری صاحب مرحوم نے اسے باقاعدہ بڑے مدرسہ کی شکل میں تبدیل کرکے دینی علوم کی نشر واشاعت کا اہم مرکز بنادیا۔دیگر مدارس کے تعاون میں بھی پیش پیش رہتے تھے۔جمعہ کے دن آپ کسی ایک مدرسہ کا تعارف خود کراتے تھے اور تعاون کی ترغیب بھی دیتے تھے۔اس کے لیے مدرسہ والوں کو پہلے سے وقت لینا پڑتا تھا۔

اللہ تعالی نے قاری صاحب کو سالہا سال تک سلسلہ سفر حج کی سعادت بخشی۔ڈائلیسیس شروع ہونے کے بعد حج کے لیے جانا ملتوی ہوگیا تھا مگر عمرہ کے لیے پھر بھی ہر سال تشریف لے جاتے تھے۔آپ کے بھتیجے ڈاکٹر انعام اللہ صاحب کے مطابق آپ نے کل ۳۴؍حج کیے،عمروں کے تعداد اس کے علاوہ ہے۔یہ بڑی سعادت ہے جو قاری صاحب کو حاصل ہوئی۔

قاری صاحب جید الاستعداد عالم تھے۔شروع میں کچھ مدت تک ممبئ کے مشہور مدرسہ دارالعلوم امدادیہ میں جب وہ دوٹاکی میں تھا،درس وتدریس کا مشغلہ بھی رہا۔مطالعہ وسیع تھا اور کتابوں سے خاص شغف تھا۔اپنے ذوق اور حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب اور مولانا ظہور الحسن صاحب کی ایما پر امامت وخطابت کے ساتھ ساتھ کتابوں کی طباعت واشاعت کا کام بھی شروع کیا۔محمد علی روڈ پر مکتبہ اشرفیہ آپ ہی کا قائم کردہ ہے جس کی نگرانی حضرت قاری صاحب کے بڑے صاحبزادے محبوب اللہ کے ذمہ ہے۔کتابیں جو مکتبہ اشرفیہ نے شائع کیں وہ زیادہ تر اکابر کے ملفوظات،مواعظ اور تصوف کے مباحث پر مشتمل ہیں۔اور یہ بھی کوشش رہی ہے کہ یہ کتابیں اہل علم اور مدارس تک پہنچیں۔

آپ کے ذریعہ شائع ہونے والی کتابوں کی ایک طویل فہرست ہے۔کئی کتابیں جو عموماً دلی ودیوبند کے مکتبوں میں نہیں ملتی تھیں،مکتبہ اشرفیہ کی وجہ سے قارئین تک پہنچیں۔

اکابر اور تصوف سے مناسبت صرف مناسبت کی حد تک نہ تھی بلکہ آپ اس میدان کے شہ سوار تھے۔ چنانچہ حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جون پوری سے آپ کو اجازت بیعت حاصل تھی۔ اگر چہ آپ روایتی پیر نہیں تھے لیکن ممبئ، اطراف ممبئ اور ملک کے کئی علاقوں میں آپ کے مریدین موجود ہیں اور کچھ حضرات کو آپ سے اجازت بھی حاصل ہے۔ آپ کے اصلاحی کاموں کا یہ بھی ایک شعبہ تھا، جب کہ آپ کی زندگی اس پر شاہد ہے کہ نور مسجد میں رہ کر آپ نے ان تمام لوگوں کی رہنمائی کا کارنامہ انجام دیا جو آپ سے وابستہ رہے یا صرف آپ کے پیچھے پابندی سے نماز پڑھتے رہے۔ اپنے مختصر بیانات کے ذریعہ ذہن سازی آپ کے حکیمانہ اسلوب کا بہترین ثبوت ہے جو دلوں پر اثر انداز ہوتا ہے، صرف کانوں تک جا کر محو نہیں ہو جاتا تھا۔ آپ کے حلقہ احباب میں ہر طرح کے لوگ تھے جو اپنی مشکلات میں آپ سے رجوع کرتے تھے اور بسا اوقات خانگی معاملات میں آپ کے مشورہ سے کے مطابق فیصلہ کرتے تھے۔ آپ کے حلقہ اثر کا اندازہ جنازہ میں شریک لوگوں کی تعداد سے بھی لگایا جا سکتا ہے جب کہ سب جگہ بروقت خبر بھی نہیں پہنچ سکی تھی۔ حضرت تو دنیا سے رخصت ہو کر واصل بحق ہو گئے لیکن جو مشن اور عوامی اصلاح کا جو اسلوب آپ نے دیا ہے وہ آپ کی یادگار رہے۔

آپ کے پسماندگان میں دو صاحبزادے محبوب اللہ اور منصور اللہ ہیں۔ اول الذکر حضرت کی جگہ اور نور مسجد کے امام ہیں اور کتابوں کے کاروبار کی دیکھ بھال بھی کرتے ہیں۔ ثانی الذکر سعودی عرب میں مقیم ہیں۔ اللہ انھیں سلامت رکھے اور بزرگوں کے مشن کو قائم رکھنے بلکہ اسے بڑھانے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ پانچ صاحبزادیاں ہیں جو سب شادی شدہ ہیں۔ ان کے علاوہ بے شمار اہل تعلق و متوسلین ہیں جو اس غم کو غم سمجھ کر رنجیدہ تو ہیں مگر راضی برضا اور اس حقیقت سے بخوبی آشنا ہیں کہ جو آیا ہے اسے ایک دن اپنے رب کے حضور جانا ہے۔ موت سے کس کو رستگاری ہے۔

قاری صاحب کا دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارن پور، ندوۃ العلما لکھنؤ اور وہاں کے اکابر سے خصوصی ربط و تعلق رہا ہے۔ جامعہ عربیہ ہتھورا اور ریاض العلوم گورینی کی مجلس شوری کے رکن بھی تھے اور جب تک صحت رہی ہر اجلاس میں پابندی سے شرکت فرماتے رہے۔ جامعہ عربیہ

ہتھورا اور حضرت باندوی کے ساتھ ابتدا ہی سے قریبی تعلق رہا ہے۔

حضرت قاری صاحب کو تصنیف وتالیف کا ذوق بھی بدرجہ اتم ودیعت ہوا تھا لیکن گونا گوں مصروفیات کی بنا پر اسے مستقل مشغلہ نہیں بنا سکے۔ تاہم دو مختصر کتابیں آپ کی اہم علمی یادگار ہیں۔ آپ بیماری کی شدت سے پہلے ہر سال حج کے لیے تشریف لے جاتے تھے، اس لیے مسائل حج کے استحضار کے علاوہ حاجیوں کو درپیش مسائل سے بھی مکمل واقفیت رکھتے تھے۔ آپ کی کتاب ''حج کا ساتھی'' برسہا برس کے تجربات اور معلومات کا نچوڑ ہے جس میں آسان اسلوب میں ایسے تمام مسائل کو بطور خاص یکجا کر دیا گیا ہے جن کی حاجیوں کو عام طور سے ضرورت پیش آتی ہے۔ دوسری کتاب دعاؤں پر مشتمل ہے، یہ بھی مقبول اور مفید ثابت ہوئی۔

حضرت قاری صاحب کسی بھی نوع کی سیاست اور گروہ بندی یا گروہی عصبیت سے دور رہ کر دینی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ گویا وہ سب کے تھے اور سب ان کے تھے۔ آپ کے اس مزاج نے ہر طبقہ میں آپ کو ہر دلعزیز بنا رکھا تھا۔ بایں ہمہ حق بات کہنے میں کسی مداہنت سے کام نہیں لیتے تھے لیکن انداز غم خواری اور اصلاح کا ہوتا تھا، اسی لیے اثر انداز بھی تھا۔ مسائل پر گہری نظر تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کبھی کچھ دریافت کرتے تو بہت سنبھل کر مکمل یکسوئی کے ساتھ جواب دینا پڑتا تھا حالاں کہ وہ مجھ پر اعتماد بھی کرتے تھے اور ان کا یہ اعتماد میرے لیے کسی سند سے کم نہیں۔

آپ کے یہاں سادگی تھی، تکلف اور تصنع دور دور تک نہیں تھا۔ ہٹو بچو والے جھمیلے آپ کے اردگرد نہیں رہے۔ یہ وہ خوبیاں ہیں جنھوں نے آپ کو دوسروں سے ممتاز کر رکھا تھا:

کیا لوگ تھے جو راہ وفا سے گزر گئے
جی چاہتا ہے نقش قدم چومتے چلیں



ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

مولانا خبیب ندوی صاحب
فتح پور تال نرجا، مئو

یقیناً موت ایک ایسی شئی جس کا اعتراف بڑے بڑے سور ماؤں کو کرنا پڑا ہے۔ موت وہ اٹل حقیقت ہے جس کو قبول کرنا ہی پڑتا ہے اور اس دنیا کا ہر فرد بشر رخصت ہونے والا ہے لیکن اس دنیا میں کچھ ایسے بھی انسان ہیں جن کے جانے کا ملال بہت دنوں تک باقی رہتا ہے، جن کی جگہ برسوں پر نہیں ہو پاتی۔ ان کے جانے سے ایسا خلا پیدا ہوتا ہے جس کی تلافی صرف اللہ رب العزت کی طرف سے ہی ہوسکتی ہے۔ کچھ انھیں صفات وخصوصیات کی حامل ایک شخصیت فتح پور تال نرجا سے اٹھی تھی جسے زمانہ داعی ومبلغ حضرت مولانا قاری ولی اللہ صاحب فتح پوری کے نام سے جانتا ہے۔ حضرت مولانا کی ذات ایک انجمن کے مانند تھی۔ مولانا ایک کارواں کی حیثیت رکھتے تھے۔ ایسا کارواں جس کے پیچھے ایک دو نہیں بلکہ سینکڑوں قافلے رواں دواں ہوتے تھے۔ ابھی کتنے دن پہلے کی بات ہے کہ میر کارواں ہمارے درمیاں موجود تھا، اور اس کے وجود کی نعمت سے ہم متمتع ہوا کرتے تھے، اور پھر ایک دن کاروبار دنیا سے اس نے خاموشی کے ساتھ آنکھیں پھیر لی اور سب کو ملول ورنجیدہ کر کے مالک حقیقی کے پاس چلا گیا۔

حضرت قاری صاحب کا تعلق ضلع مئو کے ایک مردم خیز گاؤں فتح پور تال نرجا سے تھا۔ ۱۹۳۲ء میں آپ نے زندگی کی پہلی بہار دیکھی۔ ان کے والد محترم جناب قاری عبدالقیوم صاحب کا شمار علاقہ کے ممتاز عالموں اور قاریوں میں ہوتا تھا۔ ابتدائی تعلیم وتربیت انھیں کی زیر تربیت انجام

پائی اور شاید قاری عبدالقیوم صاحب نے آپ کی ذات میں وہ نقوش دیکھے جس میں ان کو شاندار مستقبل کے اثرات دکھائی دیے اور انھوں نے یہ چاہا کہ ان کا یہ فرزندار جمند ملت کے مقدر کا ستارہ بنے۔ اسی لیے اعلیٰ تعلیم کے لیے دارالعلوم مئو روانہ کیا۔ یہاں عربی وفارسی کے ساتھ تجوید وقرأت کا شغف ان کے تمام علوم پر غالب آیا، اسی بنا پر وہ پورے ہندوستان میں حضرت قاری صاحب کے نام سے مشہور ومعروف ہوئے۔ لیکن ابھی علم کی پیاس بجھنے نہیں پائی تھی، کچھ نئے کی تڑپ اور لگن نے مئو سے سہارن پور کی طرف روانہ کردیا اور مظاہر علوم سہارن پور سے دورہ حدیث تک کی تعلیم حاصل کی اور مشہور زمانہ محدث عصر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب سے شرف تلمذ حاصل کیا اور ان کے شاگرد خاص رہے۔ ان کے برادا کبر حافظ عبدالمنان صاحب کا بیان ہے کہ آپ کبھی بھی شیخ زکریا کے درجہ سے غیر حاضر نہیں ہوئے۔ بیماری کی حالت میں شانوں پر لحاف و کمبل لپیٹ کر درس گاہ میں حاضر ہوتے اور اسباق کا ناغہ نہ ہونے دیتے۔ تعلیم وتعلم سے فراغت کے بعد عملی زندگی میں قدم رکھا تو حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب کے ایما پر اعظم گڑھ کی ایک مسجد میں امامت اور درس وتدریس کے فرائض انجام دیے۔

کچھ سالوں کے بعد آپ نے اعظم گڑھ کو خیر باد کہا اور ۱۹۵۲ء میں شہر ممبئی کی طرف روانہ ہوئے اور ڈونگری میں واقع مسجد نور کی امامت کی ذمہ داری سنبھالی اور ساتھ ہی ایک خلق عظیم کی اصلاح وتربیت کا فریضہ بھی انجام دیا۔ حضرت قاری صاحب کی خدمت میں ہر وقت ایک ہجوم رہتا۔ لوگ اصلاح کی غرض سے آپ کے پاس آتے۔ آپ کا سلسلہ بیعت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ نوراللہ مرقدہ سے تھا۔ مصلح الامت ہی کی طرز پر آپ بھی پند ونصائح اور دینی باتوں کی مجالس کا انعقاد کرتے۔ حضرت قاری صاحب کی مجلس کا ایک الگ رنگ ہوتا تھا۔ بعد نماز عصر متصلاً آپ کی مجلس شروع ہوتی اور مجلس میں شریک ہونے والے اور اصلاح کی غرض سے آئے لوگ ہمہ تن گوش ہوجاتے اور یہ سلسلہ مغرب تک جاری رہتا۔ مجلس کے اختتام پر لوگ جب اٹھتے تو ایک عجیب لطف کا احساس لے کر اٹھتے اور دل کی دنیا میں خاصا تغیر محسوس کرتے۔

حضرت قاری صاحب کے کارنامے بے شمار ہیں جن کا احاطہ میرا یہ مختصر مضمون ہرگز نہیں کرسکتا۔ لیکن ان کے ایک کارنامہ کا تذکرہ ضروری ہے جو ان کے لیے بہترین صدقہ جاریہ بھی

ہے۔ وہ مسجد مدرسہ انوار العلوم فتح پور تال نرجا کا قیام ہے۔ یوں تو یہ مدرسہ ان کے والد محترم قاری عبدالقیوم صاحب کا قائم کردہ ہے لیکن ان کے بعد باقاعدہ شناخت اس مدرسہ کو حضرت قاری صاحب ہی نے دلائی ہے۔ مدرسہ انوار العلوم کا یہ سفر ماضی قریب میں حافظ قمرالدین صاحب کے ایک برآمدے سے ہوا اور آج قاری صاحب کی محنتوں اور قربانیوں نے اس کو ایک عالی شان اور دیدہ زیب عمارت میں تبدیل کر دیا ہے، جہاں سینکڑوں تشنگان علم اپنی علمی پیاس بجھا رہے ہیں اور آس پاس کے اضلاع کے طلبہ بھی اس سے مستفید ہو رہے ہیں۔

حضرت قاری صاحب کی ذات والا صفات پر جتنا لکھا جائے کم ہے۔ ان کے جانے کا دکھ اور ملال ہر فرد کو ہے۔ دل گھبرا کر ایک سوال کرتا ہے کہ اب یہ خلا کیسے پر ہوگا؟ ان کی ذات سے وابستہ افراد کو اللہ رب العزت صبر جمیل عطا فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔ آمین



ممبئی کا قطب
حضرت مولانا قاری ولی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ

محمد عرفات اعجاز اعظمی

داناؤں کا قول ہے کہ کسی کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنے سے پہلے اس کی ذات کے بیشتر پہلوؤں کو پرکھ لینا چاہئے۔ بصورت دیگر خواہ مخواہ اپنی قائم کردہ رائے پر شرمندہ ہونا پڑے گا۔ اس قول کی صداقت کا انکشاف مجھ پر حضرت قاری ولی اللہ صاحب سے چند ملاقاتوں کے بعد ہوا۔ قاری صاحب سے پہلی ملاقات اس وقت ہوئی جب میں والد صاحب کی علالت کے وقت والد صاحب کے ساتھ ممبئی میں مقیم تھا۔ اس ملاقات سے پہلے ہی قاری صاحب کی نیک نامی اور ان کے تدین وتقوی کے آوازہ سے میرے دل ودماغ آشنا ہوچکے تھے۔ والد صاحب کی زبانی متعدد باران کا ذکر خیر سن چکا تھا، اور سفر نامہ حج ''بطواف کعبہ رفتم'' میں ان کا محبت آمیز تذکرہ والد صاحب کے قلم سے پڑھ چکا تھا۔ اور مجھے یہ بھی بخوبی معلوم تھا کہ والد صاحب صرف ان سے محبت ہی نہیں رکھتے بلکہ ان سے دلی عقیدت بھی ہے۔ والد صاحب محبت تو تقریباً تمام خرد و بزرگ ملنے والوں سے کرتے تھے مگر ان کی عقیدت کا معاملہ ذرا ہٹ کے تھا۔ عقیدت کا ربط ذرا کم ہی لوگوں سے تھا۔ اس لیے قاری صاحب سے ان کا عقیدت کا اظہار کرنا میرے لیے ایک بڑی بات تھی، جس کی وجہ سے قاری صاحب میری بھی عقیدت کے مرکز تھے مگر یہ عقیدت نادیدہ تھی۔

پہلی ملاقات اس وقت ہوئی جب والد صاحب کی ڈائلیسیس شروع ہوچکی تھی۔ دوسری یا تیسری ڈائلیسیس تھی، ہم لوگ والد صاحب کو ہاسپٹل پہنچا کر ان کی ہدایت کے مطابق قاری

صاحب سے ملاقات کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ والد صاحب کی ڈائلیسیس کا جب انھیں علم ہوا تو انھوں نے استعجاب کا اظہار کیا اور ساتھ ہی یہ شعر پڑھا:

ہر چہ دانا کند کند ناداں
لیک بعد خرابی بسیار

یہ شعر ان کے زبان سے سن کر مجھے جھٹکا لگا کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ میرے ساتھ دو صاحب اور تھے جو فارسی سے نابلد تھے۔ ان کے پاس سے اٹھنے کے بعد میں نے ان لوگوں سے کہا کہ آپ کی سمجھ میں بھی کچھ آیا کہ انھوں نے فارسی شعر میں کیا کہہ دیا ہے؟ خود تو عقل مند بن کر بیٹھ گئے اور دوسروں کی مجبوری اور تحفظات جانے بغیر اسے نادان بنا دیا۔ ان کا یہ شعر دماغ میں پھانس بن کر اٹک گیا۔

مہینوں بعد میں نے ایک دن اس واقعہ کا ذکر والد صاحب کیا اور اپنی خلش بھی ظاہر کی۔ والد صاحب پہلے تو مسکرائے پھر تفصیل سے قاری صاحب کے مزاج اور ان کی افتادِ طبع کے بارے میں بتلایا۔

''قاری صاحب اصل میں ایک بے ریا اور بے تکلف قسم کے انسان ہیں، ان کے یہاں تصنع اور بناوٹ کا گزر نہیں ہے۔ بے تکلفی کی وجہ سے ڈانٹتے ڈپٹتے بھی بہت ہیں، مگر ان کا دل شفاف آئینہ کی طرح ہے۔ ان کے ڈپٹنے اور جھڑکنے کا معیار ان کی محبت ہے، جس سے جتنی زیادہ محبت کرتے ہیں اور جتنے زیادہ بے تکلف ہوتے ہیں، اس کو اتنا ہی جھڑکتے ہیں۔ بات بات پر اپنے متعلقین ومحبین کو ڈپٹتے رہتے ہیں مگر حقیقت میں خفا نہیں ہوتے ہیں بلکہ ان کی محبت کے اظہار کا یہ ایک طریقہ ہے۔ شاہ وصی اللہ صاحب جیسے اپنے مقربین پر مجلس میں اکثر دھول جماتے رہتے تھے، جو مجلس میں زیادہ قریب رہتا تھا اس پر طمانچہ بھی زیادہ پڑتا تھا۔ یہ شاہ صاحب کا ایک انداز تھا۔ یہی معاملہ قاری صاحب کا بھی ہے۔''

''رہا شعر کا معاملہ تو وہ از راہ بے تکلفی تھا۔ چوں کہ وہ مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں اس لیے میرے متعلق اس طرح کی باتیں از راہ محبت ان کی زبان سے نکل ہی جاتی ہے۔ اتنی چھوٹی بات پر اتنا دھیان دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔''

اس معاملہ کے گزرے مہینوں ہوگئے، میرا ذہن ڈھل دھلا کر صاف ہو چکا تھا۔ایک دن قاری صاحب کی مجلس میں صبح کے وقت والد صاحب کے ساتھ حاضر تھا۔اس وقت ''مجالس مصلح الامت'' کی تیسری جلد مرحلہ تکمیل میں تھی۔اس سے قبل دو جلدیں قاری صاحب ہی کی توجہ و عنایت سے شائع ہو چکی تھیں۔والد صاحب نے تیسری جلد کی تکمیل کی خوش خبری سنائی اور کتابت کے پیسوں کا مطالبہ کیا۔قاری صاحب نے رقم معلوم کی۔والد صاحب نے بتلائی تو اپنے مخصوص انداز میں فرمایا کہ ''نہیں میں اتنی رقم نہیں دے سکتا،صرف اتنا دوں گا''،یعنی والد صاحب نے جو رقم بتلائی تھی،اس سے کم۔والد صاحب نے کہا کہ میرا کام تھا بتلانا،میں نے بتلا دیا،جتنا آپ کے جی میں آئے دیجیے۔پھر جلدی جلدی قاری صاحب نے کہا کہ ہاں ہاں صرف اتنا ہی دوں گا۔شام کو کسی کو بھیج دینا۔

شام کو والد صاحب نے ایک پرچی لکھ کر مجھے دی اور کہا کہ قاری صاحب کو دیدو اور رقم ان سے لے کر آؤ۔میں پہنچا،پرچی دی،انھوں نے ایک لفافہ دیا،میں لے کر واپس آ گیا۔والد صاحب کو دیا تو فرمایا کہ کھول کر دیکھو،مجھے یقین ہے کہ اتنا ہی دیا ہوگا جتنا میں نے کہا تھا۔کھول کر دیکھا گیا تو واقعی اتنی ہی رقم تھی جتنی والد صاحب نے کہی تھی۔مجھے تعجب ہوا،پوچھا کہ وہ غصہ اور تڑک جھڑک کیا تھی؟ تو کہا کہ وہ ان کا انداز ہے۔وہ سب تو بس ایسے ہی تھا،اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ان کے دل میں نہ کوئی رنجش ہوتی ہے اور نہ ہی وہ کسی پر خفا ہوتے ہیں۔ان کی بظاہر جو خفگی ہوتی ہے وہ حقیقت میں خفگی نہیں ہوتی ہے بلکہ وہ محبت ہے۔بس فرق یہ ہے کہ میں اس کو سمجھتا ہوں اور تم اس کو سمجھ نہیں سکے۔اس لیے وسوسہ کے شکار ہو گئے۔یہ ان کی ایک ادا ہے جس کو سمجھنے والے خوب سمجھتے ہیں۔

والد صاحب نے ان کے اس انداز کا تذکرہ اپنے سفرنامہ حج میں بھی ایک جگہ کیا ہے۔والد صاحب ۱۹۹۲ء میں حج کے لیے جاتے ہوئے ممبئی گئے۔ساتھ میں مولانا عبدالرب صاحب بھی تھے۔والد صاحب کے جہاز کی تاریخ متعین ہو چکی تھی۔مولانا عبدالرب صاحب صرف پہنچانے کی غرض سے گئے تھے مگر نہ جانے ان کے جی میں کیا آیا کہ ان کا بھی ارادہ سفر حج کا ہونے لگا۔انھوں نے والد صاحب سے کہا کہ اگر کوئی صورت نکل جاتی جانے کی تو میں بھی ساتھ ہی چل

چلتا۔ بظاہر یہ خواہش ایسی تھی جو قریب قریب محال تھی۔ والد صاحب نے ان کی اس بات پر صاد کیا اور قاری ولی اللہ صاحب کے ناخن گرہ کشا سے اس عقدہ کو حل کرانے کے لیے پہنچے۔ آگے کی داستان خود والد صاحب کے قلم سے پڑھیے:

ہم لوگ بمبئی پہنچے تو مولانا عبدالرب صاحب نے ارادہ ظاہر کیا کہ اگر کوئی صورت بن سکے تو میں بھی آپ کے ساتھ حج کرلوں۔ مجھے بے حد خوشی ہوئی، مگر وقت اتنا کم تھا کہ فارم بھرنا، حج کمیٹی میں جمع کرنا، اس کی منظوری کا ہونا، پھر فلائٹ کا متعین ہونا ایک بڑا دردسر تھا۔ میں سوچنے لگا کہ کیا تدبیر کرنی چاہئے؟ تین چار روز کے بعد ہم لوگوں کے جہاز کی روانگی ہے۔ اس کے بعد صرف دو جہاز جائیں گے، پھر کام تمام!

میں نے سوچا کم اور دعا زیادہ کی، حق تعالیٰ نے جیسے لگے ہاتھوں دعا قبول فرمائی۔ ذہن میں بے ساختہ نام حضرت مولانا قاری ولی اللہ صاحب کا آیا۔ پچھلے حج میں تجربہ ہو چکا تھا کہ قاری صاحب کو حاجیوں کی خدمت کرنے میں کبھی کوئی عذر نہیں ہوتا۔ پھر ان کا نام سہولتوں کی ضمانت ہے۔ مشورہ کر کے ہم لوگ علی الصباح بعد نماز فجر قاری صاحب مدظلہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان سے مدعا بیان کیا۔ پہلے تو انھوں نے اپنے مخصوص لہجۂ محبت میں ڈانٹنا شروع کیا کہ آپ لوگ دیوانے ہیں؟ وقت اتنا کم ہے، اب کیا ہوسکتا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ آپ ہیں تو کیا نہیں ہوسکتا؟ پھر لہجہ بدلا، فرمانے لگے فوٹو ہے؟ ہم نے کہا نہیں۔ کہنے لگے تب تو آپ لوگ واقعی دیوانے ہیں۔ دس بجے کے بعد فوٹو کھنچوائیں گے، شام تک وہ دے گا، پھر کب فارم بھریں گے اور کب جمع کریں گے؟ اور وقت بالکل نہیں ہے۔ ہم لوگ وہاں سے شفقت ومحبت کی ڈانٹ سن کر اٹھے۔ سویرے کا وقت تھا، ایک فوٹو گرافر اپنی دکان کی صفائی کر رہا تھا۔ ہم لوگ اس میں گھس گئے۔ اسے صورت حال بتائی تو اس نے ترس کھا کر کیمرے کی آنکھ کھول دی اور گیارہ بجے تک دینے کا وعدہ کرلیا۔

پھر فارم بھر کر ۱۲؍ بجے سے پہلے حج کمیٹی میں جمع کر دیا۔ قاری صاحب نے اپنے ایک معتمد آدمی سے بات کر رکھی تھی، فارم بآسانی جمع ہوگیا۔‘‘

اس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ قاری صاحب کا انداز محبت کیا تھا؟ یہ خواہش جو قریب قریب ناممکن الحصول تھی مگر قاری صاحب نے درمیان میں پڑ کر اسے ممکن بنانے کی کوشش ضرور کی۔ یہ ان کی محبت ہی تو تھی ورنہ اگر وہ ترش رو یا تند خو ہوتے تو اس معاملہ سے دست کش ہونے کے لیے ہزار بہانے تھے۔

قاری صاحب ۱۹۵۳ء سے ممبئی میں فروکش تھے اور ۱۹۵۵ء سے نور مسجد ڈونگری میں امامت وخطابت کی خدمات انجام دیتے رہے ہیں۔یعنی کل ۶۳ رسال ممبئی میں رشد وہدایت کی سرگرمیوں میں گزارے ہیں۔اس بنا پر انھیں ممبئی کا قطب کہنا بجا ہوگا۔ان سے بے انتہا خلق خدا نے فائدہ حاصل کیا ہے اور بہت سی زندگیوں کی ڈانواڈول کشتیاں بے دینی کے منجدھار سے نکل کر ایمان کے ساحل تک پہنچی ہیں۔ان کے اخیر زمانہ کے فیضان کا ادنی سا مشاہد میں بھی ہوں۔

حضرت قاری صاحب کا اتوار کے دن فجر کی نماز کے بعد خصوصی مجلس کا معمول تھا جس میں چیدہ چیندہ لوگ شریک ہوا کرتے تھے۔شرکا میں بیشتر ممبئی کے نامور ڈاکٹر تھے۔اس مجلس کا ایک نصاب تھا اس لیے عام لوگوں کی شرکت اس میں نہیں ہوا کرتی تھی۔والد صاحب کے ساتھ متعدد بار مجھے بھی اس مجلس میں حاضری کا شرف حاصل ہوا ہے۔حضرت قاری صاحب اپنی چارپائی سے نیچے اتر کر بیٹھ جاتے۔حاضرین باادب دوزانو بیٹھ جاتے، جیسے ایک طالب علم استاذ کے سامنے بیٹھتا ہے۔قرآن کی سورتوں کا دور ہوتا اس کے بعد ہر ایک حدیث شریف سناتا۔حتمی طور پر تو نہیں کہہ سکتا مگر کچھ ایسا اندازہ ہے کہ ہر ہفتہ قاری صاحب ان لوگوں کو چند آیتیں اور دو تین احادیث یاد کرنے کے لیے بطور سبق کے دیا کرتے تھے۔یہ اس لیے کہہ رہا ہوں کہ چند ایک مرتبہ دیکھا کہ سنانے میں جیسے ہی کوئی بھولا یا غلطی ہوئی اور قاری صاحب نے ٹوکا تو فوراً جیب سے کاغذ کا ٹکرا نکل آیا جس میں دیکھ کر غلطی کی تصحیح کی گئی۔ممکن ہے کہ یہ کاغذ ہفتہ بھر ان کے جیب میں رکھا رہتا ہو، جہاں جب جیسے موقع ملتا رہا ہوگا یاد کرتے رہیں ہوں گے۔اس مجلس میں بھی زجر وتوبیخ کا وہی خاص انداز تھا۔ جہاں کسی سے دو تین مرتبہ غلطی ہوئی فوراً اس کو چپ کرا دیتے اور بعد والے کو سنانے کا حکم دیتے۔

مجلس کے اخیر میں کتاب پڑھ کر سنائی جاتی،کبھی حضرت تھانوی کے ملفوظات کبھی شاہ

وصی اللہ صاحب کی مجالس اور کبھی کوئی دوسری کتاب۔ اس کے بعد ناشتہ کے لیے دسترخوان لگایا جاتا۔ دسترخوان لگانے کے لیے کوئی الگ سے خادم متعین نہیں تھا بلکہ معزز حاضرین ہی یہ کام بھی انجام دیتے تھے۔ ناشتہ سے فراغت کے بعد چائے کا دور چلتا پھر اذن رخصت مل جاتا، جس کا جی چاہے جائے اور جس کا چاہے تھوڑی دیر اور فیض یاب ہو لے۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ اس مجلس میں زیادہ تر ڈاکٹر یا متمول لوگ ہی شریک ہوتے تھے۔ مگر خاص بات یہ تھی کہ کسی کی شکل وشباہت سے یہ ظاہر نہیں ہوتا تھا کہ یہ ڈاکٹر ہیں یا اشرافیہ طبقہ سے ہیں۔ شکل وصورت ایسی ہوتی تھی کہ ان پر مدرسہ کے فارغ التحصیل صاحب نسبت بزرگ کا دھوکہ ہوتا تھا۔ شاندار سفید داڑھی، نورانی چہرہ، بیشتر کی پیشانی پر سجدہ کا چمکتا ہوا نشان، بہترین کرتا پاجامہ، شاندار ٹوپی۔ بلاشبہہ یہ قاری صاحب کی حکیمانہ تربیت کا ہی نتیجہ تھا جو یہ لوگ اپنے پیشے کی عام طرز اور روش سے ہٹے ہوئے تھے، اور ایک فقیر بے نوا کے سامنے مودب بیٹھے نظر آتے تھے۔

ممبئی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ رزق کا شہر ہے مگر ساتھ ہی علم کش بھی ہے۔ اس قول میں صداقت کہاں تک ہے اس سے مجھے بحث نہیں ہے۔ مگر دیکھنے یہی آتا ہے کہ ہمارے طبقہ کے لوگ جب امامت وخطابت کے لیے ممبئی کا رخ کرتے ہیں تو تھوڑے ہی دنوں میں اپنی علمی صلاحیت کو ایک رومال میں تہ کرکے کنارے رکھ دیتے ہیں اور دستار بزرگی سر پر باندھ کر تقدس و عفت مآبی کا محاذ سنبھال لیتے ہیں۔ ممبئی کی دوڑتی بھاگتی زندگی میں کچھ دنوں کے بعد یہ اپنی دستار بزرگی سنبھالنے کے چکر میں علم سے اتنے دور نکل جاتے ہیں کہ واپسی کا امکان بھی ختم ہو جاتا ہے۔ قاری صاحب اس مثال سے بہت حد تک مستثنیٰ تھے۔ قاری صاحب ممبئی میں ضرور رہے مگر ممبئی ان میں گھسی نہیں۔ عمر کے ہر حصہ میں کچھ نہ کچھ علمی مشغلہ ضرور رکھا، ابتدا میں درس وتدریس سے متعلق رہے، پھر اس کے بعد کتابوں کی طباعت واشاعت کا کام شروع کردیا۔ مجلس ارشاد واصلاح تو ہر زمانہ میں قائم کرتے رہے، ساتھ ہی مسئلہ مسائل بیان کرنے کا بھی معمول رکھا۔ اہل علم اور اصحاب فضیلت وتقوی کی قدردانی تو گویا ان کے خمیر میں شامل تھی۔

قاری صاحب کا ممبئی میں قیام بعض اہل مدارس کے لیے نعمت عظمی سے کم نہیں تھا۔

چوں کہ قاری صاحب کی شخصیت مسلم تھی اوران کی بات کا ایک وزن ہوتا تھا،اس لیے جس مدرسہ کے متعلق ان کی زبان سے کلمہ خیر نکل جاتا اس مدرسہ کے تعاون کا اچھا خاصا انتظام ہوجاتا تھا۔اور پھران کے معمول میں یہ بھی تھا کہ خطاب عام کے بعد کسی ایک مدرسہ کا تعارف کرادیتے اوراس کے تعاون کی لوگوں کوترغیب دیدیتے۔بعض مدارس ایسے بھی تھے جن کے تعاون کے لیے باقاعدہ طوراپنے خاص حلقہ اثر کے لوگوں کومتوجہ کیا کرتے تھے،اور سالانہ اچھی خاصی رقم بعض مدارس میں بھیجا کرتے تھے۔ہنگامی حالت میں بہت سے مدرسوں کی ضرورتوں کو اپنا اثر ورسوخ استعمال کر کے پورا کرتے تھے۔

قسام ازل نے حضرت قاری صاحب کی قسمت میں ایک بہت بڑی نعمت لکھی تھی جس کا ظہورتقریباً ۳۴رسالوں تک ہوتا ہے۔یہ وہ نعمت ہے جوتدابیر کے لحاظ سے صرف سرمایہ داروں کا حصہ ہونا چاہئے مگر مقدرات تو خدا کے ہاتھ میں ہیں،ظاہری اسباب کے بغیر بھی وہ کسی کو کوئی بھی نعمت دے سکتا ہے۔وہ نعمت سفر حج کی نعمت تھی جس سے قاری صاحب کو حصہ وافر عطا ہوا تھا۔ ۱۹۷۲ء سے بیماری یعنی ڈائلیسیس کی ابتدا تک مسلسل قاری صاحب نعمت حج کی سعادت حاصل کرتے رہے۔حج کا سلسلہ بند ہوا تو عمرہ کا دروازہ کھل گیا۔ڈائلیسیس کے عارضہ کے بعد تقریباً ہر سال عمرہ کے لیے جاتے رہے۔یہ بہت بڑی سعادت اورنعمت ہے جس کا تعلق ''تانہ بخشد خدائے بخشندہ'' سے ہے۔

اخیر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت قاری صاحب کے بارے میں والدصاحب کی تحریروں سے بعض اقتباسات نقل کردوں جووالدصاحب کے قلم سے قاری صاحب کی ذات ستودہ صفات کے متعلق نکلے ہیں۔

بطواف کعبہ رفتم میں اپنی داستان حج سناتے ہوئے لکھتے ہیں:

''خوشی کی بات یہ ہے کہ اسی جہاز سے بمبئی کی نور مسجد کے مشہور امام حضرت مولانا قاری ولی اللہ صاحب بھی تشریف لے جانے والے ہیں۔قاری صاحب ان خوش نصیب لوگوں میں ہیں جنھیں ہرسال حج وزیارت کی سعادت نصیب ہوتی ہے۔نہایت ذی استعداد عالم دین، بہترین حافظ وقاری، نیک اور صالح، ذہین وتجربہ کاراورسفر حج کی رفاقت نے ثابت کردیا کہ

اعلیٰ درجہ کے حوصلہ مند و خدمت گزار! فتح پور تال نرجا، ضلع اعظم گڈھ کے رہنے والے، جو مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا وطن ہے، بلکہ حضرت شاہ صاحب کے عزیز قریب۔ قاری صاحب جن کمالاتِ عالیہ اور اوصافِ حمیدہ کے مالک ہیں، انھیں بیان کرنے سے قلم عاجز ہے۔ اس سفر نامہ کے پڑھنے والے قدرے ان کے اوصافِ عالیہ کا اندازہ کرلیں گے۔''

مجالس مصلح الامت جلد اول کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں:

''کتاب کی ترتیب کے بعد اس کی طباعت کا مرحلہ تھا۔ اللہ تعالی نے اسے اپنے ایک مخلص بندہ کے واسطے سے حل فرمادیا جو حضرت مصلح الامت کے اخص خواص میں سے ہیں۔

حضرت مولانا قاری ولی اللہ صاحب مدظلہ اللہ کی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت ہیں۔ خاص فتح پور کے رہنے والے، حضرت مصلح الامت کے قریب ترین حضرات میں سے ہیں۔ اللہ تعالی نے انھیں تقوی، طہارت اور بزرگی و نسبت مع اللہ کے ساتھ بزرگوں کے علوم کی نشر و اشاعت کا خاص ذوق بخشا ہے۔ حکیم الامت حضرت تھانوی کے مواعظ کی اشاعت بڑے پیمانے پر آپ نے فرمائی۔ تالیفات مصلح الامت کے پانچوں حصوں کو شائع کیا۔ اب مجالس مصلح الامت کی اشاعت کی ذمہ داری بھی حضرت قاری صاحب نے قبول فرمالی ہے۔ اس کا پہلا حصہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ ان شاء اللہ بقیہ حصے بھی ان کی برکت سے شائع ہوں گے۔

اللہ تعالی حضرت قاری صاحب کو ان کے فیوض و برکات کے ساتھ سلامت باکرامت رکھیں۔ آمین یارب العالمین''



عارف باللہ حضرت مولانا اعجاز احمد اعظمی صاحب نوراللہ مرقدہ کے احوال وکوائف، ان کے اوصاف وکمالات اور تلامذہ ومسترشدین کے ساتھ ان کے مربیانہ ومشفقانہ سلوک کے بارے میں جاننے کے لیے مطالعہ کیجیے کتاب

سراپا اعجاز

حیات وخدمات

عارف باللہ حضرت مولانا اعجاز احمد اعظمی صاحب نوراللہ مرقدہ کا

صفحات: ۵۵۰ قیمت: ۵۰۰ روپے۔ رعایت کے ساتھ ۳۰۰ روپے

ناشر: مدرسہ سراج العلوم سراج نگر چھپرا ضلع مئو یوپی

کتاب حاصل کرنے کے لیے رابطہ کریں اس نمبر پر

9936391085-9936029463

یا ای میل کریں۔ arfatazmi89@gmail.com پر

□□□

عبقری شخصیت استاذ العلما حضرت مولانا محمد افضال الحق جوہر قاسمی نوراللہ مرقدہ کے بارے میں جاننے کے لیے مطالعہ کریں مدرسہ سراج العلوم سراج نگر کے غیر موقت رسالہ ''سراج الاسلام'' کی خصوصی اشاعت بیاد استاذ العلما حضرت مولانا محمد افضال الحق جوہر قاسمی کا۔

صفحات: ۲۸۵ قیمت: ۱۱۰

ناشر مدرسہ سراج العلوم سراج نگر چھپرا ضلع مئو یوپی

کتاب حاصل کرنے کے لیے رابطہ کریں درج بالا نمبر یا ای میل پر۔